اسلام اور مغربی تحریکات

منشی عبدالرحمٰن خان

قاسمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ۔ چہلیک ۔ ملتان فون نم

مرتبہ

منشی عبدالرحمٰن خان

شائع کردہ

عالمی ادارہ اشاعتِ علوم اسلامیہ (رجسٹرڈ) جھلیک ملتان

فون ۳۱۶۷۵

اشاعت اوّل ——— جولائی ۱۹۸۴ء
طابع ——— منزل پریس ملتان
ناشر ——— سعید احمد خان
تعداد ——— گیارہ سو (۱۱۰۰)
قیمت ——— اکیس روپے -/۲۱

صدیقی ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نسیم پلازا
نشتر روڈ۔ کراچی کے تعاون سے طبع شد

انتساب

اُن کے نام

جو

اسلامی شعار کی بجائے مغربی
تہذیب و تمدن کے دِلدادہ ہیں۔

منشی عبدالرحمن خان

ترتیب

تفصیل

(۴)

مغربی تحریکات اور اسلام

(۵)

کمیونزم کے سبز باغ

(۶)

معاشرے کے سرطان

(۷)

ذہنی اور اعتقادی ارتداد

---

(۸)
ذہنی ارتداد کے اسباب

(۹)
شراب کی حقیقت ومضرت

(۱۰)
جھوٹ کی گرم بازاری

(۱۱) تشککین و مستشرقین کے لئے لمحہ فکریہ

(۱۲) یہودیوں کی ذلت اور حکومت

(۱۳) سگریٹ نوشی کی مہلک وباء

اسلام کے نام پر پاکستان تو ۱۹۴۷ء میں معرضِ وجود میں آگیا۔ مگر اس میں نظامِ اسلام کی ۱۹۷۷ء تک جھلک دیکھنے میں نہ آئی۔ کیونکہ اس کی عنانِ اقتدار ہی ایسے طبقہ کے ہاتھ رہی۔ جو اسلام سے زیادہ مغربی تہذیب و تمدن یا کمیونزم و سوشلزم کا دلدادہ تھا۔ اسی لئے اس نے پاکستان میں احیاءِ اسلام یا تعلیم دین کی طرف توجہ نہ دی۔ اور نہ کمیونزم یا سوشلزم کے پرچار کرنے والوں کو لگام دی نہ ملک میں لادینی لٹریچر کے سیلاب کو روکنے کی کوئی کوشش کی۔ دوسری طرف دینی اور اسلامی ادارے سیاست کی بھینٹ چڑھ گئے۔ جس کی بدولت کفر و الحاد اور شرک و لادینیت کے سیم سے کوئی گھر محفوظ نہ رہا۔

ان نامساعد حالات میں ہم نے عصری تقاضوں کے مطابق، غیر سیاسی اور غیر اختلافی بنیادوں پر، دلکش اور دلنشین انداز میں ہلکا پھلکا دینی لٹریچر ان حضرات تک پہنچانے کی مہم کا آغاز کیا جو محراب و منبر تک نہیں پہنچتے تھے

یا قیمتی دینی لٹریچر نہیں خرید سکتے تھے یا دینی لٹریچر پڑھنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے تھے۔ اپریل ۱۹۶۵ء سے اب تک ہم ہر ماہ ہزاروں کی تعداد میں دینی۔ سائنسی معلوماتی۔ بصیرت افروز لٹریچر شائع کرکے متذکرہ حلقوں تک مفت پہنچاتے رہے۔ جو نسلِ نو کے ذہنی ارتداد کو دور کرنے اور تعلیم یافتہ طبقہ سے فرنگی اثرات زائل کرنے اور اسے ذہناً اسلام کے قریب لانے میں بڑا مفید ثابت ہوا۔ اسلامی نظامِ حیات اور دوسرے علمی مباحث پر دینی لٹریچر کی کمی کو کافی حد تک دور کیا۔ موضوعات کے تنوع کی بدولت ایم۔اے اسلامیات اور سیاسیات وغیرہ کے زیرِ تعلیم طلبار بلکہ ان کے اساتذہ تک ہمارے لٹریچر سے استفادہ کرتے رہے۔

بفضلہ تعالےٰ اس وقت ہم مختلف اسلامی۔ تاریخی۔ علمی اور ثقافتی موضوعات پر معروف و مشہور دانشوروں کے دو سو مقالات شائع کر چکے ہیں۔ جن کی روز افزوں مانگ کے پیشِ نظر اس دینی اور علمی سرمایہ کو عام کرنے کی خاطر موضوع وار مرتب کرکے خزینۂ بصیرت میں محفوظ کر دیا ہے۔ "خزینۂ بصیرت" کا یہ سیٹ پندرھویں صدی کی تقریبات کی نسبت سے ۱۵ جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد کی ضخامت قریباً اڑھائی سو صفحات ہے جن کی فہرست درجِ ذیل ہے۔

(۹) اسلام کا نظامِ تعلیم (۱۰) اسلام کا معاشرتی نظام
(۱۱) اسلام کا نظامِ عدل و انصاف (۱۲) اسلام اور مغربی تحریکات
(۱۳) اسلام کیسے پھیلا ؟ (۱۴) مقامِ شہادت اور قیامِ قیامت
(۱۵) پندرھویں صدی کے تقاضے ۔

اس سیٹ کی بارھویں جلد اس وقت آپ کے پیشِ نظر ہے ۔جس سے آپ اس کی اہمیت، افادیت کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں ۔ اس کا مطالعہ نہ صرف آپ کے لئے بلکہ آپ کے اہلِ خانہ اور احباب وغیرہ کے لئے بھی مفید ثابت ہوگا ۔ اسے خود پڑھنے کے علاوہ دوسروں کو پڑھا کر ثواب حاصل کریں ۔

احقر العباد
منشی عبدالرحمٰن خان

چہلیک ملتان

(۱)

انسان دشمن تہذیب

مادی ایجادات | سید قطب شہید المصری

روئے زمین پر انسان کے ہاتھوں مادی ایجادات جہاں اس کی حیات اور ارتقاء کے لئے ضروری ہیں وہاں یہ اس کا اساسی کردار بھی ہے۔ اس سے اس کا وجود متحقق ہوتا ہے اور اس کی ذات کو نمو حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے پیچیدہ اور منفرد وجود میں جو صلاحیتیں پنہاں کر دی ہیں۔ انہیں ابھرنے کا موقعہ ملتا ہے۔

ساری کائنات میں صرف انسان ہی اس فرض کو شعور اور ارادے سے پورا کرتا ہے۔ اور اسی سے اس کی تخلیق کا مقصدِ عظیم پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ انسان کی تخلیق کا مقصدِ عظیم اللہ تعالیٰ کی خلافت کا قیام ہے۔

اِنّی جاعِلٌ فی الارضِ خلیفۃ — میں بنانیوالا ہوں زمین میں خلیفہ (البقرہ)

قیام خلافت کے ساتھ ہی انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اللہ کے نام پر عمل میں مصروف ہو جاتا ہے۔

وما خلقتُ الجنَّ والانسَ الا لیعبُدُون (الذاریات) — میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے

مگر مادی ایجادات کی جس قدر شکل میں — زمین میں کاشت کرنا، اس کے

خزانوں کا پتہ لگانا اور اس کی قوتوں کو کام میں لانا۔ آسائش زندگی کے لئے قابل
صرف اشیاء تیار کرنا، خلا پیمائی اور ستاروں تک پہنچنے کی کوشش کرنا۔ ان تمام
ایجادات کو اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق انسان کی خدمت ہی کے لئے ہونا چاہیئے خود
اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین میں موجود تمام اشیاء کو انسان کے تابع بنا دیا ہے۔

انسانی خصوصیت کی حفاظت

یہ بھی ضروری ہے کہ ان مادی ایجادات
اور ان پر کھڑی ہونے والی تہذیبی
عمارت میں انسانی خصوصیات کی پوری پوری حفاظت کی جائے۔ نوع انسانی کی وہ خصوصیات
جو اسے مادہ اور حیوان سے ممتاز کرتی ہیں۔ اور افراد کی وہ خصوصیات جو ہر فرد کی
علیحدہ سیاتیاتی، نفسیاتی اور عقلی دنیا تشکیل کرتی ہیں۔

ان مادی ایجادات اور ان کے سہارے ابھرنے والی تہذیب میں کوئی ایسی شئے
ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔ جو انسانی خصوصیات کی ضد ہو۔ وہ ان خصوصیات کو تباہ کر
دے یا ان کے نشوونما میں رکاوٹ بن جائے اور ایسی بھی کوئی شئے نہ ہونی چاہیئے۔ جو
انسانی خصوصیات کی تحقیر کرکے انہیں کمتر ثابت کرے اور خود انسان کے کردار کو مادی
ایجادات کے بالمقابل ثانوی درجہ دیدے

اسمیں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کہ انسان اس سرزمین میں سرا ہو۔ وہ اپنی نوعی اور
شخصی خصوصیات کو نشوونما دے اپنی ذات کا اثبات کرے اور مادی ایجادات کے ذریعے ترقی کرتا جائے
ان دونوں امور میں نہ صرف یہ کہ تعارض نہیں ہے۔ بلکہ توافق اور ہم آہنگی ہے مگر
یہ سب تب ہی ہے، جب "تصور انسان" درست ہو۔ اس کے مرکز وجود ہونے اور زمین
میں اس کردار کے بارے میں نقطۂ نظر صحیح ہو اور جو خصوصیات اسے اپنے خالق کی جانب

سے عطا ہوتی ہیں۔ اور جو اس کے ذمے لگایا گیا ہے۔ اس کا پورا پورا احساس ہو۔
مگر اس تہذیب ۔۔ اگرچہ یہ تہذیب بھی گذشتہ تہذیبوں کی ایک کڑی ہے
اور اپنی بنیادوں میں سابقہ تہذیبوں سے علیحدہ نہیں ہے ۔۔ کے خالقوں کو انسان کی
حقیقت اور اس کی خصوصیات کا کوئی علم نہیں ہے۔ اور نہ وہ اپنے دلوں میں انسانیت
کی تکریم اور احترام کا جذبہ رکھتے ہیں۔

تہذیب جدید کے خالقین علم و دانش سے محروم ہیں۔ کیونکہ اس تہذیب کی
ابتداء اور اس کا نشو ونما آخری تین صدیوں میں ہوا۔ اور اس وقت سے اب
تک انسان کے بارے میں جہالت بدستور ہے۔ انسان کے بارے میں صرف وہی بات
صحیح اور درست ہو سکتی ہے۔ جو اس کے خالق نے بتلائی ہے۔ اور جدید مادی تہذیب
کے مزاج میں کلیسا بیزاری اور مذہب دشمنی موجود ہے۔

تہذیب جدید میں انسانیت کی تحقیر

خالقین تہذیب جدید کو انسان کی تکریم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے
کیونکہ اس قسم کا کوئی اقدام ان کو انسان کا وہ مقام یاد دلاتا ہے۔ جو اسے مذہب نے دیا
ہے۔ اور یورپ میں سب کچھ درست ہو سکتا ہے مگر یہ درست نہیں ہو سکتا کہ
مذہب کا کسی مقام پر تذکرہ آئے۔ یا انسان کی تمدنی حالت، یا اجتماعی اور معاشی نظام
یا اس کے عملی تعلقات و روابط اور رفتی طریقوں سے مذہب کا کوئی ربط ہو۔ بلکہ ان
کو اس بات کا انتہائی شدید شوق ہے۔ کہ انسانیت کی تحقیر کریں۔ اسے گندگی میں
ملوث کریں۔ اسے حیوان اور جنس کی نجاست میں لتھڑا بتائیں اور اسے مادہ کے جبری
قوانین اور اقتصاد کی قوت قاہرہ کے سامنے مغلوب کر کے کہہ سکیں کہ یہ تیرا خدا اور یہ تیرا

مذہب ہے۔ اور یہ وہ انسان ہے جس کے بارے میں تیرا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی روح پھونکی ہے! جب یہ صورتحال ہے تو کلیسا کو ہماری عملی زندگی سے قطعاً علیحدہ ہو جانا چاہیئے:

اس المیہ کے اسباب خواہ کچھ ہی رہے ہوں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ تہذیب جدید ابتداءً ان تجربی اور علمی بنیادوں پر قائم ہوئی۔ جو اندلس اور اسلامی مشرق سے یورپ تک پہنچی تھیں۔ اور جو قرآنی آیات سے ابھری تھیں کیونکہ قرآن تو اس کائنات میں تدبر اور زمین کی پوشیدہ قوتوں کے استعمال کی جانب متوجہ کرتا ہے نیز اس تہذیب کی بنیاد اسلام کی انسانی اور واقعی روح بھی تھی۔ مگر جب یہ تمام سرمایہ یورپ پہنچا۔ تو یہ اپنی فلسفیانہ بنیادوں پر نہیں پہنچا بلکہ صرف علوم فنی طریقوں اور تجربی مناہج کی شکل میں آیا۔ اور بالآخر مذہب اور تہذیب جدید میں "بدترین پیکار" قائم ہو گئی۔

اس لئے اس تہذیب میں اس انسان جس کے لئے یہ تہذیب تخلیق ہوئی۔ اور جو اس کا صانع تھا۔ اس کا کوئی لحاظ نہ رکھا گیا۔ چنانچہ یہ تہذیب انسان کے لئے نامناسب بن گئی۔ اس نے انسان کی ان بنیادی خصوصیات کو کچل ڈالا۔ جو انسان کو کائنات میں منفرد اور جداگانہ تشخص کرتی ہیں۔ اور جن کی بدولت انسان اس قابل ہوتا ہے کہ اپنا کردار ادا کرے۔ بلکہ اگر کسی اجتماعی یا اقتصادی نظام یا کسی تہذیب میں ان خصوصیات میں سے بعض کی طرف سے بھی غفلت برتی جائے۔ تو بھی انسانی وجود میں اختلال پیدا ہو گا اور نہ صرف یہ کہ اس کے وہ ہی پہلو مرٹ جائیں گے جن کی طرف سے غفلت برتی گئی تھی بلکہ اس کے دوسرے پہلو بھی ختم ہو جائیں گے کیونکہ انسانی نظام مرکب اور باہم پیوست ہے۔ وہ ایک وحدت کی طرح حرکت کرتا ہے۔ اور تجرباتی اور عقلی بحث کے علاوہ اس

کے اجزاء علیحدہ علیحدہ نہیں پائے جاتے

تہذیب جدید پر مغربی سائنسدان کا تبصرہ

تہذیب جدید کی نشاۃ اور انسانی خصوصیات سے اس کی عدم مناسبت کے بارے میں الیکس کیرل کے اقتباسات ملاحظہ فرمایئے،

"تہذیب جدید انسانیت کے نامناسب اور بڑے مشکل مرحلے میں ہے۔ اس تہذیب کا ہماری طبیعت کی حقیقی معرفت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسکی پیدائش میں کچھ علمی دریافتیں۔ لوگوں کی خواہشات واوہام اور بعض نظریات وافکار کا حصہ باوجودیکہ یہ ہماری ہی کوششوں کا نتیجہ ہے مگر یہ انسانیت کے حجم اور شکل پر بالکل منطبق نہیں ہوتی" ص ۲۸

"صنعتی زندگی کی تنظیم میں مزدوروں کی عقلی اور عضویاتی حالت پر کارخانے کے اثرات کو قطعاً نظرانداز کر دیا گیا ہے موجودہ صنعت اس اصول پر قائم ہے کہ "کم سے کم اخراجات میں زیادہ سے زیادہ پیداوار کی جائے تاکہ فرد یا گروہ زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹ سکے" بنابر اس اصول کو وسعت تو دی گئی مگر ان انسانوں کی طبیعت پر غور نہیں کیا گیا جو مشینیں چلاتے ہیں اور ان اثرات کے بارے میں بھی نہیں سوچا گیا جن کو صنعتی زندگی پیدا کرتی ہے۔ اور اور کارخانے انہیں افراد اور ان کی اولاد پر مسلط کرتے ہیں" (ص ۴)

یہ نظر پرست جو تہذیبیں بناتے ہیں باوجودیکہ وہ انسان کی بھلائی کے لئے ہوتی

نیز مزدور کی عقلی اور عضویاتی حالت پر مرتب ہونے والے کارخانے کے اثرات میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ پیداوار قوم کی ملکیت ہے ۔ یا قوم کے ایک طبقہ کی یعنی حکومت کی ۔ کیونکہ محنت کا طریقہ بہرحال ایک ہی ہے ۔

ہیں بلکہ وہ صرف انسان کی نامکمل یا مبالغہ آمیز تصویر کے مطابق ہوتی ہیں جکو متول کے جو نظام "مفکرین" نے اپنی عقل سے تراشے ہیں۔ ان کی کوئی قیمت نہیں ہے فرانسیسی انقلاب کے اصول اور مارکس اور لینن کے خیالات صرف جامد لوگوں ہی پر منطبق ہو سکتے ہیں ہمیں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ہمیں انسانی روابط پر مشتمل قوانین کا کوئی علم نہیں ہے۔ اور علوم اجتماع اور اقتصادیات صرف تخمینی اور فرضی علوم ہیں" (ص ۴۴)

ہر شئے کا پیمانہ خود انسان کو ہونا چاہیئے مگر صورت حال اس کے برعکس ہے۔ انسان بے چارہ خود اپنی پیدا کردہ دنیا میں اجنبی ہے، وہ اپنی دنیا کو از خود منظم نہیں کر سکتا کیونکہ اسے اپنی طبیعت کی عملی معرفت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علوم حیات کے بالمقابل علوم جمادات میں انسان کی بے اندازہ ترقی خود اس کے لیے مصیبت بن گئی ہے، اب جو ماحول خود ہماری عقل اور ہماری ایجادات کا پیدا کردہ ہے۔ وہ ہمارے ڈھانچہ اور ہمارے قوام کے لیے نامناسب ہے۔ ہم بڑے بدنصیب ہیں۔ کیونکہ ہم عقلی اور اخلاقی دیوالیہ پن سے دوچار ہیں۔

جو جماعتیں اور قومیں آج صنعتی تہذیب میں ترقی کی بام عروج پر پہنچ چکی ہیں۔ یہی قومیں کمزور ہوتی جارہی ہیں۔ اور یہی اقوام سب سے پہلے بربریت اور وحشیت کی جانب لوٹیں گی۔ اگر اس کا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سائنس نے اس تہذیب کے گرد جس قسم کے بدترین حالات پیدا کر دیئے ہیں۔ ان سے بچانے والا کوئی نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہمارے تمدن نے بھی گزشتہ تمام تمدنوں کیطرح زندگی کے ایسے معین حالات پیدا کر دیتے ہیں۔ جو بذات خود زندگی کے وجود کو محال بنا رہے ہیں۔ اور اس حقیقت کے اسباب کا ابھی تک علم نہ ہو سکا۔ (ص ۴۳-۴۴)

باوجودیکہ تہذیب جدید نے اپنے سفر کا آغاز بڑی خوش کن امیدوں کے ساتھ کیا مگر یہ تہذیب ایسے انسان پیدا کرنے میں ناکام ہو چکی ہے جس میں کسی قدر عقل و جرأت ہو اور وہ اس تہذیب کی ڈوبتی نیا کو پار لگا سکیں کیونکہ انسان نے اس قدر تیز ترقی نہیں کی ہے جس قدر تیز ترقی تہذیب جدید کے ساختہ عقلی نظاموں نے کی ہے چنانچہ دور جدید کی قومیں جس خطرے سے دوچار ہیں۔ اور جس سے ان کے سیاسی زعماء فکرمند ہیں۔ وہ ان قوموں کا اخلاقی اور عقلی زوال ہے۔ (ص ۲۷)

عقل، قوت ارادی اور اخلاق آپس میں باہم مربوط ہیں البتہ اخلاقی احساس عقل سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ جب یہ احساس کسی قوم سے نکل جاتا ہے تو اس کا اجتماعی وجود رفتہ رفتہ ختم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ (ص ۱۶۰)

تہذیب جدید عقلی عمل کے مناسب کوئی ماحول پیدا کرنے میں ناکام رہی ہے۔ اکثر لوگوں کے عقلی اور روحانی زوال کا سبب وہ نقائص ہیں جو ان کی نفسیاتی فضا میں موجود ہیں کیونکہ مادہ کی برتری اور "صنعتی مذہب" کے اصولوں نے ثقافت جمال اور اخلاق کو پامال کر دیا ہے (ص ۱۸۴)

اخلاقی احساس کا خاتمہ / جدید معاشرہ اخلاقی احساس سے بالکلیہ دستبردار ہو چکا ہے۔ اور اس احساس کے مظاہر تک کو مٹا دیا ہے۔ کیونکہ ہم ذمہ داریوں سے آزاد ہونا چاہتے ہیں اب تو حالت یہ ہے کہ جو لوگ خیر و شر میں امتیاز رکھتے ہیں۔ اور محتاط ہو کر کام کرتے ہیں وہ تنگدست رہتے ہیں۔ اور لوگ انہیں بڑی تنگدلی کے ساتھ اور افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ آج جو عورت اپنے آپ کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے وقف کر دے اور اپنا

65687

کچھ زیادہ خیال نہ رکھے۔ اسے کمزور عقل تصور کیا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی اور بچوں کی تعلیم کے لئے کچھ سرمایہ پس انداز کرے تو یہ سرمایہ کسی نہ کسی بہانے سے کاروباری سرمایہ یا حکومت اُچک کر لے جائے گی۔ (ص ۱۸۵)

وحشیانہ مادیت نہ صرف یہ کہ عقلی ارتقاء کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ بلکہ نرم خو، شریف، کمزور اور تنہا شخص کو کچل کر رکھ دیتی ہے۔ اور ایسے لوگوں کو ختم کر دیتی ہے۔ جو ذوق جمال رکھتے ہیں۔ اور جنہیں دولت کے علاوہ کچھ اور اشیاء کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ (ص ۱۷۳)

عطف، جمال اور مذہب کا ارتقاء رک جانے کی بناء پر ایسے کمینے لوگ ابھر آئے تھے جو کج فہم اور مریضانہ ذہنیت کے حامل ہیں۔ باوجودیکہ عقلی تربیت ہر شخص کو میسر ہے۔ مگر پھر بھی اس قسم کے لوگ ہر جگہ موجود ہیں۔ شعور جمال اور احساس مذہب پیدا کرنے کے لئے کسی بلند ترین ثقافت کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ یہ ثقافت عالیہ فنکار شعراء اہل مذہب اور دوسرے مطالعہ جمال کرنے والوں کے لئے ضروری ہے یہی بات اخلاقی احساس اور اصابت رائے کے بارے میں بھی درست ہے۔

یہ تمام متنوع اعمال بذات خود کافی ہیں۔ ان کے لئے انسانی صلاحیتوں کو سعادت کے لئے تیار کرنے میں کسی تیز فہمی کی ضرورت نہیں ہے۔ ان اعمال کا ارتقاء ہی بذات خود تعلیم کا اعلیٰ ترین مقصد ہونا چاہیئے۔ تاکہ فرد میں توازن قائم ہو سکے۔ یہ متنوع اعمال اجتماعی عمارت کا سنگ بنیاد ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو صنعتی تہذیب کی افزائش میں مصروف عمل ہیں۔ انہیں ہوشیاری سے زیادہ اخلاقی احساس کی ضرورت ہے (ص ۱۶۸-۱۶۹)

آج افراد کا جمال پامال ہو چکا ہے۔ کیونکہ صنعتی تہذیب نے انہیں اپنے جملہ بد نما کریہہ اور سخت مناظر کے ساتھ گھیرے میں لیا ہوا ہے یہ لوگ مشین بن چکے ہیں ایک ہی مزدور ایک ہی دن میں ایک ہی قسم کی حرکات ہزاروں مرتبہ کرتے ہوتے پوری زندگی بسر کر دیتا ہے۔ وہ مصنوعات کے اجزاء بناتا ہے۔ کوئی مکمل شئے نہیں بناتا گویا اسے اپنی عقل کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔ اس کی مثال کولہو کے بیل کی سی ہے۔ جو سارے دن ایک ہی دائرہ میں گردش کرتا رہتا ہے۔ صنعت نے انسان کو اس عقلی عمل سے محروم کر دیا ہے جس سے انسان کے لئے اپنی یومیہ زندگی میں لطف اندوز ہونا ممکن تھا۔ تہذیب جدید کی یہ بدترین غلطی ہے۔ کہ اس نے عقل کو مادہ کی قربان گاہ کی بھینٹ چڑھا دیا یہ ایک ایسی ہولناک غلطی ہے۔ جس کے خطرات روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں کیونکہ کوئی بھی اس کے مدمقابل آنے کی ہمت نہیں کرتا۔ اور سب نے اس کو اس طرح قبول کر لیا ہے جیسے انہوں نے بڑے بڑے شہروں کی مضر صحت زندگی اور کارخانوں کی قید و بند کو قبول کر لیا ہے جو لوگ اپنے اعمال میں احساس جمال کا ابتدائی شعور رکھتے ہیں۔ وہ ان لوگوں سے بہتر ہیں جو صرف پیداوار کرتے ہیں۔ کیونکہ پیداوار سے انہیں استعمال کی سہولت میسر آتی ہے۔ موجودہ صنعت نے کارکن کو ابداع اور جمال کے شعور سے محروم کر دیا ہے۔ ہماری تہذیبی خشونت اور مصیبت کی جزئی وجہ وہ اخفاء ہے۔ جو ہماری زندگی پر چھایا ہوا ہے اور جو جمال سے لطف اندوز ہونے کے بہت ہی کم مواقع مہیا کرتا ہے۔ (ص ۱۶۱، ۱۶۲)

جدید معاشرہ فرد سے ناواقف ہے۔ وہ اپنے حساب میں بنی نوع انسان کو شمار نہیں کرتا۔ وہ صرف کائناتی حقیقتوں پر ایمان رکھتا ہے۔ اور لوگوں سے اس کا

تعامل بطور خلاصہ ہے۔ فرد اور بنی نوع انسان کے بارے میں صنعتی تہذیب کے اضطراب نے اسے ایک بڑی غلطی میں پھنسا دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ لوگوں سے برتاؤ مقررہ اصولوں پر کرتی ہے۔ اگر تمام انسان مساوی ہوتے تو ان کی تربیت، زندگی اور عمل بکریوں کے گلے کی شکل میں ہوتا۔ حالانکہ ہر انسان جداگانہ شخصیت کا مالک ہے۔ اور ایک رمز کی طرح تعامل ممکن نہیں ہے۔ (ص ۳۱۸)

اولاد کی تربیت میں خاندان کی اہمیت

جدید معاشرے نے ایک بڑی غلطی یہ کی ہے کہ تربیت کا کام خاندان سے لے کر اسکول کو دے دیا۔ چنانچہ مائیں اپنے بچوں کو نرسری گاہوں میں چھوڑ کر اپنے کاموں اور اجتماعی دلچسپیوں کے لئے چل دیتی ہیں۔ یا بازار چلی جاتی ہیں۔ ادبی اور فنی ذوق پورا کرتی ہیں۔ برج کھیلتی ہیں۔ اور سینما جاتی ہیں۔ غرض یونہی اپنے اوقات ضائع کرتی ہیں۔ عورتیں ہی دراصل خاندان کے مٹ جانے کی ذمہ دار ہیں۔ اور ان خاندانی اجتماعات کی بھی جن میں بچے بڑوں کے ساتھ بیٹھ کر بہت کچھ سیکھ لیتے ہیں۔ اگر کتے کے بہت سارے پلے ایک ہی جگہ بند کر دیتے جائیں۔ تو وہ اس قدر نشوونما نہیں پا سکتے۔ جس قدر وہ پلے بڑھتے ہیں۔ جو اپنے ماں باپ کے ساتھ آزادانہ گھومتے ہیں۔ یہی فرق انسانوں کے ان بچوں میں بھی ہے۔ جو اپنے ہم عمروں میں گھرے رہتے ہیں۔ کیونکہ بچہ عضویاتی، عقلی اور نفسیاتی لحاظ سے بہت ہی کم سیکھ پاتا ہے۔ اور اگر وہ اسکول میں صرف اپنے ہم عمروں میں رہے تو وہ نامکمل رہے گا۔ فرد کو مکمل طور پر قوت حاصل کرنے کے لئے کسی قدر عزلت اور کسی قدر اجتماعیت کی ضرورت ہے جو خاندان فراہم کرتا ہے۔ (ص ۳۱۸، ۳۱۹)

لوگوں میں ناپختگی کی ذمہ دار وہ اجتماعی تنظیمات ہیں جنہوں نے فرد کو نظر انداز کر دیا ہے۔ کیونکہ انسان زندگی کی یکسانیت اور اس مشابہت عمل کو برداشت نہیں کر سکتا جو دفاتر اور کارخانوں کے ملازمین اور مزدوروں کو اور ان تمام لوگوں کو کرنا ہوتا ہے جو عظیم تر پیداوار (MASS PRODUCTIONS) میں شریک ہوتے ہیں۔

الیکسس کاریل کی تمام کتابیں اسی قسم کی توضیحات ہیں۔ ہم نے اس کتاب سے جو اقتباسات دیئے وہ تمام کے تمام اس احساس پر مشتمل ہیں۔ کہ موجودہ تہذیب انسان اس کے ذاتی مقویات اور خصوصیات کے لئے ایک خطرہ ہے۔

آخر میں وہ درج ذیل جملے تحریر کرتا ہے
تہذیبِ جدید زوال پذیر ہے۔ جس میں تنبیہہ کا انداز زیادہ نمایاں ہے۔ اور ایک سائنسدان ہونے کے باوجود اس کی ان سطور میں مذہبی تنبیہات کا رنگ جھلکتا ہے۔

انسان وراثت اور ماحول کی پیداوار ہے۔ اس کی زندگی اور فکر کی عادات وہ ہی ہیں۔ جو جدید معاشرے نے اس پر مسلط کر دی ہیں۔ ہم بتا چکے ہیں۔ کہ یہ عادات کس طرح انسان کے جسم اور شعور پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہ بھی ہمیں معلوم ہے۔ کہ ٹکنالوجی نے جو ماحول بنایا ہے۔ انسان اس سے اپنے آپ کو ہم آہنگ نہیں کر سکتا۔ اور یہ ماحول اب رو بہ زوال ہے موجودہ حالت کی ذمہ داری سائنس اور ٹکنالوجی پر نہیں بلکہ خود ہم پر ہے۔ کیونکہ ہم جائز اور ناجائز میں فرق نہیں کرتے قوانین طبیعت کو توڑ کر ہم نے بڑی غلطی کی ہے۔ ایسی غلطی جس کی سزا سے بچاؤ ممکن نہیں۔

ہے۔ سائنسی مذہب اور صنعتی آداب حیاتیاتی حقیقت کے بالمقابل شکست کھا چکے ہیں جب بھی کبھی انسان زندگی کے ممنوع علاقوں میں قدم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ زندگی انسان کی قوتوں کو مضمحل کر دیتی ہے۔ اسی لئے موجودہ تہذیب زوال پذیر ہے کیونکہ علوم جدا ہمیں ممنوع علاقے میں لے گئے اور ہم ان کی ہدایت پر بغیر دیکھے بھالے چلتے رہے چنانچہ یہ نتیجہ ہوا کہ فرد کمزور، بدکار اور غبی ہو گیا۔ اور اسے اپنے نفس پر کوئی قدرت حاصل نہیں رہی۔ (ص ۳۲۲)

انسان کی تخلیقِ نو

اس تنبیہ کے بعد مصنف اپنی کتاب کے باب "انسان کی تخلیق نو" میں ایک اور تنبیہ کرتا ہے

ہمیں اس انسان کی تخلیق نو کرنا ہو گی۔ جس کو جدید زندگی اور موضوعی مقابلوں نے نکما بنا دیا ہے۔ دونوں صنفوں کی تجدید بھی از سرِ نو ہے ہر فرد یا مذکر ہو یا مؤنث کسی صنف میں بھی دوسری صنف کی عقلی صفات، جنسی میلانات اور شوق ظاہر نہ ہونے چاہئیں۔ بجائے اجتماعی شکل میں مشین کی طرح پیداوار کرنے کے انسان کو اپنی وحدانیت کا اثبات کرنا چاہیئے۔ شخصیت سازی کے کام کے لئے ہمیں موجودہ اسکول کارخانے اور دفاتر ختم کرنے ہوں گے۔ بلکہ ہمیں چاہیئے کہ ہم اس تکنیکی تہذیب کے اصولوں کو اٹھا کر پھینک دیں۔ (ص ۳۶۸)

الیکسس کیرل اپنی کتاب کے مقدمہ میں رقمطراز ہے۔

یہ کتاب ان لوگوں کے لئے ہے جو یہ احساس کر سکیں کہ عقلی اور سیاسی اور اجتماعی تغیرات ناگزیر ہو چکے ہیں اور موجودہ صنعتی تہذیب کو بدل کر اس کی جگہ انسانی ترقی کی ضامن نئی فکر لانا ضروری ہے۔ (ص ۱۱۲)

ہم نے ڈاکٹر کیرل کی کتاب "انسان نامعلوم" سے بکثرت اقتباسات اس لئے نقل کئے ہیں کہ یہ اقتباسات ایک ایسے سائنسدان کے ہیں جو اپنے موضوع سے پوری طرح واقف ہے اور جس تہذیب کے خلاف اعلانِ بغاوت کر رہا ہے اس کی نشوونما اسی تہذیب کے زیرسایہ ہوئی ہے اور وہ سائنس پر یقین رکھنے کے باوجود اپنے عجز اور قصور کا اعلان کر رہا ہے۔

بہرکیف یہ اقتباسات اس امر پر مضبوط دلیل ہیں کہ یہ تہذیب انسان کے نامناسب ہے کیونکہ یہ انسان کی طبیعت سے ناواقف ہے۔ اور اس تہذیب میں انسانی خصوصیات کی کوئی رعائت اور انسان پر نازل ہونے والی مصیبتوں کا کوئی تدارک موجود نہیں ہے، اس تہذیب میں اور عظیم تر پیداوار کے راستہ میں انسان کی نوعی خصوصیات اس کی انفرادی خصوصیات اور اس کی صنفی خصوصیات سب ضائع ہو گئیں اور اس پیداوار کا سب نفع چند دولت کے بھوکوں کو مل جاتا ہے۔ زیادہ بہتر حالت میں انسان اپنی خصوصیات مادی سہولتوں کی خاطر برباد کر دیتا ہے۔ یہ سہولت انسان کے لئے فائدہ مند ضرور ہیں مگر ایسی شے نہیں ہیں۔ کہ اس کے لئے انسان کی انسانیت اس کے نوع خصائص، اس کی واضح انفرادیت، مرد و زن، خاندان اور بچوں کی خصوصیات غرضیکہ تمام مقومات زندگی کو داؤ پر لگا دیا جائے۔

تہذیب جدید اور اس پر قائم ہونے والی زندگی کے بارے میں ہمارا تمام تر ماخذ صرف یہی سائنسدان نہیں ہیں اور نہ ہم اس سائنسدان کے نقطہ نظر سے پوری طرح متفق ہیں۔ کہ ہمارے اور اس کے درمیان مریض کی تشخیص اور موقف کے اختیار میں بڑا فرق ہے۔ اور یہ طریقہ علاج میں یہ اختلاف اور زیادہ وسیع ہو جاتا ہے جس

پر ہم آئندہ روشنی ڈالیں گے۔

چنانچہ یہ سائنسدان اپنی ساری وسیع النظری، فراخ دلی اور علمی اخلاص کے باوجود اپنی تمام فکر میں اپنے تہذیبی ماحول اور اپنے فکری، شعوری اور تاریخی ورثے کے بندھنوں میں جکڑا ہوا ہے جس سے وہ پوری طرح آزاد نہیں ہو سکا۔ اگرچہ محسوس یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہے۔

مثال کے طور پر وہ بتاتا ہے کہ جو افراد تہذیب جدید میں زندگی گذار رہے ہیں ان کا مذہبی جذبہ سرد ہو کر رہ گیا ہے۔ اور کمتر درجہ کے لوگوں پر مذہبی جذبہ کا اخفاء کا گہرا اثر ہوا ہے۔

مذہبی جذبہ کی جو معین صورت اس کے ذہن میں ہے۔ اور جس کی اس کی کتاب میں متعدد مقامات پر مثالیں ملتی ہیں۔ وہ عقیدہ کے صرف روحانی طور پر اختیار کرنے والی صورت ہے۔ جیسے کہ فرد اپنے فنی جمالی اور اخلاقی ذوق کو بروئے کار لاتا ہے۔ اسی طرح مذہبی جذبہ بھی ہے۔ اور فرد اس کو بھی روبعمل لے آتے گا

مذہب کی یہ شکل پورے یورپ میں چھائی ہوئی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مذہب ایک شخصی روحانی جذبہ ہے جو نماز دعا اور مناجات میں جلوہ گر ہوتا ہے یا فرد عقیدہ کی کوئی اور روحانی اور شخصی شکل اختیار کر سکتا ہے۔

چنانچہ کاریل صنعتی تہذیب میں یہی عیب بتاتا ہے۔ کہ اس کی بناء پر یہ مذہبی جذبہ سرد ہو گیا ہے۔ باوجودیکہ کاریل کا شعور اور اس کی روح مذہب کے بارے میں صاف ستھری اور پاکیزہ ہے۔ اور وہ اس ضمن میں ذاتی تجربات بھی رکھتا ہے۔

گروہ ہماری طرح مذہب کو ضابطۂ حیات کی شکل میں پیش نہیں کرتا جب کہ ہم کرتے ہیں۔

وہ مذہب کا صرف ایک ہی پہلو بتاتا ہے حالانکہ مذہب ایسا ضابطہ حیات ہے جو روحانی پہلو پر بھی اسی طرح محیط ہے جس طرح وہ فنی جمالی اور اخلاقی پہلوؤں پر چھایا ہوا ہے۔ اور جیسا کہ اس دائرے میں اجتماعی اقتصادی اور تہذیبی نظام بھی آجاتے ہیں۔ زندگی کے تمام جذبات اور حیات انسانی کے تمام پہلو مذہب ہی سے ابھرتے ہیں اور مذہب ہی پر مرتکز ہوتے ہیں۔

اللہ کا انکار تہذیب جدید کی بنیاد ہے

تہذیب جدید کا جرم اس کے فساد کا بنیادی سبب اور انسانی اقدار اور خصوصیات اور فکری مقومات کے زوال (جن پر کارل تنقید کرتا ہے) سب کا راز اس حقیقت میں پنہاں ہے۔ کہ تہذیب جدید مذہب کو اللہ کا مقرر کردہ ضابطۂ حیات ہونے کی صورت میں وہ سارا اقتدار و اختیار نہیں دیتی جو اسے ملنا چاہیئے۔ دوسرے الفاظ میں تہذیب جدید اللہ تعالیٰ کی الوہیت سے منکر ہے۔ اللہ کی الوہیت کا انکار اس کے مقرر کردہ ضابطۂ حیات کو چھوڑ کر بنا ضابطۂ حیات اپنا کر کیا گیا ہے۔ اگرچہ اشتراکیوں کی طرح اعلانیہ خدا کا انکار نہیں کیا گیا مگر انسانوں کا مقرر کردہ ضابطۂ زندگی اپنانا اللہ کے وجود سے انکار کے مترادف اللہ سے انکار اس تہذیب کی بنیادوں میں شامل ہے جس کے کچھ اسباب یورپ کی تاریخ سے اور کچھ اسباب مسیحیت کی تاریخ سے متعلق ہیں۔

تحریک احیاء کے وقت سے اللہ کے وجود سے انکار اور یورپ کی رومی

ثنیت کی جانب رجوع کی بناء پر جدید تہذیب لادینی بنیادوں پر اٹھی اسی سے تمام آفتیں نازل ہوئیں۔ انسان کے خلاف تہذیب جدید کا سب سے بڑا جرم اسی مسد خبیث سے پھوٹا۔ اور انسانی اقدار اور اس کے نوعی اور انفرادی خصائص کے زوال کی جڑ بھی یہی ہے۔

اس "تشخیص" کی بناء پر ہم ڈاکٹر کاریل سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ہم تہذیب جدید کے شجر خبیث کی جڑیں نکال دینی چاہتے ہیں۔ جبکہ وہ صرف شاخوں کی چھٹائی کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ علوم انسان علوم مادہ سے پیچھے رہ گئے ہیں اس کے علاوہ جس مذہبی جذبہ کو اس تہذیب نے کچل دیا ہے۔ ہم اسے انسانی زندگی کے ہر پہلو پر محیط خیال کرتے ہیں۔

تشخیص کے ساتھ ہی ہمارا طریقہ علاج بھی مختلف ہے۔ مگر اس موضوع کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔

بہرکیف ہم نے ڈاکٹر کاریل کی زبانی متعدد مظاہر بیان کر دیئے اور تہذیب جدید کا کھوکھلاپن واضح کر دیا ہے۔

کاریل ایک بڑا سائنسدان ہے۔ وہ مطالعہ تشخیص اور علاج میں سائنس پر اعتماد کرتا ہے۔ اور تہذیب جدید کے مظاہر کو ادراک سلیم اور خلوص سے بیان کرتے ہیں۔

(۲)

اسلام دشمن تحریکیں

(ڈاکٹر عفیفی ابراہیم حسن (عربی)

(مولانا عبدالرحمان کیلانی (اردو)

صیہونیت

یہ ایک یہودی تحریک ہے۔ جو فلسطین میں یہودی حکومت کے قیام اور بیت المقدس میں "ہیکل سلیمان" کی تعمیر کے لئے سرگرم ہے جسے وہ اپنی قومیت کا نشان سمجھتے ہیں صیہونیت یہودیوں کی ایک بہت بڑی اور پرانی تنظیم ہے جس کا مرکز لندن ہے ۱۸۹۶ء میں ڈاکٹر تھیوڈور ہرزل[1] کی کوشش و ہمت سے اس کا آغاز ہوا۔ جو یہودی النسل اور امیر المنفی انتہا پسند لیڈر کے لقب سے مشہور تھا یہی شخص صیہونیت کا بانی، اس کے انداز فکر کا موجد اور فلسطین میں یہودی قومی حکومت قائم کرنے کا خواہاں تھا صیہون صحرائے سینا میں ایک پہاڑ کا نام ہے اسی نسبت سے اس تحریک کا نام صیہونیت رکھا گیا۔ اس پہاڑ پر حضرت داؤد علیہ السلام[2] نے خواب میں ہیکل (معبد) یہودیوں کی عبادت گاہ کی شکل

---

[1] "تھیوڈور ہرزل" ویانا کا ایک یہودی تھا۔ جس نے ۱۸۹۶ء میں "ریاست یہود" کے نام سے ایک رسالہ شائع کر کے صیہونیوں کے لئے قومی وطن کا ٹھوس تصور پیش کیا۔ اس نے یہودی ریاست کی حدود کوہ یورال (ترکی) سے نہر سویز تک مقرر کیں اور یہود کو فلسطین داؤد و سلیمان کا نعرہ دینے کے علاوہ واضح طور پر صیہونی تحریک کے مقاصد متعین کر دیئے۔

[2] حضرت داؤد ۱۰۴۰ ق م میں پیدا ہوئے ۳۰ سال کی عمر میں سلطنت ملی اور ۴۰ سال تک حکومت کی ۹۷۰ ق م میں وفات پائی۔

دیکھی اور اسے تعمیر کرنے کا حکم دیا حضرت داؤدؑ نے اپنے بیٹے سلیمانؑ کو اس معبد کی شکل اور نقشہ سے مطلع کیا۔ اور آپؑ کی وفات کے بعد سلیمانؑ نے اس ہیکل کو مضبوط بنیادوں پر تعمیر کیا۔ اس معبد کے لئے لکڑی لبنان کے صنوبر کے درختوں کی استعمال کی گئی۔ اور یہ ہیکل موریا پہاڑ پر بنایا گیا جس کا ذکر تورات میں آیا ہے۔ ہیکل سلیمان کے احاطہ میں سے ایک دیوار۔ دیوار گریہ (البراق الاسلامیؑ) باقی ہے۔ جو مسجد اقصیٰ کی مغربی دیواروں میں سے ایک دیوار ہے۔ جسے یہودی چومتے چاٹتے ہیں اور اس کے پاس گریہ وزاری کے مظاہرے کرتے ہیں۔

اشتراکیت اور بالشوزم

اشتراکیت کے معنی یہ ہیں کہ ہر چیز سب انسانوں کے مشترکہ ہے۔ یہ ایک ایسی تنظیم ہے جو معاشرہ کے مختلف طبقات میں تخریب کاری کے ذریعہ امتیاز ختم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ تنظیم چونکہ اللہ تعالیٰ اور ادیان الٰہیہ کی منکر اور ملحد ہے۔ لہٰذا یہ اپنی حکومت کے قیام کی خاطر دین اور وطن کسی چیز کو بھی تباہ کرنے سے گریز نہیں کرتی۔

اشتراکیت کے بنیادی اصول دو ہیں پہلا یہ کہ مملکت کے تمام وسائل پر قبضہ کیا جائے اور دوسرا یہ کہ ایک سیاسی جماعت کی حکومت (ONE PARTY GOVERNMENT) ہو اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے۔ کہ اپنی ہی جماعت میں سے تحریک کی وفادار

ﷺ البراق الاسلامی ۱۔ حرم شریف کی مغربی دیوار میں پچاس فٹ کے ایک ٹکڑے کے بارے میں یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ہیکل سلیمانی کے باقیات میں سے ہے چنانچہ یہودی جب اس مقام پر آتے ہیں تو گریہ و بکا کرتے ہیں اور اسی نسبت سے اس دیوار کا نام "گریہ" پڑ گیا ہے اس مقام کو مسلمان البراق کہتے ہیں کیونکہ شب معراج سرور کائناتؐ اسی جگہ براق سے اترے براق کو باندھا اور مسجد میں تشریف لے گئے تھے اس جگہ کی نشاندہی کے لئے ایک گول کڑا لگا ہوا ہے۔

شخصیتوں کو حکومت میں لایا جاتا ہے۔

اشتراکیت (COMMUNISM) کے نام میں بہت بڑا فریب ہے اور لوگ اسے جنت ساوی سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ تحریک یہودی انداز فکر کی مرہون منت اور بڑے بڑے یہودیوں کے افکار و اختراع کا نتیجہ ہے۔ کارل مارکس جو اس تحریک کا بانی ہے صیہونیت کا سرگرم کارکن اور روسی پروفیسر اور عالم تھا۔ یہ تحریک بالشوزم (انتہا پسند انقلابی جماعت) کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس تحریک کے کارکن عالمی صیہونیت کے مقاصد کی تکمیل کی خاطر کسی بھی علاقہ کے اجتماعی نظام خواہ وہ سیاسی ہو یا دینی فکری ہو یا اقتصادی ——— کو زیر زبر کرنے اور عوام الناس کو گمراہ کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ کارل مارکس کے علاوہ اس تحریک کے دوسرے قائدین مثلاً ٹراٹسکی لینن اور زینوفیاف یہودی صیہونی اور روسی النسل تھے۔ جو جمہوری اشتراکیت کے نام پر لوگوں کو گمراہ کرنے اور مشرقی فلسطین اور مغربی روم حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔

فری میسن (الماسونیہ)

اس تحریک کو فرانسیسی زبان میں "فرلسماسوتری" اور انگریزی میں فری میسن (FREE MASON) کہا جاتا ہے جس کے معنی "آزاد تعمیر" بھی ہو سکتے ہیں۔ اور "آزاد معمار" بھی۔ آزاد سے مراد ہیکل سلیمان ہے اور آزاد معماروں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہیکل سلیمان کو تعمیر کیا

آغاز

سب سے پہلے جس شخص نے یروشلم میں فری میسن کی پہلی مجلس منعقد کی وہ ہیرو ڈوس اغریپا تھا۔ جو یہودی حکمران (۳۷ء تا ۴۴ء) تھا اور

ہیروڈوس اکبر کا پوتا تھا۔ ہیرڈوس[1] اکبر وہ یہودی ظالم بادشاہ تھا جس نے بیت لحم کے بچوں کو محض اس خوف سے قتل کیا تھا۔ کہ مسیح منتظر ان میں پیدا ہونے والا ہے جو اس کی حکومت کا خاتمہ کرے گا۔ (اور اس کا یہی فعل سیدہ مریمؑ اور اس کے بچے یسوع اور یسوع کے خالو یوسف النجار کے وہاں سے نکلنے کا سبب بنا۔ کیونکہ فرشتے نے مریمؑ کو حکم دیا تھا کہ وہ بچے کو لے کر مصر کی طرف چلی جائے۔ اور اس طرح اپنی جان بچالے۔

جن لوگوں نے اس محفل اوّل میں ہیرڈوس سے تعاون کیا۔ ہیرڈوس نے ان سے کہا کہ سب سے ضروری یہ ہے کہ ہماری اس عظیم و پرشکوہ جماعت کی بنیاد کی تاریخ کا لوگوں میں سے کسی کو علم نہ ہونے پائے۔ تاکہ جو لوگ اس جمعیت میں داخل ہوں انہیں یہ معلوم نہ ہونے پائے کہ اس قدیم جماعت نے کون سے زمانہ میں تشکیل پائی۔ اور اس کے بانی مبانی کون لوگ تھے ؛ بلکہ یہ تاثر دیا جائے کہ تحریک ابھی تھوڑا عرصہ ماند پڑگئی تھی ہیرڈوس اغریبا نے اپنے باپ کے متروکہ ذخائر میں چند قدیم اوراق دیکھے جو اس "پرانی جماعت" کے قوانین و ضوابط کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ لہذا اس نے وہ اوراق نکالے اور اسی جماعت کی طرف توجہ کی۔ اور اس تاریخی بنیاد کو سربستہ راز بنانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو ایسی اہم اور بڑی جماعت میں شامل ہونے کا شوق پیدا ہو۔

تحقیقات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ کہ روم کا ظالم بادشاہ نیرون یا نیرو بھی اسی اغریبا کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس خاندان کے دو حصے ہو گئے تھے۔ ایک فلسطین پر حکومت کرتا تھا۔ بخت نصر شاہ عراق نے شکست فاش دے کر انہیں قید کر لیا ہیکل سلیمان کو تباہ کیا۔ اور بہت سے یہودی گرفتار کر کے ساتھ لے گیا

[1] (۳۷ ق م تا ۴ ق م) اس کا ذکر تورات میں بھی آیا ہے (بحوالہ المنجد) (مترجم)

اس خاندان کے کچھ لوگ روم کی طرف بھاگ گئے۔ نیرو بادشاہ انہیں میں سے تھا (عہد حکومت ۵۴ تا ۶۸ء) جس نے پولس کو قتل کر کے عیسائیت کو تہس نہس کیا اور روم میں یہودیت کا پنجہ استبداد گاڑ دیا۔ رومی یہودیوں نے نیرو کے عہد حکومت میں شرق و غرب میں فتنہ و فساد، لاقانونیت اور جبر و استبداد میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ہے

رومی یہودیوں کا یہ فرقہ دراصل یہودی عورتوں ہی کی اولاد تھی۔ یہ لوگ اس لئے یہودی کہلاتے تھے کہ یہودی شریعت کے مطابق اولاد خواہ یہودی عورت کی طرف سے ہو یا مرد کی طرف سے۔ وہ بہرحال یہودی ہے اور ان کے نام باقاعدہ ان کے معبدوں کے ریکارڈ میں درج کئے جاتے تھے۔

فری میسن کی اقسام

فری میسن فی الحقیقت تین گروہوں میں منقسم ہے

۱۔ عام خفیہ تنظیم۔

۲ شاہی فری میسن جو دنیا کے سربراہان مملکت اور بڑے لوگوں سے رابطہ قائم کرتی ہے۔

۳ فری میسن کی ظاہری سرخ تنظیم جسے اشتراکیت کہتے ہیں۔

عام خفیہ تنظیم

جسے عموماً قرمزی تنظیم کہا جاتا ہے۔ اس کے ۳۳ درجات (قواعد و ضوابط) ہیں جو خالصتہً رموز یا کوڈ ورڈز (CODE WORDS) کی شکل میں ہیں۔ بظاہر یہ لوگ بنی نوع انسان کی حریت فکر اور آزادی ضمیر اور سماجی کفالت کا نعرہ بلند کرتے ہیں لیکن ان کا اصل مقصد دینی سیاسی اور نظام حکومت کے مسائل میں جھگڑے برپا کرنا ہوتا ہے۔

یہ فرقہ اپنے ہر درجہ یا منزل پر زیادہ تر رموز یا کوڈ ورڈز سے کام لیتا ہے ارکین تحریک ان رموز کے معانی خوب سمجھتے ہیں۔ اور انہی رموز کے ذریعہ ہدایات وصول کرتے اور اپنے نائبین تک پہنچاتے ہیں جنہیں عام لوگ قطعاً سمجھ نہیں سکتے۔ اسی طریقہ کار سے یہ لوگ کسی آدمی کے روابط اس کے دین، وطن، قوم اور سیاست سے منقطع کرتے ہیں۔ اور اپنی خالص یہودی تنظیم و فرائض کی اشاعت کرتے ہیں۔

اس تحریک کے ارکان کو ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک ترقی کرنے کے لئے مختلف قسم کے امتحان دینا پڑتے ہیں۔ اور ہر امتحان کے بعد اس رکن کو بڑے استاد یا سیکرٹری جنرل کی طرف سے سرٹیفکیٹ عطا کیا جاتا ہے۔ پہلے یہ سرٹیفکیٹ عبرانی زبان میں لکھے جاتے تھے پھر دو زبانوں میں لکھے جانے لگے۔ مقامی زبان میں اور عبرانی زبان میں لیکن اب صرف مقامی زبان میں لکھے جاتے ہیں۔ تاکہ عام لوگ اس تحریک سے قریب ہوں اور اس تحریک کی بنیاد کی تاریخ چار ہزار (۴۰۰۰) سال قبل مسیح بتائی جاتی ہے[1]۔ اس تحریک کے ارکان ہر غیر یہودی اقتدار کے دشمن ہوتے ہیں۔ خواہ یہ دینی نوعیت کا ہو خواہ تمدنی ہو یا سیاسی ہو۔ اور انہی تین کلیدی شعبوں سے متعلق ہی رموز استعمال کئے جاتے ہیں۔ فری میسن کے ارکان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انہی تین شعبوں کو اپنی اغراض کے مطابق ڈھالنے کے لئے کام کرے۔

شاہی خفیہ تنظیم اس تحریک کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر ملک کے سربراہان وزراء اور ہر شعبہ کی بڑی بڑی شخصیتوں اور

---

[1] حالانکہ اس تحریک کے بانی ہیرڈ دوس اغریپا کا عہد حکومت (۴۲ تا ۴۴ء) ہے (مترجم)

ارباب حل وعقد سے روابط قائم کرے۔ ان لوگوں کو ان کی اغراض کی تکمیل کے لئے مکمل حمایت اور ضمانت کا یقین دلایا جاتا ہے فری میسن کی خفیہ تنظیم کے اس گروہ کو خفیہ شاہی تنظیم کہا جاتا ہے۔ اور اس مخصوص گروہ کا مقصد جیسا کہ تورات میں مذکور ہے یہودی مذہب کا احترام اور فلسطین میں قومی وطنیت کے نام پر یہودی حکومت کا قیام ہے نیز مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمان کی تعمیر بھی ان کا بنیادی مقصد ہے جو ان کی قومیت کا نشان ہے۔ یہ لوگ تمام دنیا میں پھیلے ہوئے یہودیوں میں اس بات کی اشاعت کرتے رہتے ہیں کہ ان کا مقصد فلسطین میں اسرائیل کی حکومت کا قیام اور ایسے تمام تر علاقوں کی بازیافت ہے۔ جہاں موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے قیام فرمایا تھا۔ خصوصاً جزیرہ سینا جہاں طور پہاڑ ہے۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام چڑھے۔ اور اللہ تعالیٰ سے بات چیت ہوئی۔ اور ان پر تورات نازل ہوئی۔ علاوہ ازیں بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمان کی تعمیر ان کے مقاصد میں شامل ہے یہ تحریک یہودیوں کو اس بات کا یقین دلاتی ہے۔ کہ جب تک یہودیوں کے شعائر والے علاقہ جات واپس نہ لئے جائیں ان کے مقصد کی تکمیل نہیں ہو سکتی اور جو مالی فنڈ عام خفیہ تنظیم سے وصول ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ اس شاہی خفیہ تنظیم کے مقاصد کی تکمیل پر خرچ کر دیا جاتا ہے۔ گویا شاہی تنظیم عام فری میسن تنظیم کا تتمہ ہے۔

اس شاہی خفیہ تنظیم کی غرض دغایت فلسطین میں "اسرائیل کبریٰ" کی حکومت کا قیام اور اس کی توسیع ہے۔ جو کہ تمام جزیرہ عرب، شام، لبنان، عراق، مصر اور شمالی افریقہ کے بڑے ممالک سے لے کر صحرائے اعظم کے جنوب تک پھیلی ہوئی ہوگی۔

اسی پلاننگ کی بناء پر اب اسرائیل افریقی ممالک سے اپنے تعلقات بڑھا رہا ہے کہیں مالی امداد و اعانت کی جاتی ہے کہیں اقتصادیات پر قابو پایا جاتا ہے۔ اور کہیں ان ممالک کی تنظیموں میں جھگڑا و فساد برپا کیا جاتا ہے۔ تاکہ جب بھی بن پڑے۔ ان ممالک میں آسانی سے اقتدار حاصل کیا جا سکے۔ اس تحریک کے چار درجے ہیں۔ مبتدی، کارکن استاذ اور رفیق (کامریڈ) کامریڈ فری میسن کا سب سے بلند درجہ ہے لینن، سٹالن اور ٹراٹسکی وغیرہ سب کامریڈ تھے۔

سرخ فری میسن یا اشتراکیت

یہ تنظیم عموماً یہودی تنظیم نہیں سمجھی جاتی۔ کیونکہ اس میں شاہی خفیہ تنظیم کے چند افراد کی شمولیت کے سوا بظاہر اس کا یہودی تنظیموں سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ اور یہ چند لوگ جو اس تنظیم میں شامل ہوتے۔ سب رومی النسل یہودی ہیں اس فرقہ کی غرض و غایت تمام عالم میں لاقانونیت اور بے چینی کی عام لہر دوڑا کر اور اضطراب پیدا کر کے شاہی خفیہ تنظیم کے لئے میدان ہموار کرنا ہے اور یہ بات ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ کہ اشتراکیت کی تنظیمیں جو اقصائے عالم میں کام کر رہی ہیں سب صیہونی یہودیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ جو انہیں مناسب ہدایات دیتے ان کی مالی امداد کرتے اور دوسری اقوام کی مدد اور توجہ دیتے رہتے ہیں۔ اور ان کے آلہ کار وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو اپنے ملک میں کسی نہ کسی طرح کا تفوق رکھتے ہیں۔

اشتراکیت بھی عالمی صیہونیت کی ایک شاخ اور اسی کی آلہ کار ہے۔ عالمی اشتراکیت اور عالمی صیہونیت کے درمیان ایسے خفیہ روابط پائے جاتے ہیں۔ کہ سرخ اشتراکیت عالمی صیہونیت کے مرکز اعلیٰ کی ہدایات پر عمل پیرا ہو کر تمام دنیا کی فضا اس کے لئے

سازگار بنا رہی ہے۔

اس گروہ کی غرض و غایت یہودیوں اور ماسونیوں کی وساطت سے روم میں اپنی حکومت کا قیام ہے جس پر ان کے بزرگ حکمران رہ چکے ہیں جس طرح ان کے بزرگ نیرُن نے روم کو تہس نہس کیا تھا یہی کچھ کرکے یہ لوگ روم حاصل کرنا چاہتے ہیں اس گروہ کی ایک ایسوسی ایشن نیویارک (امریکہ) میں قائم ہے جس میں یہودیوں کے بھی خاص خاص اشخاص ہی داخل ہو سکتے ہیں۔ اس ایسوسی ایشن کے اجلاس کب اور کہاں ہوتے ہیں۔ اس کے ممبران کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا یہی لوگ مختلف ممالک میں مختلف ناموں سے تنظیمیں قائم کرکے، تمام دنیا میں اقتصادی سیاسی اور اجتماعی زندگی میں اضطراب پیدا کرتے ہیں۔ اور لوگوں کے ضمیر خریدتے ہیں اور مسیحیت کو دنیا سے نیست و نابود کرکے، نیز دوسرے ادیان کا خاتمہ کرکے تمام عالم کو یہودی بنانے پر تلے بیٹھے ہیں۔

اس ایسوسی ایشن کا طریق کار یہ ہے کہ وہ طلبہ اور مزدوروں میں تخریبی تحریکیں چلا کر عام بے چینی کی فضا پیدا کر دیتی ہے۔ اسی طرح مختلف ممالک میں رہنے والے یہودیوں کو ان ممالک کے بڑے لوگوں سے رابطہ قائم کرکے انہیں ہر طرح سے اطمینان مہیا کیا جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ اسرائیلی ہوں۔ اور یورپ یا امریکہ کے باشندے ہوں ایسے یہود کے فرائض یہ ہیں۔ کہ وہ اسرائیلی فوج کی امداد بھی کریں۔ اور خود بھی اپنے وطن مالوف اُم اسرائیل کی خاطر ۲ سال جبری فوجی ٹریننگ حاصل کریں جس کی صورت یہ ہے۔ کہ وہ ہر سال تین ہفتہ کے لئے اسرائیل جائیں۔ اور جدید جنگی اسلحہ کی تکنیک اور تربیت حاصل کریں۔ بلاد اسلامیہ کے بعض ذمہ دار افراد یہ سمجھتے ہیں کہ ایسے

یہودی برضا و رغبت اسرائیل جاتے ہیں. حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے. یہ لوگ خالص یہودی النسل ہوتے ہیں. اور اسرائیلی حکومت انہیں بلاد اسلامیہ سے جنگ سے قبل نہایت خفیہ طور پر اپنے ہاں بلا لیتی ہے. تاکہ وہ مادرِ وطن کا دفاع کر سکیں یہ بات مجھے بعض یورپین یہودیوں سے بنفسِ نفیس معلوم ہوتی ہے. کہ یہ لوگ عربی دنیا کی ہلاکت کے لئے اسرائیلی خواہشات کے آلۂ کار رہوتے ہیں.

شاہی خفیہ تنظیم اور سرخ اشتراکیت کا باہمی تعلق

ان دونوں تنظیموں کا ہدف یا آخری منزل ایک ہی ہے شاہی خفیہ تنظیم اس لئے قائم کی گئی کہ فلسطین میں اسرائیل کی حکومت قائم ہو. بعدازاں عربی ممالک پھر شمالی افریقہ کے جنوب تک کے ممالک کو حکومت اسرائیل کا مطیع و منقاد بنا کر انہیں یہودی بنایا جائے. اور اشتراکیت کے طریقے بروئے کار لا کر تمام دنیا کی فضا کو یہودیت کے لئے ساز گار بنایا جائے اور ان کے اس ہدف کو اس خوف سے ظاہر نہیں کیا جاتا تاکہ تمام دنیا ان کے ناپاک عزائم سے آگاہ ہو کر ان سے برسر پیکار نہ ہو جائے اور ان پر عرصہ حیات تنگ نہ کر دے. سو یہ قرار پایا کہ اشتراکیت اپنے انتظامات کے علاوہ دوسرے ممالک میں یہ اسلوب اختیار کرے. کہ چھوٹوں (نوجوانوں) کو جو نا پختہ عقل ہوتے ہیں. اور غریب مزدوروں اور کسانوں کو استعمال کیا جائے. اور انہیں دھوکہ دے کر یہ گندگی پھیلائی جائے. جب اس کام کی تکمیل ہو جائے. تو بلا خوف و خطر تمام دنیا پر یہودی حکومت کا اعلان کر دیا جائے. بعدازاں اسباط اسرائیل کی اولاد میں سے کسی کو بادشاہ مقرر کر دیا جائے. جو تمام دنیا کا بادشاہ ہوگا. اور ایسی یہودی حکومت مارکس، لینن، ہرزل

نجمنل اور نو وارد کے پلہ کے لوگوں کی وساطت سے قائم ہو سکتی ہے۔ اور یہ سب لوگ صیہونی اشتراکیت کے نمائندے تھے جنہوں نے عام دینی، طبعی اور سیاسی بنیادوں کو مسمار کر دیا۔ تاکہ اشتراکیت کی بنیادیں استوار کی جائیں۔ یہ سب لوگ تخریب کار تھے کیونکہ ان کے اعمال کے نتائج فتنہ و فساد کی شکل میں رونما ہوتے۔ اشتراکیت ایک خطرناک بلا ہے جو اجتماعی تنظیم کو بنیادوں سے اکھاڑ دیتا ہے۔ اشتراکیت کے بانی جو اپنے گمان کے مطابق مزدوروں اور انسانیت کے ہمدرد بن کر معاشرے سے انتقام پر اتر آتے ہیں۔ اپنے اصول لوگوں پر ظاہر نہیں کرتے۔ بقول خود مزدوروں کو زندگی بخشنے اور انسانیت کو آرام پہنچانے کے لئے اشتراکیت کا جھنڈا پھیلاتے ہیں حقیقتاً وہ اپنا کام نہایت راز داری سے کرتے اور سوچی سمجھی سکیم کے مطابق چلے کرتے ہیں۔ اور اس طرح دھوکے سے لوگوں کے افکار و نظریات میں پیدا کر کے یہودی صیہونیت کے افکار رائج کرتے، انہیں یہودی شریعت کے تسلیم کرنے کے لئے تیار کرتے۔ اور مسیحی دنیا سے مسیحیت کے خاتمہ کے درپے ہوتے ہیں۔ کسی ملک کے اقتصادی تمدنی اور اجتماعی امور کو بد اخلاق اور اپنے تخریبی کاموں سے تباہ کر دیتے ہیں، اور جو شخص صیہونیت کے دانشوروں کے پروٹوکول[1] (قواعد و ضوابط) کو جانتا ہے، اسے قوی دلائل کی بناء پر یہ ثبوت مل جاتا ہے کہ عامۃ الناس کے لئے عموماً اور مسیحی دنیا کے لئے خصوصاً ان کے عزائم کس قدر ناپاک ہیں عالمی صیہونیت کے یہ اغراض و مقاصد عالمی اشتراکیت کے پس پردہ چھپے ہوئے ہیں۔

---

[1] یہ پروٹوکول معہ ترجمہ ادارہ سے کتابی صورت میں ۲۵/ روپے میں حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

اشتراکیت کے زعماء غیر یہودی ممالک کی امداد کیوں کرتے ہیں؟

بعض اشتراکیت کے علمبردار غیر یہودی ممالک کی مالی اور افرادی امداد کرتے ہیں اس سے ان کا مقصد حکومت میں اثر و نفوذ حاصل کرکے اور جمہوریت کے ذریعہ اپنے وفادار اشخاص کو آگے لا کر وسیع تر میدان میں کام کرنے سے اپنے اغراض کی تکمیل کرنا ہوتا ہے اس طرح یہودی اور عالمی صیہونیت عالمی اشتراکیت کی وساطت سے اپنے مقاصد کو پروان چڑھانے کے لیے کوشش کرتی ہے۔ اور بعد ازاں جب عالمی اشتراکیت اپنا حلقہ اثر وسیع کرے گی تو عالمی یہودی حکومت کا اعلان کر دیا جائے گا۔ اور تمام لوگوں کو یہودی بنا کر اشتراکی نظام کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا جائے گا۔

عالمی صیہونیت اور عالمی اشتراکیت میں فرق

اشتراکیت کے علمبردار اس بات میں کوشاں ہیں کہ اشتراکیت کو سہولت اور سرعت کے ساتھ یورپ، مشرق اوسط اور مشرق بعید میں پھیلایا جائے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد عالمی اشتراکیت اپنے اس موقف میں عالمی صیہونیت سے قوی تر معلوم ہونے لگی ہے۔ اشتراکیت دنیا پر پھیلاؤ ضرور چاہتی ہے لیکن لوگوں کو یہودی بنانا نہیں چاہتی جبکہ عالمی صیہونیت لوگوں کو یہودی بنانا چاہتی ہے۔ اور جب سے عالمی صیہونیت نے دھوکا اور عالمی سازش کی بنا پر اسرائیل کی حکومت قائم کی ہے پھر جنگ عزیزان (جون ۱۹۶۷ء) کے ذریعے پھیلنے لگی ہے۔ اور اب اس نے بلاد اسلامیہ سے جنگ کا ارادہ کر لیا ہے۔ تو اشتراکیت کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا ہے کہ جب بھی عالمی صیہونیت کا بس چلے گا وہ اشتراکیت

کو حکومت اسرائیل میں جذب کر لےگی. اور دنیا پر اس کی حکمرانی قائم ہو جائےگی اشتراکیت
اس حد تک عالمی صیہونیت کی مؤید ضرور ہے کہ فلسطین میں حکومت اسرائیل قائم
ہونی چاہیئے. لیکن وہ فلسطین سے حدود تجاوز کرنے کے حق میں نہیں ہے کیونکہ ایک
کی وسعت اور قوت دوسری کے زوال کا سبب بن جائےگی. اسی لئے ان دونوں
تنظیموں کا یہ پوشیدہ اختلاف کافی شدت اختیار کر چکا ہے. عالمی صیہونیت
اور اشتراکیت دونوں کی چپکی اس محور کے گرد گھوم رہی ہے. کہ عالمی اقتدار کے
معاملہ میں کونسی تحریک دوسری پر غلبہ حاصل کرتی ہے.

بعض یورپی اشتراکی ممالک کے حکام پر یہ بات واضح طور پر ثابت ہو گئی
کہ وہ عالمی صیہونیت کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں جسے انہوں نے بڑی شدت سے
محسوس کیا ہے. اور اپنی عقل کی آواز اور وطن کی ندا کو قبول کرتے ہوئے ان بھونڈے
نتائج کو اپنی روشن آنکھوں سے ملاحظہ کیا ہے. کہ اشتراکیت نے کس طرح ان
کے ملک اور ان کی قیادت: ان کی مذہبی اقتصادی، اجتماعی، ثقافتی اور اخلاقی
حالت کو تخریب کاری کے ذریعہ زیر و زبر کر کے رکھ دیا ہے. اور کس قدر جانیں
اس دوران ضائع ہوئیں. وہ لوگ اشتراکی نظام اور خود اپنی حکومت کے خلاف بھی
ایجی ٹیشن کر رہے ہیں. اور اشتراکیت کے مادر وطن روس سے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں یہ
جو کچھ مشرق یورپ میں رونما ہو رہا ہے. وہ اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہے
کہ یہ لوگ اشتراکیت کے پردے میں چھپے ہوئے عالمی صیہونیت کے چنگل سے آزاد ہونا چاہتے ہیں

مغربی ممالک اور صیہونیت

مغربی ممالک جن کے سربراہ انگلستان، فرانس جرمنی۔ اور امریکہ ہیں۔ انہوں نے

ہی عالمی صیہونیت کو پروان چڑھانے کے لئے عربی ممالک میں یہودیت کے بیج بوتے اور اس کی رعانت اور حمایت کے معاہدے کئے حتیٰ کہ یہ تحریک ابھری جوان ہوئی۔ اور اپنے پاؤں پر کھڑی ہوگئی۔ پھر اسے معاہدۂ بالفور ۱۹۱۷ء کی رو سے مضبوط بنایا گیا۔ اور بزدر بازو فلسطین میں اسرائیلی طرز کی حکومت کا پلان تیار ہوا۔ اور اس کی اسلحہ سے بھی اور حمایت کے اعلان سے بھی مدد کی گئی۔ اس چھوٹی سی غیر شرعی مملکت کو بنیاد اور مرکز قرار دیا گیا تاکہ یہاں سے شرقِ اوسط پر دوسری بار غلبہ حاصل کیا جائے۔ امتِ اسلامیہ کو ختم کرنے کے لئے سلطان عبدالحمید نامی عہد خلافت میں ترکی اور عربی ممالک کے درمیانی علاقہ کو فتنہ و فساد برپا کرکے تباہ کردیا گیا۔

پھر عالمی صیہونیت نے مغربی ممالک کے بل بوتے پر ترکی کے حکام کے ضمیر کو خریدا۔ اور مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں ترکی میں تحریک انضباط چلائی گئی تاکہ خلافت اسلامیہ کا مکمل طور پر خاتمہ ہو سکے۔ ترکی میں یہ تحریک کامیاب ہوگئی تو مصطفیٰ کمال نے بلاد اسلامیہ سے علیحدگی کا اعلان کردیا۔ یہ پہلا کیل تھا جو امتِ اسلامیہ کی نعش میں ٹھونکا گیا۔ اس طرح یہ حکومت عالمی صیہونیت کی عیاریوں کی وجہ سے اور مغربی استعماری طاقتوں کے واسطہ سے کمزور پڑ گئی اور یہ سب کچھ ان فوجی انقلابات کے علاوہ تھا جو دنیا میں اور بلاد اسلامیہ میں برپا کئے جا رہے تھے۔ اس طرح حکومت ترکی کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے کہ وہ دین سے یکسر علیحدہ ہو گئی۔ وہ نام کو تو اسلامی سلطنت تھی مگر عملاً علمانی (سیکولر) سلطنت بن گئی۔ پھر یہ سلطنت یہودی اشتراکیت کے چنگل میں پھنس گئی اور فوجی

تحاریک کے علمبرداروں کو کچھ بھی معلوم نہ ہوسکا۔
لیکن جب ماضی قریب میں عالمی صیہونیت کے عزائم آشکارا ہوگئے اور بعض صاحب بصیرت حکام کو یہ حقائق معلوم ہوگئے جیسے روس میں قیصر کے حکام کو معلوم ہوئے تھے تو غیرت مند مسلمانوں نے یہودیوں کی شرارتوں سے دنیا کو بچانے کے لیے ان کا سامنا کیا۔ اور ہٹلر ڈکٹیٹر جرمنی نے جو یہودی اور صیہونی تھا۔ اور مسیحیت کو مٹ کر دنیا کو یہودی بنانا چاہتا تھا۔ ایسے بہت سے لوگوں کا صفایا کر دیا جو کھل کر سامنے آ گئے تھے۔ اور اگر ہٹلر کے مقدر میں فتح ہوتی تو دنیا ان لوگوں کے یہودی بنانے کے ناپاک عزائم اور شرارتوں سے کبھی محفوظ نہ رہتی۔ اور اگر یہودی دنیا پر قابض ہو جاتے تو مغربی مسیحی دنیا بذات خود بھی بھیانک انجام سے نہ بچ سکتی
لیکن ہٹلر سے مقابلہ کے وقت ان مغربی سربراہان مملکت کی آنکھیں اندھی ہو گئیں اور عقل پر پردہ پڑ گیا۔ وہ ہٹلر کی شدت ناپسندیدگی کی وجہ سے مقابلہ کر رہے تھے۔ اور یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ کہتا کیا ہے۔ اور یہودی یہ کوشش کر رہے تھے کہ یہ مغربی سربراہان ہٹلر کے انداز فکر اور مسیحیت کو مٹانے کے لیے ہمارے عزائم سے آگاہ نہ ہو سکیں۔ سو ان یہودیوں نے ان مغربی زعماء کا رخ اشتراکیت کی طرف موڑ دیا تاکہ مل کر ہٹلر کا مقابلہ کیا جا سکے۔ مغربی زعماء اس وقت تک اندھے ہی رہے۔ جب تک کہ اشتراکی مملکت روس، جو کہ عالمی صیہونیت کا نتیجہ ہے۔ کے تباہ کن اسلحہ کا واقعہ پیش نہ آیا کاش کہ مغربی زعماء یہ سمجھ جائیں۔ کہ وہ تمام قربانیاں جو عرب اور مسلمانوں نے اسرائیل کے مقابلے میں دی ہیں۔ وہ ان قربانیوں کے مقابلے میں بہت قلیل ہیں۔ جو اگر اس وقت یہودی غالب آ جاتے تو عام دنیا کو عموماً اور مسیحی دنیا کو

خصوصاً ان کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لئے دینا پڑتیں۔ ان یہودیوں کے قدم عربی دنیا میں جم چکے ہیں یعنی افریقہ اور روس اور مشرقی اشتراکی یورپ پر ان کا تسلط ہو چکا ہے۔ جو آہستہ آہستہ مغربی یورپ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے اور اب مشرق بعید سے ہوتے ہوئے شمالی اور جنوبی امریکہ کے بڑے بڑے ممالک پہنچ رہا ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں۔ کہ ان سب کو یہودی بنا کر دم لیں گے اور عالمی یہودی سلطنت کا اعلان کر دیا جائے۔ کاش کہ مغربی زعماء مسلمانوں اور اسلام سے ناپسندیدگی اور کینہ نہ رکھتے۔ جبکہ اسلام مسلمانوں کو دوسرے ادیان کے لئے محبت اور احترام سکھلاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں فرمایا ہے۔

کاش یہ لوگ اپنے کالے لوگوں سے کینہ نہ رکھتے۔ تو یہ سب مل کر یہود کے مقابلہ میں ضرور کامیاب ہوتے اور عالمی اشتراکیت کے لئے بلائے مبرم ثابت ہوتے اسرائیلی حکومت اور دنیا میں یہودیوں کی شان وشوکت ختم ہو جاتی۔ اور اس کے لئے کوئی جنگ بھی نہ لڑنی پڑتی۔ اور عالمی یہودیت کی اس پلاننگ سے محفوظ رہتی یہ بات حیرت انگیز اور قابل افسوس ہے۔ کہ یہودی اہل یورپ اور اہل امریکہ کو کمزور سمجھتے ہیں۔ انہیں حقیر جانتے اور اپنے ناپاک مقاصد کی تکمیل کے لئے انہیں استعمال کرتے۔ اور ان سے اپنی بات منوا لیتے ہیں۔ یورپ، انگلینڈ، شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ کے دار الخلافہ بنانے کے لئے، خواہ ان حکومتوں کے امور داخلی ہوں یا خارجی۔ تل ابیب سے احکام جاری ہوتے ہیں۔ تاکہ اسرائیل اور عالمی صیہونیت کے مفادات کا پورا پورا لحاظ رکھا جا سکے۔

بنا بریں میں تمام دنیا کے صاحب عقل وشعور لوگوں کو اور خصوصاً یورپ،

انگلینڈ اور امریکہ کے دانشوروں کو پکار کر کہتا ہوں کہ وہ اپنے سیاست میں تبدیلی پیدا کریں عقل وہوش سے کام لیں۔ اور مزید وقت ضائع کئے بغیر اپنے دین اور وطن کے مفادات کے لئے فیصلے کریں۔ عالمی صیہونیت اور یہودیوں کے پلاننگ کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں تاکہ انسانیت کو یہودی کی ان تباہ کاریوں سے بچا سکیں۔ جو وہ عالمی اقتدار کے حصول کی خاطر کرنا چاہتے ہیں

(۳)

عالمگیر یہودی منصوبہ

(از منشی عبدالرحمٰن خان)

اسلام دشمنی

توریت۔ انجیل اور قرآن کریم کی رو سے یہود صرف دنیا میں ہی افضل ترین قوم نہ تھی۔ عنداللہ بھی یہ محبوب ترین قوم تھی۔ کیونکہ اسی نے دین توحید کی بنیاد رکھی تھی۔ جس کی وجہ سے اس پر ہر قسم کے روحانی اور مادی انعامات کی بارش ہوتی رہتی تھی اور اسی قوم سے سلسلۂ انبیاء و رسل چلا تھا۔ مگر یہ لوگ مغرور و نافرمان ہو گئے۔ انہوں نے انبیاءؑ کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ احکام خداوندی کو پس پشت ڈال دیا اور شرعی حدود و قیود سے آزاد ہو گئے۔ جس کی پاداش میں حق تعالےٰ نے اس قوم کو امارت اور حکومت سے محروم کرکے اس پر ذلت و نکبت مسلّط کر دی۔ بنی اسرائیل کو اعزازِ نبوت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم کرکے تاجِ نبوت بنی اسماعیل میں منتقل کر دیا۔ جس سے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

یہودیوں کو اپنی ہر نوع کی نافرمانیوں کے باوجود اس بات کا یقین تھا کہ نبی آخرالزمان بنی اسرائیل ہی سے آئے گا۔ لیکن جب انکی یہ توقع پوری نہ ہوئی اور انہیں محرومی و نامرادی کا منہ دیکھنا پڑا۔ تو انہیں اس تاریخی اور مذہبی ورثہ کے چھن جانے کا ازحد رنج و قلق ہوا اور اس روز سے اس قوم نے بھی شیطان کی طرح خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف محاذ بنالیا اور اسلام کے خلاف صف آرا ہو گئی۔ انبیاءؑ کو

قتل کرنے کے تو یہ پہلے سے عادی تھے۔ اب انہوں نے مشاہیر اسلام پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔

مکہ اور مدینہ میں یہودیوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ اسلئے یہ ازراہ منافقت مسلمان بن کر یہاں آتے اور مار آستین بن کر فتنہ و فساد پھیلاتے۔ طلوعِ اسلام کے ساتھ ساتھ ان کی سازشوں کا جال بھی وسیع ہوتا گیا۔ جن کے تحت سب سے پہلے ابولولو فیروز نامی ایک یہودی نے حضرت عمرؓ کو جامِ شہادت پلایا۔ یمن کے یہودی عبداللہ بن سبا نے کنانہ بن لبشر یہودی اور اسکے دو ساتھیوں سودان بن حمران اور عمرو حمق کے ذریعہ حضرت عثمانؓ کو اور عبدالرحمٰن بن ملجم کے ہاتھوں حضرت علیؓ کو شہید کرا کر خلافت راشدہ کا چراغ گل کرایا۔ یہودیوں کی خفیہ ریشہ دوانیوں کی بدولت مشاہیر اسلام کی شہادتوں کا یہ سلسلہ اُسوقت سے لیکر اسوقت تک جاری ہے۔

سازشی منصوبہ یہودی دنیا میں پھر برسرِ اقتدار آنے اور اپنی عظمت۔ امارت اور حکومت قائم کرنے کیلئے کئی سال تک خفیہ کانفرنسیں کرتے رہے۔ ان کے ماہرین۔ مدبرین اور مفکرین مدتوں سر جوڑ کر بیٹھے۔ بالآخر ۱۸۹۷ء میں انہوں نے بڑے غور و خوض کے بعد اپنی تمام مساعی ان تین نکات پر مرکوز کرنے کا فیصلہ کیا:۔

۱۔ یہودیوں کے لیے ایک قومی وطن کا قیام۔
۲۔ دنیا کے مالی نظام پر قبضہ و تسلّط۔
۳۔ اسلامی ممالک کو نیست و نابود کرنا۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے یہودیوں نے ساری دنیا میں ایک سازشی جال

بچھایا۔ جب اسکے خاطرخواہ نتائج برآمد ہوئے تو یہودیوں کی ایک عظیم اور پراسرار شخصیت نے ۲۲ ویں درجہ کے یہودیوں کے نمائندوں کا ایک اجلاس بلایا جس کی کئی نشستوں میں اس نے عظیم سازشی منصوبہ کی تفصیلات لبغرض توثیق بیان کیں جو باقاعدہ ایک منشور کی صورت میں ضبط تحریر میں لائی گئیں اور اس پر ان نمائندوں نے اپنے تصدیقی دستخط ثبت کئے دنیا کی یہ بد نام ترین دستاویز "پراٹوکول" کہلاتی ہے۔

انکشافِ سازش اس مسودہ کی ایک کاپی ایک عورت نے یہودیوں کی خفیہ تنظیم فری میسن کی ایک اعلیٰ رہنما خاتون کے ہاں سے چوری کر کے اس راز کو طشت از بام کر دیا۔ جسے ۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۳ء میں دو روسی اخباروں نے شائع کیا۔ روسی پادری پروفیسر سرجائی۔ اے۔ نائلس نے اسے عیسائیت کے خلاف ایک عظیم سازش تصور کیا اور ازراہِ خدمتِ انسانیت ۱۹۰۵ء میں اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی ۱۹۱۷ء تک اسکے چار ایڈیشن شائع ہوئے اسکے دوسرے ایڈیشن کا ایک نسخہ روسی سنسر سے پاس ہو کر ۱۹۰۶ء کے آخر میں برٹش میوزیم کی لائبریری میں پہنچ گیا جو آجتک وہاں محفوظ ہے۔

کتابی شکل کے علاوہ اسے رائس پیپر پر ٹائپ کر کے بھی بکثرت سائبیریا کے علاقہ میں تقسیم کیا گیا اور وہاں سے اسکا ایک نسخہ ۱۹۱۹ء کے اخیر میں امریکہ پہنچا۔ جہاں ترکے اہتمام سے اسکا انگریزی ترجمہ شائع ہوا۔ روس میں "مارننگ پوسٹ" کا نمائندہ مسٹر وکٹر ای۔ مارسڈن جب روس میں اپنی دو سالہ قید بھگت کر انگلستان واپس پہنچا تو اس نے برٹش میوزیم کی لائبریری میں بیٹھ کر اس کتاب کا پہلی فرصت میں انگریزی ترجمہ کیا۔ جو امریکی ترجمہ سے بہتر ثابت ہوا۔ یہ ترجمہ ۱۹۲۰ء میں انگلستان میں شائع ہوا۔

جرمنی کے فیوہرر ہٹلر نے بھی اسکے مختلف زبانوں میں ترجمے شائع کرائے ۔ مگر یہ ہر دور میں نایاب رہے ۔ کیونکہ جہاں بھی یہ کتاب چھپتی ۔ یہودی یا ان کے ایجنٹ اس کے سارے نسخے خرید کر اسے تلف کر دیتے ۔ تاکہ دنیا ان کے آئندہ عزائم سے بے خبر رہے ۔ پاکستان میں پہلی دفعہ ۱۹۶۲ء میں کراچی سے اسکا انگریزی ترجمہ شائع ہوا ۔

سرّ انکشاف عورتیں شروع سے فری میسن تحریک میں کام کر رہی تھیں اور اس تنظیم کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھیں ۔ لیکن جس دن سے ایک عورت نے ان کے خفیہ منصوبہ کا راز فاش کیا ۔ اس روز سے یہودیوں کا عورتوں پر سے اعتماد اٹھ گیا ۔ انہوں نے ہمیشہ کے لئے عورتوں پر فری میسن تنظیم کی رکنیت کے دروازے بند کر دیئے اور انہیں صرف دوسری قوموں کے رہنماؤں اور نوجوان نسل میں اخلاقی بے راہ روی اور جنسی انارکی پیدا کرنے کیلئے استعمال کیا جانے لگا ۔

روس کا کمیونسٹ انقلاب ۱۹۱۷ء اسی سازشی منصوبہ کا نتیجہ تھا ۔ اور بروئے پروٹوکول نمبر ۲ سوشلسٹ ۔ کمیونسٹ اور انارکسٹ سب اب تک یہودیوں کے ایجنٹ کے طور پر دنیا میں کام کر رہے تھے ۔ روسی آمر اسی امر کو پردہ اخفا میں رکھنا چاہتے تھے ۔ اس لئے سب سے پہلے کمیونسٹ حکومت نے پروفیسر نائلس کو اس خطرناک اور دہشت انگیز منصوبہ کو کتابی شکل دینے کے جرم میں قید کر دیا ۔ جو جلاوطنی کی صعوبتیں برداشت کرتا کرتا ۱۳ جنوری ۱۹۲۹ء کو راہیئے ملک عدم ہوا ۔

اسکے بعد بالشویک حکومت نے روس اور اپنے زیر دست ممالک میں اس کتاب کی اشاعت ممنوع قرار دی اور اس کتاب کو اپنے پاس رکھنے کے جرم کی سزا موت مقرر کی ۔ اگرچہ افریقہ میں روس کے زیر اثر نو آزاد ممالک میں اسکی یہ عالم ہے ۔

"مارننگ پوسٹ" کے نمائندہ مسٹر مارسڈن کو بھی اسی لیے قید کیا گیا تھا کہ اس نے اس منصوبہ کے تحت آنے والے کمیونسٹ انقلاب ۱۹۱۷ء کے انتہائی دہشت ناک حالات و واقعات شائع کر دیئے تھے۔

حسنِ کارکردگی یہ پراٹوکول یہودی ماہرین۔ مدبرین اور مفکرین کے نظریات۔ تجربات اور مشاہدات کی بنا پر معرض وجود میں آئے۔ جن میں دنیا پر یہودی آمریت قائم کرنے کے طور طریقے اور حکمرانی کے اصول بتلائے گئے ہیں۔ جن کو غور پڑھنے کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ دنیا کا ہر بڑا واقعہ اسی عالمگیر سازشی منصوبہ کا نتیجہ تھا۔ اس میں لگی لپٹی رکھے بغیر اس امر کا اعتراف کیا گیا ہے کہ یہودیوں نے :-

الف۔ ساری دنیا میں اپنا سازشی جال پھیلا رکھا ہے۔

ب۔ ہر حکومت کو اپنے زیرِ اثر لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ج۔ ہر جماعت۔ سوسائیٹی اور پارٹی اور تعلیمی اداروں میں اسکے ایجنٹ موجود ہیں۔

د۔ دنیا کی بڑی بڑی حکومتوں کے مالیات پر ان کا کنٹرول ہے۔

ر۔ دنیا کا سونا اور پریس ان کے قبضہ و تسلّط میں ہے۔

س۔ انہوں نے بڑی عیاری اور مکاری سے بعض ممالک کے آئین میں ایسی دفعات شامل کرا دی ہیں۔ جو اس منصوبہ کی تکمیل کے لیے اشد ضروری تھیں۔

ش۔ مہنگائی۔ لادینی۔ اخلاقی بے راہروی اور جنسی انارکی ان ہی کی پیدا کردہ ہے۔

ص۔ مسلمانوں اور اسلامی ملکوں کو انہوں نے اختلاف و انتشار کا شکار بنا رکھا ہے۔

ط۔ ہر بڑے شہر کے با اثر اور عوامی سرگرمیوں میں اہمیّت رکھنے والے اکابرین

سے کام لینے کیلئے، انہیں اپنی خفیہ تنظیم فری میسن کا ممبر بنا لیا ہے۔
نظام عالم میں اس وقت ہر جگہ یہودی اثر و نفوذ ہی دخیل و کار فرما ہے۔ یو۔ این او۔ یونیسکو۔ ورلڈ بنک۔ انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ کی کلیدی اسامیوں پر یہودی ماہرین قابض ہیں۔ دنیا کی بدنام ترین تنظیم سی۔ آئی۔ اے (جو اسی منصوبہ کا نتیجہ ہے۔) پر یہودیوں کا پورا تسلط ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی حکومتوں میں ان کا ہی عمل دخل ہے۔ دنیا کی عظیم سائنسی لیبارٹریوں۔ اسلحہ ساز کارخانوں۔ فلمی نگار خانوں۔ نشریاتی اداروں خبر رساں ایجنسیوں۔ صنعتی۔ تجارتی اور اشاعتی مرکزوں پر یہودی چھائے ہوئے ہیں اور اپنے سازشی منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا رہے ہیں۔

عظیم کامیابی دو ہزار سال سے یہ ایک مسلمہ حقیقت چلی آتی ہے اور متی، مرقس لوقا اور یوحنا چاروں انجیلیں اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے قتل کیا۔ قرآن کریم بھی اس ضمن میں یہودیوں کا اقبال جرم ان الفاظ میں پیش کرتا ہے:۔

انا قتلنا المسیح عیسی بن مریم۔ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا۔
(نسا ۴: ۱۵۷)

یہودیوں نے اس عالمگیر سازشی منصوبہ کے تحت جب دنیا کی بڑی بڑی عیسائی طاقتوں کو زیر اثر اور اپنا مؤید و معاون بنا لیا تو انہوں نے مذکورہ بالا مسلمہ حقیقت کو مسخ کرنے کے لئے اپنی حکومت کی وساطت سے نائب مسیح یا پائے روم سے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کی ذمہ داری سے یہودیوں کی برّیت کا اعلان کریں۔ اس تاریخی حقیقت کو تاریخ اور انجیل کے اوراق سے حذف کر دیا جائے۔

اور یوں سمجھا جائے کہ گویا یہ واقعہ ظہور پذیر ہی نہیں ہوا۔ چنانچہ پاپا پائے روم نے نومبر ۱۹۶۴ء کے آخیر میں، دنیا کے نقشہ پر ابھرتی ہوئی اس عظیم طاقت سے مرعوب ہو کر یہودی عیسائی بھائی بھائی کا سیاسی رشتہ قائم کرنے کیلئے یہودیوں کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا اور رومن کیتھولک کلیسا نے اکثریت کے ووٹ سے اس فیصلہ کی توثیق کر دی کہ حضرت مسیح کو یہودیوں نے سولی پر نہ چڑھایا تھا۔ اسطرح عیسائیت نے صیہونیت کے سامنے ہتھیار ڈال کر اسلام کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنا لیا اور کل کے دشمن آج کے دوست بن گئے اور انجیل مقدس کو ایک بار پھر تحریف کا نشانہ بننا پڑا۔ اس ایک عظیم واقعہ سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سازشی منصوبہ تاریخِ عالم کی کایا پلٹ میں کتنا مؤثر کردار ادا کر رہا ہے۔ عیسائی دنیا کو زیرِ اثر کرنے کے بعد اب یہودیوں کی تمام تر توجہ اسلامی ممالک کی طرف ہے۔

نظرِ خاص مشرقِ وسطیٰ کے اسلامی ممالک کو اس منصوبہ کا شکار بنانے کے بعد یہودیوں کی اب پاکستان پر نظرِ خاص ہے۔ جسکا ثبوت اسرائیل کے پہلے وزیرِ اعظم ڈیوڈ بن گورین کی اس تقریر سے ملتا ہے جو اسنے ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے فوراً بعد پیرس کی سار بون یونیورسٹی میں کی۔ اس نے کھلے لفظوں میں یہودیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

"بین الاقوامی صیہونی تحریک کو کسی طرح بھی پاکستان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں رہنا چاہیئے۔ پاکستان درحقیقت ہمارا اصلی اور حقیقی آئیڈیالوجیکل جواب ہے۔ پاکستان کا ذہنی و فکری سرمایہ اور جنگی و عسکری قوت و کیفیت آگے چل کر ہمارے لئے کسی وقت بھی مصیبت کا باعث بن سکتا ہے۔ ہمیں

اس کا حل سوچنا چاہیئے۔ ہندوستان سے دوستی ہمارے لئے نہ صرف ضروری ہے بلکہ ہمیں اس تاریخی عناد سے فائدہ اٹھانا ہے۔ جو ہندو، پاکستان اور اس کے بسنے والے مسلمانوں کے خلاف رکھتا ہے۔ یہ تاریخی عناد ہمارا سرمایہ ہے۔ لیکن ہماری پالیسی ایسی ہونی چاہیئے کہ ہم بین الاقوامی دائروں ہی کے ذریعہ ہندوستان سے اپنا ربط رکھیں۔"

(یروشلم پوسٹ ۹ اگست ۱۹۶۷ء بحوالہ نوائے وقت ۱۶ ار نمبر ۱۹۶۷ء)

اس کے علاوہ اہل پاکستان کی دلی وابستگیاں چونکہ عالم عرب کے ساتھ ہیں۔ اس لئے بھی پاکستان یہودیوں کی نظر میں خار کی طرح کھٹک رہا ہے اور وہ یہود کو پاکستان کے خلاف ہر ممکن طریق سے برسرپیکار رکھتے ہیں۔

نشانِ راہ پاکستان میں ان کا سب سے بڑا سہارا اسلام بیزار مغرب زدہ طبقہ ہے۔ جسے یہ ہر قسم کے عیش و عشرت کا سامان بہم پہنچا کر بلطائف الحیل اپنی مقصد براری کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ جس کی تائید اس کتاب سے ہوتی ہے۔ جو حال ہی میں امریکہ کی کونسل برائے تعلقاتِ خارجہ نے "مسلم مشرق" پر شائع کی ہے۔ اور جسے کولمبیا یونیورسٹی کے مشہور یہودی پروفیسر جی۔ سی۔ ہروئیز نے Middle East Politics and Military کے نام سے مرتب کیا ہے۔ اس میں دیئے گئے اعداد و اسناد بین الاقوامی پشت پناہی کا ہی نتیجہ ہیں۔ جسے اس عالمی شہرت کے یہودی پروفیسر نے بڑی کاوش سے جمع کیا۔ وہ تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد اپنے قارئین کو اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے :-

"پاکستانی مسلح افواج نظریہ پاکستان، اس کے اتحاد و سالمیت اور

استقلال کی پاسبان بنی ہوئی ہیں۔ جبکہ ملک کی سول ایڈمنسٹریشن مغرب زدہ ہے اور نظریہ پاکستان پر یقین نہیں رکھتی۔"

یہ نتیجہ جہاں یہودیوں کی بین اقوامی تحریک کے رہنماؤں کے لئے نشانِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہاں ہمارے لئے بھی اپنے اندر عبرت و بصیرت کا خزانہ لئے ہوئے ہے جسکی تائید ان حالات و واقعات سے ہوتی ہے۔ جن کے ذریعہ مشرقی پاکستان سے ہم کو محروم کر دیا گیا ہے۔

دامِ تزویر

اس منصوبہ کو بغور پڑھنے کے بعد انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ یہ منصوبہ ساز کتنی عظیم شخصیت تھی۔ جس نے حالاتِ زمانہ، فطرتِ انسانی۔ —— اور فنِ حکمرانی کو سامنے رکھ کر اپنی ذہانت و فطانت سے ایک ایسا منصوبہ تشکیل دیا کہ دنیا کی کوئی حکومت اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس نے دنیا میں غیر ملکی قرضوں۔ مناقشات۔ تنازعات۔ اختلافات۔ عیاشی۔ فحاشی بدمعاشی بدقماشی۔ فریب کاری اور مہنگائی کا چکر چلا کر سب کو اپنے دامِ تزویر میں پھانس رکھا ہے۔ دنیا میں رونما ہونے والا ہر بڑا واقعہ اسی سازشی منصوبہ کا نتیجہ ہے۔ اسی کی وجہ سے حکومتوں میں آئے دن زیروبم آتے رہتے ہیں۔ اسی کے تحت عالمِ اسلام کا شیرازہ بکھیرا جا رہا ہے۔ اسلامی حکومتوں میں آئے دن انقلاب برپا کئے جا رہے ہیں اور پاکستان میں اس کے ایجنٹ علانیہ تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ جو اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا چاہتے ہیں۔ جس کی تائید مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے دل ہلا دینے والے واقعات سے ہوتی ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ اس منصوبہ میں اپنے نظریات۔ تجربات اور مشاہدات کی بنا پر اس عظیم شخصیت نے

جو حقائق بیان کئے ہیں۔ ان کو آج تک جھٹلایا نہیں جا سکا۔ کیونکہ حالات زمانہ قدم قدم پر ان کی تائید کر رہے ہیں۔ اور اس بات کا یقین دلا رہے ہیں کہ اس منصوبہ کی مستقبل کے متعلق پیشین گوئیاں بھی ماضی وحال کی طرح صحیح ثابت ہونگی۔

عملدرآمد کا آغاز: متذکرہ بالا منصوبہ کی بنا پر اگست ۱۸۹۷ء میں باسل BASLE کے مقام پر یہودیوں کی پہلی کانفرنس ہوئی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ:۔

"صیہونیت فلسطین میں یہودیوں کے لئے ایک وطن کے قیام کی جدوجہد کر رہی ہے۔ جس میں یہودیوں کو تمام شہری حقوق حاصل ہوں گے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ کانفرنس فیصلہ کرتی ہے کہ:۔

(الف) فلسطین میں یہودی کسانوں۔ مزدوروں اور کاریگروں کی آبادکاری کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

(ب) مقامی قوانین اور حالات کے تحت تمام ملکوں میں یہودیوں کی تنظیمیں قائم کی جائیں۔ جو ایک عالمی تنظیم کے تحت ہوں گی۔

(ج) یہودیوں میں نسلی تفاخر کا احساس اور شعور بیدار کیا جائے۔

(د) ان مقاصد کے حصول کے لئے سرکاری منظوری حاصل کرنے کے سلسلہ میں ابتدائی اقدامات کئے جائیں۔"

یہودیوں نے فلسطین میں پاؤں جمانے کے لئے ترکی کے سلطان عبدالحمید سے ایسی مراعات حاصل کرنے کے لئے مشہور یہودی رہنما ڈاکٹر ہرزل کو مقرر کیا۔ تاکہ ان کے ذریعہ فلسطین میں ایک خود مختار یہودی حکومت کے قیام کے لئے راستہ ہموار کیا جا سکے۔ اس غرض کے لئے ایک طرف تو اس نے ترکی کے اندر اپنی جارحانہ ریشہ دوانیاں

شروع کردیں اور دوسری طرف ۱۸۹۸ء میں جرمنی کے قیصر ولیم کو شیشہ میں اتار کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ترکی، شام اور فلسطین کے دورہ کے دوران سلطان عبدالحمید سے یہودیوں کو فلسطین میں زمین خریدنے اور وہاں آباد ہونے کی اجازت لے دے۔ اس کے عوض دنیا بھر کے یہودی :-

۱۔ عثمانیہ میں جرمنی ثقافت کے پروپاگنڈا کے لئے ہر ممکن سہولت بہم پہنچائیں گے۔
۲۔ جرمنی کی تجارت کو فروغ دیں گے۔
۳۔ فلسطین کو برطانیہ کے لئے ایک مستقل دردِ سر بنا دیں گے۔

اس طمع کے تحت قیصر ولیم نے جب اس موضوع پر سلطان عبدالحمید سے گفتگو کرنا چاہی تو وہ ٹال گئے۔ اور قیصر نے اس خوف سے اس بات پر زور نہ دیا کہ کہیں برلن کو بغداد سے ملانے والی ریلوے لائن جرمنی کے ہاتھ نہ جاتی رہے۔

سلطان عبدالحمید کو ڈاکٹر ہرٹزل کی ریشہ دوانیوں کا علم ہو گیا۔ جس کی بنا پر انہوں نے ۱۹۰۲ء میں ڈاکٹر ہرٹزل کو ایک خط کے ذریعے اپنی ریشہ دوانیوں سے باز رہنے کی سخت تنبیہ کی۔ جس کا مضمون خود ڈاکٹر ہرٹزل نے ۱۹۲۲ء میں تل ابیب میں شائع کردہ اپنی ڈائری میں یوں نقل کیا ہے :-

"ڈاکٹر ہرٹزل کو بتا دو کہ وہ فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کی تمام کوششیں ختم کر دے۔ جب تک عثمانی سلطنت کا ایک غیور فرد بھی زندہ ہے۔ اسے فلسطین نہیں مل سکتا"۔

یہودیوں کی حوصلہ افزائی

ڈاکٹر ہرٹزل کی ناکامی کے بعد یہودیوں نے ترکی کی "مجلس اتحاد و ترقی" میں اپنا اثر و رسوخ پیدا

کرنا شروع کر دیا جو خفیہ ذرائع سے سلطان عبدالحمید کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے سرگرم عمل تھی۔ چنانچہ یہ مجلس اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی اور شوکت پاشا نے فوج کی مدد سے سلطان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ جس کی بنا پر ۱۹۱۲ء میں جو وزارت بنی۔ اس میں یہودیوں نے اپنی عیاریوں سے پراٹوکول میں طے شدہ منصوبہ کے تحت مندرجہ ذیل تین یہودی نژاد وزیر شامل کرا دیئے:۔

۱۔ احبار یہ آفندی ؛ یہ رومانیہ کا رہنے والا تھا اور ایک یہودی اخبار کا ایڈیٹر تھا۔ جسے تعمیرات عامہ کا محکمہ سونپا گیا۔

۲۔ نسیم مزلیا ؛ اسکو تجارت و زراعت کا محکمہ دیا گیا۔

۳۔ جاوید بے ؛ یہ محکمہ مالیات کا انچارج تھا۔

۱۹۱۴ء میں ان یہودی وزیروں نے ایک قانون پاس کرا دیا کہ یہودیوں کو فلسطین میں جائیداد بنانے کی اجازت دی جائے۔ یہ قانون پاس کرانے کے بعد ان وزیروں نے سلطان کی فلسطینی جاگیریں دھڑا دھڑ یہودیوں کے ہاتھ بیچنی شروع کر دیں۔ جو کہ فلسطین کی سب سے زیادہ زرخیز زمینیں تھیں۔ جو یہودیوں تنظیموں نے مشترکہ طور پر خرید لیں۔

اسی ایک مثال سے اس بات کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہودی کس طرح برسراقتدار حکومت میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرکے اپنا مطلب نکالتے ہیں۔ فلسطین میں قدم جمانے کے سلسلہ میں یہودیوں کی یہ پہلی تاریخی کامیابی تھی۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران جب یہودیوں کو یقین ہوگیا کہ جرمنی کو اتحادیوں کے ہاتھوں شکست فاش ہوگی تو یہودیوں نے اتحادیوں کو ہر ممکن امداد دینے کا

اعلان کر کے ۱۹۱۷ء میں انگریزوں سے اعلان بالفور حاصل کر لیا۔ امریکہ کے صدر ولسن نے بھی فی الفور اس امر کی تائید کر دی کہ :-

"ہماری گورنمنٹ کی غیر مشروط حمایت کے ساتھ اتحادیوں نے فلسطین میں ایک یہودی ریاست کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ ہے۔"

(The Truth about the Peace Confrence جلد دوم صد ۲۰۲)

ان حکومتوں کی تائید و حمایت سے فلسطین میں دنیا بھر سے یہودی بلا کر بسائے جانے لگے۔ لیکن یہودیوں کے ہاتھ فلسطین کا صرف سات فیصد رقبہ آسکا۔ جو ان کے عالمگیر سازشی منصوبہ کی تکمیل کے لیے ناکافی تھا۔ اس لیے ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو مجلس اقوام متحدہ نے جو یہودی اثر و رسوخ کے تحت کام کر رہی تھی۔ تقسیم ملک کے اصول کی حمایت کرتے ہوئے۔ فلسطین کے کل رقبہ کا ۵۵ فیصد زرخیز ترین ساحلی علاقہ یہودیوں کو بخش کر یہودی ریاست کے قیام کے لیے زمین ہموار کر دی۔ ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو تل ابیب میں یہودی ریاست کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ جسے صدر امریکہ ٹرومین نے صرف آدھ گھنٹہ بعد تسلیم کر کے سیاسی دنیا میں جلد بازی کا ایک ریکارڈ قائم کر دیا۔ کیونکہ وہ اپنے یہودی ووٹروں کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جن کی امریکہ میں کثرت تھی اور جو وہاں کے بادشاہ گر کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہودیوں کی یہ حکومت عین اس وقت تسلیم کی گئی جب یہودی حکومت کا نہ کوئی ڈھانچہ تیار ہوا تھا اور نہ ابھی اس کی حدود متعین ہوئی تھیں۔ اس اعلان کے دوسرے دن یعنی ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء سے یہودیوں اور عربوں کا مسلح تصادم شروع ہو گیا۔ جو آج تک جاری ہے اور تمام غیر مسلم حکومتیں بلطائف الحیل یہودیوں کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔

اسرائیلی حکومت کی حدود اسرائیلی حکومت کی حدود طے کرنے کا مسئلہ ۱۲ اگست ۱۹۵۱ء کو یروشلم میں یہودیوں کی ایک کانفرنس میں پیش ہوا تو حیرت پارٹی کے رہنما ڈاکٹر آری آک مین نے اپنی تقریر میں اس کی حدود کا یوں تعین کیا۔

"ایک عظیم تر اسرائیل ہی ۔ جو عراق سے سویز تک پھیلا ہوا ہو۔ ایک ایسی طاقتور ریاست ہو سکتی ہے ۔ جو مشرقِ وسطیٰ میں اندرونی اور بیرونی امن کی ضمانت دے سکے ۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا کو واضح طور پر بتا دیں کہ دنیا بھر کے یہودیوں کو فلسطین میں جمع کرنے سے اسرائیلی حکومت کا مقصد ہی یہ ہے کہ اسرائیل کی سرحدیں وسیع کی جائیں جو عراق سے لیکر سویز تک پھیلی ہوئی ہوں ۔ صرف اسی صورت میں اسرائیل مشرق وسطیٰ میں جمہوریت کا ایک مضبوط حصار بن سکتا ہے اور اس پوزیشن میں ہو گا کہ ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کر سکے ۔"

یہودیوں کا نعرہ بھی یہی ہے کہ "اسرائیلیو! تمہاری سرحدیں یوفریٹس سے لیکر نیل تک ہیں ۔"

دعوتِ فکر اندریں حالات صیہونی اصولِ حکمرانی ۔ اسرائیلی طریقِ کار اور اس کے عملی نتائج کو ذہن نشین کرنے اور ان کی گرفت سے بچنے کیلئے اس سازشی منصوبہ کو بغور پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے ۔ وہ کوئی کتاب نہیں ۔ جسے ذہنی عیاشی یا خوش وقتی کے لیے پڑھا جائے ۔ وہ تو قوموں کی تقدیر کے لئے نوشتۂ دیوار ہے ۔ اس کے اسرار و رموز کو سمجھنے کے لئے واقعاتِ عالم کو سامنے

رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کے مسموم اثرات سے بچنے کے لئے سر جوڑ کر بیٹھنے اور سوچنے کی ضرورت ہے۔ اسے ہر مکتب فکر کے مسلمان کو پڑھانے کی ضرورت[1] ہے۔ تاکہ وہ اس کی روشنی میں خود کو اس سانپ کی گرفت سے بچا سکے۔ جو بڑی تیزی سے اسے اپنی لپیٹ میں لیا چاہتا ہے۔ اور ان لوگوں کو شناخت کریں جو دنیا کی اس عظیم طاقت کے بالواسطہ یا بلاواسطہ ایجنٹ کے طور پر پاکستان کے اندر کام کر رہے ہیں۔ اس کے عزائم ومقاصد کو تقویت پہنچا رہے ہیں اور اس کی خفیہ تنظیم فری میسن کے ممبر بن کر، اس کو اس منصوبہ کی کامیابی کا عملاً یقین دلا رہے ہیں۔ اور اس بات کا سراغ لگائے کہ جس قوم سے اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے امارت وحکومت چھین لی گئی تھی۔ جس پر ذلت ومسکنت مسلط کر دی گئی تھی۔ جس کو اپنے آبائی وطن اور عبادت گاہوں سے محروم کر کے دنیا میں در بدر مارے مارے پھرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ اس میں ایسی کون سی خوبیاں پیدا ہو گئی ہیں کہ آج اس کو اپنا چھینا ہوا وطن واپس دلا دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کا قبلہ اوّل چھین کر ان کے حوالے کر دیا گیا ہے اور دنیا کی دولت اور سونا۔ وسائل وذرائع، پھر ان کے قدموں میں ڈال دیے گئے ہیں اور اسے اتنا طاقتور بنا دیا گیا ہے کہ انہی کے اشارۂ چشم وابرو پر دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں چلنے پر مجبور ہو گئی ہیں۔ یہ سب کچھ اس تنظیم۔ یقین اور اتحادِ محکم کا نتیجہ ہے۔ جس کا آج ہم میں نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ ہمیں اس منصوبہ نے اس مقام پر پہنچا دیا ہے۔ جہاں سے یہود قعرِ مذلت میں گرائے گئے تھے۔ ان کی

---

[1] اس کتاب کو ہم جلد زیورِ طبع سے آراستہ کرنے کی فکر میں ہیں۔ صرف سرمایہ کی فراہمی کا انتظار ہے۔

ہر خرابی. بُرائی اور نافرمانی کو ہم نے حرزِ جاں بنا لیا اور ہماری ساری خوبیوں کو اس قوم نے اپنا لیا۔ اسلئے وہ آج دنیا میں سرفراز ہے اور ہم ذلیل وخوار! اگر ہم نے وقت کی نزاکت کا صحیح اندازہ نہ لگایا۔ واقعات عالم سے عبرت حاصل نہ کی تو نتیجہ ظاہر ہے کہ تاریخ خود کو دہرانے پر مجبور ہو جائے گی اور ہماری آزادی، غلامی میں بدل جائے گی۔

یہودی مسلمانوں کو مغضوب بنانے کیلئے قرآنی نسخے استعمال کر رہے ہیں۔ یعنی جن باتوں اور کاموں کی قرآن نے ممانعت کی ہے۔ پراٹوکولز کے تحت انہیں مختلف حیلوں بہانوں سے رواج دیا جا رہا ہے۔ چنگ ورباب کی ثقافت، ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عیاشی۔ فحاشی۔ عریانی اور جنسی انار کی پھیلانے کی مساعی اور مسلمانوں کو اپنا دوست مغربی تہذیب وتمدن کا دلدادہ بنا کر ان کے دلوں سے خدا کا خوف مٹا کر خدا اور رسولؐ کی محبت اور کفر وشرک سے نفرت نکال رہے ہیں۔ انہیں خدا کے ان احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب بنا کر نہ صرف ان کی دنیا بلکہ آخرت بھی خراب کرنے کے درپے ہو رہے ہیں کہ :-

"اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کریگا۔ وہ انہی میں شمار ہوگا .... مومنوں کو چاہیئے کہ وہ مومنوں کے ہوتے ہوئے کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔ جس نے ایسا کیا تو پھر خدا کے ساتھ اسکا کوئی سروکار نہیں۔" (القرآن)

---

(۴)

مغربی تحریکات اور اسلام

(از سید رشید احمد ارشد۔ ایم۔ اے لیکچرار شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی)

مادی ترقی سائنس کی ترقی اور مشینوں کی ایجاد کی بدولت مغربی اقوام نے مادی حیثیت سے بہت ترقی کی ہے۔ اور اسی مادی ترقی کے بل بوتے پر انہوں نے اپنی تجارت و صنعت میں توسیع کر کے کمزور قوموں پر اپنا تسلط جما رکھا ہے۔ بلکہ اسی مادی ترقی کی بدولت انہوں نے مشرقی ممالک کو غلام بنایا اور اپنی استعماری طاقت کو بڑھاتے چلے گئے۔ چنانچہ برطانیہ، فرانس جرمنی۔ اور اٹلی کی مثال سب کے سامنے ہے۔ موجودہ زمانے میں امریکہ اور روس اپنی مادی طاقت کی بدولت تمام اقوام عالم پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور انہیں اپنا زیر اثر بنا رکھا ہے۔

مادہ پرستی ان ممالک کی مادی ترقی اور ان کے سیاسی اور اقتصادی غلبہ استحصال سے عام افراد نے یہ سمجھا کہ مادی ترقی ہی سب کچھ ہے اور یہ مغربی اقوام کی مذہب سے لاتعلقی کا نتیجہ ہے اور اسی کی بدولت روحانیت پسند مشرقی اقوام نے بھی مادہ پرستی شروع کر دی۔ مذہبی اصولوں کو پس پشت ڈال دیا۔ عوام کے دلوں سے مذہب کی عظمت اٹھ گئی اور خواص کی بڑی تعداد مذہب سے لاتعلق ہو گئی۔ یہاں تک کہ ان میں سے

بعض برسرآوردہ افراد کھلا کھلا مذہب کے مخالف ہوگئے جو لوگ مذہب کے مخالف نہ ہوئے وہ مذہب سے بے تعلق ہوگئے۔ اور ان کی عملی زندگی پر مذہب اور اس کے اصولوں کا کوئی اثر نہ رہا۔

مغرب کی اکثر مادہ پرست قوموں کا مذہب عیسائیت ہے۔ اگرچہ یہ مذہب ان ممالک میں عملی حیثیت سے مردہ ہوچکا ہے لیکن مغربی رہناؤں نے اس مذہب اور اس کے کلیساؤں کو اس لئے باقی رکھا ہے کہ ان کی دانست میں مذہب کے ذریعے ہی مختلف عیسائی قوموں کو متحد رکھا جا سکتا ہے اور عوام کو مذہبی آلۂ کار بنایا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ صلیبی جنگوں اور بعد میں ترکوں کے خلاف مختلف جنگوں میں عیسائیت کے نام پر یورپ کی اقوام کو متحد کیا گیا تھا۔

تحریکِ وطنیّت رفتہ رفتہ جب عیسائی مذہب اپنی افادی حیثیت کھوتا گیا۔ تو مغربی مفکروں کو یہ ضرورت لاحق ہوئی کہ وہ مذہب کا کوئی نعم البدل تلاش کریں اور ملک و قوم کے تمام افراد کو رشتۂ اتحاد میں منسلک کرسکیں۔ آخر کار بہت غور و خوض کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ عوام کے وطنی اور قومی تعصب سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اس لئے مذہب کے مقابلہ میں انہوں نے وطنیت اور قومیت کا نظریہ پیدا کیا۔ تاکہ جنگی اور ہنگامی صورتوں میں قومی اور وطنی جذبات کو ابھار کر دشمن کا مقابلہ کیا جا سکے۔ یہ صحیح ہے کہ حب الوطنی قدیم زمانہ سے زندہ قوموں کا شعار رہی ہے اور ہر قوم کے ضابطہ اخلاق میں اسے ایک مناسب جگہ دی

گئی ہے۔ مگر وطنیت اور قومیت کے جدید سیاسی نظریہ میں اس کے دائرہ کو تنگ کر کے اسے اس قدر محدود کر دیا گیا ہے کہ عالمگیر انسانیت اور اخوت کا جذبہ اس تنگ دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب میں اسی تنگ نظرانہ وطنیت اور قومیت کی بدولت گزشتہ زمانہ میں دو عالمگیر جنگیں برپا ہوئیں۔ جنہوں نے مہذب دنیا کو تباہ و برباد کر دیا۔

وطنیت کے مضرات

علامہ اقبال نے بہت پہلے اس وطنیت کے مضر اثرات کو بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے نصف صدی پیشتر "وطنیت ایک سیاسی تصور کی حیثیت سے" کے عنوان سے ایک نظم لکھی تھی۔ جس میں اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس کے مضر اثرات کو اس طرح واضح کیا گیا ہے:-

اس دَور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور

تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدہ، تہذیب نوی ہے
غارت گرِ کاشانہ، دینِ نبوی ہے

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی! خاک میں اس بت کو ملا دے

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزاد وطن صورت ماہی
ہے ترک وطن سنت محبوب الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اسی سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اسی سے

ممکن ہے ابتدا میں وطنیت اور قومیت کا تصور یورپ اور امریکہ کے لئے ایک حد تک مفید ثابت ہوا ہو۔ کیونکہ ان کے ہاں مذہبی تصورات مفقود ہونے کے بعد صرف یہی ایک رشتۂ اتحاد باقی رہ گیا تھا۔

لہٰذا مغربی رہنماؤں اور مفکروں نے حب الوطنی کے جذبات کو بھڑکا کر عوام کو اپنی ملکی ترقی کی طرف آمادہ کیا ہوگا۔ اس کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ اندرونی ترقی میں یہ جذبہ کارآمد ثابت ہوا۔ تو انہوں نے اسے استعماری مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ اور کمزور قوموں پر اپنا تسلط جمایا اور انہیں تباہ و برباد کیا۔ اس طرح انہوں نے وطنیت کے تخریبی اور مضر پہلو کے اثرات دنیا پر ظاہر کر دیئے۔

قومی تعصب مغربی ممالک میں وطنیت اور قومیت کے نظریات کی اس قدر اشاعت ہوئی کہ مسلم ممالک میں بھی اس کی صدائے بازگشت گونجنے لگی۔ لہٰذا مغربی سیاستدانوں نے پہلی جنگ عظیم میں وطنیت کے سیاسی حربے کو مشرقی ممالک میں بھی استعمال کیا اور عربوں اور ترکوں کے درمیان وطنی اور قومی تعصب پیدا کر کے انہیں آپس میں لڑوایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں مسلم قومیں تباہ و برباد ہوگئیں۔ ایک طرف ترکوں سے ان کا وسیع علاقہ چھن گیا۔ اور دوسری طرف عرب قومیں اپنی آزادی کھو بیٹھیں اور خود مغربی اقوام کی غلام بن گئیں۔ ترک و عرب کی اس "فریب خوردگی" سے متاثر ہو کر علامہ اقبال مرحوم اپنی [illegible] اردو نظم میں یوں ارشاد فرماتے ہیں :-

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل
خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز

آگے چل کر مغربی وطنیت کے مقابلے میں علامہ اقبال اسلامی اتحاد کی اس طرح تلقین فرماتے ہیں:

ربط و ضبطِ ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر

جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائیگا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابیِ والا گہر

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہ گزر

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

مذہب اور قومیت

اس کھلم کھلا تباہی کے باوجود مسلم قوموں نے بھی رضا شاہ پہلوی اور مصطفیٰ کمال پاشا کے زیر اثر قومیت اور وطنیت کے جذبات نشوونما پاتے رہے۔ ان ممالک کے مقامی حالات اس قدر بگڑ چکے تھے کہ ان ممالک کے رہنما ... کے ... مضر اثرات کو محسوس کئے بغیر یہ سمجھنے لگے تھے کہ ملکی ترقی کی راہ میں مذہب اور اس کے قدامت پسندانہ خیالات حائل رہتے ہیں۔ اور ... کی مادی ترقی کا سبب یہ ہے کہ وہ مذہب سے بے تعلق رہے۔ اور آزاد خیالی کے ساتھ قومیت کے جذبے سے سرشار رہے لہذا ان مسلم رہنماؤں کو یقین ہو گیا کہ ان کے ممالک انہی کے نقش قدم پر چل کر ترقی کر سکتے ہیں۔ ان خیالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم ممالک قومیت اور وطنیت کے شیدائی ہو گئے اور وہ مذہبی قیود اور حدود کو توڑنے لگے۔ اور ان کی ہمدردیاں صرف اپنے ملک کی جغرافیائی حدود تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ دیگر اسلامی ممالک سے انہوں نے اپنا رشتہ توڑ لیا۔

چونکہ مسلم سیاستدان مغربی اقوام کی ترقی کو ان کے قومی جذبہ کا نتیجہ سمجھنے لگے تھے۔ اس لئے ہندو پاکستان کے اسلامی مفکر علامہ اقبال نے اس غلط فہمی کا ازالہ اس طرح کیا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

علامہ اقبال کے اس مشورہ پر اسلامی ممالک کے رہنماؤں نے عمل کیا۔ اور وہ بتدریج غیر اسلامی قومیت کے تصور کو عملی جامہ پہناتے رہے اور جب برصغیر ہندو پاکستان میں ان کے خیالات کی نشر و اشاعت ہوئی اور یہاں کے مسلم رہنماؤں نے اس نظریہ کی بنیاد پر تحریک پاکستان کا آغاز کیا۔ یہاں تک کہ ان کی جدوجہد کامیاب ہوئی اور تحریک پاکستان مسلم قومیت کے نظریے کی بدولت حقیقت میں تبدیل ہو گئی

کمیونزم صنعتی انقلاب کی بدولت مغربی قومیت اور وطنیت کے تصورات کے ساتھ ساتھ اشتراکیت اور اشتمالیت (کمیونزم) کے نظریات بھی پروان چڑھتے رہے۔ کیونکہ بڑے بڑے ملوں اور کارخانوں کے قائم ہو جانے کے بعد جب سرمایہ داروں اور مزدوروں کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تو اس موقع پر ایک مغربی مفکر کارل مارکس نے اشتراکیت اور اشتمالیت کا ایک غیر مذہبی نظریہ حیات پیش کیا۔ جس میں مزدوروں اور محنت کش عوام کو سرمایہ داروں پر فوقیت دی گئی تھی۔ اور سرمایہ داری پر کاری ضرب لگائی گئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس جدید نظریہ حیات میں خدا کے تصور سے بھی ا

کیا گیا تھا اور مذہب کو گذشتہ اور موجودہ خرابیوں کی بنیاد قرار دیا گیا تھا۔
کارل مارکس نے اپنے نظریات پر مشتمل ایک کتاب بھی لکھی تھی اور مغرب میں وہ سب سے پہلا ملحد انسان تھا جس نے الہامی کتب کے مقابلہ میں دنیا کے سامنے باقاعدہ طور پر ملحدانہ نظریہ حیات پیش کیا تھا۔ اس کی کتاب کو کمیونسٹوں کے نزدیک مقدس کتاب کی حیثیت حاصل ہوگئی اور اس کے ملحدانہ نظریات مذہبی عقائد کی طرح اس کے متبعین کے لئے اجزائے ایمانی بن گئے۔

کارل مارکس کے نظریات کا عملی نشوونما روس میں ہوئی۔ جہاں عیسائیت کے نظریات دم توڑ رہے تھے۔ اس لئے روس کی سرزمین اشتمالی نظریات کے لئے بڑی زرخیز ثابت ہوئی۔ وہاں کے مظلوم اور محنت کش عوام نے کمیونسٹ رہنماؤں کی سرکردگی میں سیاسی انقلاب برپا کیا اور روس کے تمام وسیع علاقوں کو کمیونسٹ نظام کے تابع بنالیا۔ یہ انقلاب ایک خونیں انقلاب تھا۔ جو اخلاقی اصولوں کی بدولت رونما نہیں ہوا۔ بلکہ تشدد کے ذریعہ عمل میں لایا گیا تھا۔ اس کے انقلابی لیڈروں نے عوام کے لئے خوش آیند وعدے کئے تھے۔ اس لئے روس اور دیگر ممالک کے مظلوم عوام نے اس غیر مذہبی نظریہ کو جوش وخروش اور سرگرمی کیساتھ قبول کیا۔

کمیونزم کے مضر اثرات اشتراکیت اور اشتمالیت بھی مادہ پرستی کی انتہائی شکل ہے۔ اس میں روحانیت اور اخلاق کا کوئی عنصر بھی شامل نہیں ہے۔ بلکہ مذہب اور کلیسا کی سختی کے

ساتھ مخالفت کی گئی ہے۔ چونکہ اس کی بنیاد سرمایہ داروں کی مخالفت پر قائم ہے۔ اس لئے اس کے نظریات کا بھوکے عوام میں بہت سرگرمی کے ساتھ خیر مقدم کیا جا رہا ہے۔ اور چونکہ لوگوں کے پاس کوئی اور متوازی نظریۂ حیات موجود نہیں ہے۔ اور مذہب سے وہ بے تعلق ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لئے کمیونزم دنیا میں بتدریج پھیلتا جا رہا ہے۔ اور مناسب ترمیموں کے ساتھ اسے ممکن العمل بنانے کی کوشش بھی ہو رہی ہے۔ اس کی روز افزوں مقبولیت کے باوجود اشتمالیت اور اشتراکیت دنیا کی سماجی اور روحانی بیماریوں کا علاج نہیں کر سکی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مختلف مفکرین عالم نے تہذیب جدید کی بیماریوں کے علاج کے لئے جس قدر غیر مذہبی جدید نظریات پیش کئے ہیں۔ وہ سب کے سب ناکام ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اب مغرب کے بڑے بڑے مفکرین بھی اپنی تمام تدابیر کی ناکامی کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اور الہامی مذہب کی اہمیت پر زور دے رہے ہیں

ٹائن بی کا نظریہ اس سلسلہ میں تاریخ انسانی کے مشہور مورخ پروفیسر آرنلڈ جے ٹائن بی نے اپنے ایک مضمون بعنوان "موجودہ انسان کو تاریخ کی تنبیہ" میں تہذیب حاضر کی ناکامی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"عہد جدید کے انسان کا حال اس ہارے ہوئے جواری کی طرح ہے۔ جس نے (فتح حاصل کرنے کے لئے) اپنے تمام داؤ پیچ قمار بازی میں لگا دیئے ہوں۔ یہاں تک کہ تمام مال و دولت اور

اپنی زندگی کی بازی بھی لگادی ہو۔ تاکہ وہ کامیابی حاصل کرسکے مگراس کے باوجود اسے اپنی ان تدابیر (کے کامیاب ہونے) پربھروسہ اوراعتماد نہیں ہے۔ تاریخ عالم کے مکمل مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دنیاوی کامیابی انجام کار سب سے بڑی ناکامی کا سبب بنتی ہے بلکہ اور قوموں کی تہذیب و تمدن کوصرف اسی وقت تک صحیح اور مکمل کہا جاسکتا ہے۔ جب تک اس میں تحقیق کی صلاحیت باقی رہتی ہے۔

صنعتی انقلاب کے دور میں سائنس کی ترقی نے اس زمانے کے حالات کے مطابق بہت بڑا تخلیقی کارنامہ انجام دیا ہے اور اپنے زمانے کے تقاضوں اور ضرورت کی تکمیل کی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں جو مسائل ہمیں درپیش ہیں۔ کیا سائنس کی تجربہ گاہوں کے ذریعہ ان کا حل کیا جاسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ کیونکہ ہمارے موجودہ مسائل اخلاقی نوعیت کے ہیں جنہیں سائنس حل نہیں کرسکتی۔ بلکہ دیگر مادی تدابیر سے بھی انہیں حل کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہوچکی ہیں۔ اور خدا کے تصور کے بغیر سماجی اغراض کا علاج کرنے کے نقصانات ہم پر اچھی طرح واضح ہوچکے ہیں۔ اس لئے دورِ حاضر کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ انسانوں میں ایک مافوق الفطرت ہستی (خدائے بزرگ و برتر) پر ایمان لانے کے جذبہ کو دوبارہ

زندہ کیا جائے۔

مغرب کے اس عظیم ترین مورخ و مفکر کے مذکورہ بالا خیالات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ غیر مذہبی نظریات اور مذہبی تحریکیں جو موجودہ دور کے سماجی۔ اقتصادی اور سیاسی علوم کے نامکمل اصولوں پر مبنی ہیں قطعی طور پر ناکام ہو چکی ہیں۔ اور مستقبل میں ان سماجی علوم اور سیاست و اقتصادیات کے ماہرین سچے مذہب سے الگ رہ کر، جو اصلاحی تدابیر پیش کریں گے وہ سب ناکام ثابت ہوں گی۔

کھوکھلی تہذیب

جس طرح روح کے بغیر، جسم مردہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مذہب حق کی صحیح روح کو سمجھے بغیر، عالمی اصلاح کی تدابیر بیکار رہیں گی۔ چونکہ مغربی تمدن خود کھوکھلا ہو چکا ہے اور اس کی تمام بنیادیں کمزور ہو گئی ہیں۔ اس لئے اس کی بنیادوں پر کوئی مستحکم عمارت قائم نہیں ہو سکے گی۔ بقول اقبال ؎

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہو گا

علامہ اقبال نے ایک دوسرے شعر میں مسلم قوموں کو متنبہ کیا ہے کہ وہ تباہ ہونے والے مغربی تمدن کی تقلید نہ کریں اور اسے اعلیٰ نمونہ اور مطمع نظر نہ بنائیں۔ وہ فرماتے ہیں ؎

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
وہ فرنگی مدنیت کہ جو خود ہے لبِ گور

لیکن دقت یہ پیش آرہی ہے کہ موجودہ دور میں ہر قسم کی قیادت مغرب اور اس کے دانشوروں کو حاصل ہے۔ اور انہی کے خیالات تمام دنیا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مگر فکر و علم کے یہ مغربی مفکرین اسلام سے، جو دنیا کا واحد سچا اور عالمگیر مذہب ہے، بالکل ہی ناآشنا ہیں۔ اگر ان میں سے کچھ لوگ واقف بھی ہیں تو ان کی واقفیت ان مستشرقین کی معلومات پر مبنی ہے۔ جنہوں نے اسلام کی بھیانک اور مسخ شدہ تصویر ان کے سامنے رکھی ہے لہٰذا وہ اسلام کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کرتے ہیں کہ اس میں ان کی تمام روحانی بیماریوں کا علاج ہے۔

ان کے خیال میں جملہ مذاہب کی طرح اسلام بھی عقل کا دشمن ہے اس لئے ان کے دل و دماغ ہر اس چیز کو جو مذہب کے نام سے پیش کی جائے۔ قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ خواہ وہ کتنی ہی معقول اور عمدہ ہو۔ حالانکہ مذکورہ بالا غیر مذہبی سیاسی اور اقتصادی تحریکات کے خلاف اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ گزشتہ زمانے میں اس نے عالم انسانیت کو اس کے صحیح مقام تک پہنچایا۔ اور اب بھی اس کا تصورِ حیات دائمی اور اٹل ہے۔ کیونکہ اس نے انسان کے لئے ایک صحیح نصب العین تعین کیا ہے۔ اور اس کی رہنمائی کے لئے اس کی زندگی کے ہر شعبے میں چند معتدل بنیادی اصول مقرر کئے ہیں۔ تاکہ وہ غلط راستے کی طرف بھٹکنے نہ پائے۔

متضاد فطرت انسانی سب سے پہلے اسلام نے انسانی زندگی کی صحیح قدریں متعین کی ہیں۔ گزشتہ قوموں کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بعض اوقات انسان اپنی ذات پر اس قدر گھمنڈ کرنے لگ جاتا ہے کہ وہ خدا کا بھی منکر ہو جاتا ہے اور اس کے احکام سے سرکشی اور نافرمانی کا ارتکاب کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ اس قدر مغرور ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو خدا سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور یہ سب کچھ اپنی طاقت اور قوت کے گھمنڈ کے نتیجہ میں کرتا ہے۔ اور اس کا احساس برتری بڑھتا جاتا ہے اس کے برخلاف جب وہ سخت مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ تو اس میں بتدریج احساس کمتری کے جذبات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اس قدر عاجز و درماندہ خیال کرتا ہے کہ وہ مجبور محض ہے اور خود کچھ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا وہ ہر چھوٹی بڑی چیز سے مدد کا طالب ہوتا ہے۔ وہ انہیں پوجنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ پتھروں اور درختوں کی پرستش شروع کر دیتا ہے۔

ان حالات میں انسان کو سیدھے راستے پر لانے کے لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ اسے اس کے صحیح مقام سے آگاہ کیا جائے اور اسے سمجھایا جائے کہ وہ نہ تو بالکل درماندہ عاجز اور مجبور محض ہے اور نہ وہ اس قدر اعلیٰ اور برتر ہے کہ وہ خدا اور اسکے قوانین فطرت سے بغاوت کرنے لگ جائے۔ انسان کو اس کے صحیح مقام سے روشناس کرانے کے لئے قرآن کریم میں جابجا انسانی پیدائش اور اس کی زندگی کے

مختلف مراحل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

" اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہایت حقیر اجزا سے پیدا کیا ہے۔ پہلے وہ رحم مادر میں گوشت کا لوتھڑا بنا۔ پھر خدا نے اس میں جان ڈالی اور ظاہری حواس پیدا کئے۔ اس کے بعد جب انسان دنیا میں پیدا ہوا۔ تو وہ ایک بہت کمزور بچہ کی حالت میں نمودار ہوا۔ جو نہ بول سکتا تھا اور نہ چل پھر سکتا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے رفتہ رفتہ طاقت بہم پہنچائی یہاں تک کہ وہ عالم شباب میں پہنچ گیا۔ اور شباب کے زمانے میں اس میں مکمل طاقت و توانائی آئی۔ اس کے بعد جوں جوں اس کی عمر گزرتی گئی۔ اسی قدر اس کی طاقت کمزور ہوتی گئی۔ تا آنکہ انسان بوڑھا ہو کر اپنی طاقت و توانائی کو کھوتا گیا۔ اور اپنے ابتدائی زمانے کی طرف لوٹ گیا اور ایک کمزور بچے کی طرح ناتواں اور بے بس ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی شمع حیات گل ہو گئی۔ اور وہ اس طرح معدوم ہو گیا۔ جس طرح وہ پیدائش سے پہلے تھا "

حقیقت شناسی

قرآن کریم کا مقصد ان مختلف حالات اور مراحل زندگی کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ وہ انسان کو اسی کی اصل حقیقت سے روشناس کرائے۔ تاکہ خود شناسی اور خود آگاہی کے بعد وہ خدا شناسی کی طرف متوجہ ہو جائے اور وہ

سمجھے کہ اس کو پیدا کرنے والا اور پھر اس کو فنا کرنے والا صرف خدائے لم یزل ہے۔ جو تمام توانائیوں اور اختیارات کا سرچشمہ ہے۔ اس طرح وہ خدا کے وجود اور اس کی ہستی کا دل سے معترف ہوگا۔

وجود باری تعالیٰ کا معترف ہونے کے ساتھ ساتھ جب انسان مذکورہ بالا حقائق پر غور کرے گا اور اپنے آغاز وانجام کو پیش نظر رکھے گا تو وہ آپے سے باہر نہیں ہوگا۔ اور اپنی طاقت پر بے جا گھمنڈ نہیں کریگا۔ اس وقت وہ قوانین قدرت سے روگردانی اختیار نہیں کرے گا۔ بلکہ اپنی زندگی کو خدائی احکام وقوانین کے تابع بنانے گا۔ جو اس کا صحیح مقصد زندگی ہے۔

مذکورہ بالا آیات کے خلاصے میں انسانی زندگی کی ناپائیداری اور اس کی بے بسی کا اظہار کیا گیا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کا دوسرا روشن رخ بھی پیش کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ:۔

"درحقیقت ہم نے فرزندان آدم کو عزت بخشی ہے اور ان کو خشکی اور تری میں سواریاں دیں۔ ان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا فرمایا: اور ہم نے بہت سی ایسی چیزوں پر جو ہم نے پیدا کی ہیں۔ انہیں ایک طرح کی فضیلت عطا کی ہے۔" (بنی اسرائیل)

"اے انسان کیا تم نے یہ نہیں دیکھا ہے کہ اللہ نے ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں۔ تمہارے تابع بنا دیا ہے۔"

(سورۃ الحج)

دیگر آیات میں بھی بار بار انسان کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ وہ تمام کائنات کے مالک ہیں لہٰذا وہ ان تمام چیزوں سے حسبِ منشار کام لے سکتے ہیں۔

انسان کے لئے اس سے بڑھکر اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کے فرزندوں کو اپنا خلیفہ اور نائب بنایا۔ اس طرح نہ صرف تمام دوسری مخلوقات سے اسے افضل بنایا گیا۔ بلکہ اپنے مقرب فرشتوں میں بھی انہیں فضیلت عطا فرمائی اور فرشتوں سے بھی حضرت آدم کے لئے سجدہ کرایا گیا۔ جس کی تفصیل پہلے پارہ میں سورہ بقر کے چوتھے رکوع میں مذکور ہے۔

خلافتِ الٰہیہ کی اہمیت انسان کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بنا کر اس پہ بہت سی ذمہ داریاں عاید کی گئی ہیں۔

اس کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ خدائی قوانین پر عمل کرے بلکہ دوسروں کو بھی ان احکام پر عمل کرائے۔ چونکہ اسے منصب خلافت حاصل ہے۔ اس لئے اپنے مساوی یا ماتحتوں کے آگے جھکنا یا ان کی عبادت کرنا اس کے لئے باعث ذلت ہے۔ اسے خدائے واحد کے آگے جھکنا چاہیئے۔ اور اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔

منصب خلافت کا نظریہ اسلامی نظریہ حیات کی بنیاد ہے۔ اسی کے ذریعہ توحید و رسالت اور روز قیامت کے بنیادی عقائد ثابت ہوتے ہیں۔ جن کے اثرات انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی خوشگوار بنتے ہیں۔ انسان کی انفرادی زندگی پر اس کا خوشگوار اثر اسی صورت میں

نمودار ہوتا ہے کہ خلافت الہیٰ کا تصور کرتے ہوئے انسان ایک عظیم ذمہ داری کا احساس کرتا ہے اور وہ من مانی کارروائی نہیں کرتا۔ بلکہ ہر کام میں خداوند تعالیٰ کی رضامندی کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اور فرض شناسی و ذمہ داری کا یہ احساس اس میں وہ جذبہ پیدا کرتا ہے۔ جسے اسلام میں تقویٰ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایسا شخص اگر کسی کام میں برائی یا گناہ کا کوئی شائبہ محسوس کرتا ہے۔ تو وہ اس سے قطعی طور پر پرہیز کرتا ہے۔ لہٰذا اگر تمام دنیا کے انسان اس قسم کی ذمہ داری محسوس کرنے لگ جائیں۔ تو اس عالم خاکی میں کبھی جھگڑا اور فساد نہ ہو۔ اور تمام افراد امن و امان کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کریں۔ اسلامی تصور حیات کی بدولت ہی خودغرضی اور نفس پرستی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں کوئی انسان اپنے مفاد کیلئے کام نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ کام کرے گا۔ جس سے وہ خداوند تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکے۔

اسلامی نظریہ حیات، اجتماعی حیثیت سے بھی مفید ہے۔ کیونکہ یہ معاشرہ اور قوموں کی زندگی میں انقلاب برپا کر سکتا ہے۔ اس نظریہ کی رو سے، انسان تمام مخلوقات کو خدا کی رعایا سمجھتا ہے۔ اور کسی طبقہ۔ قوم یا نسل کو دوسرے طبقوں یا قوموں پر برتری اور فوقیت نہیں دیتا ہے۔ بلکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے ہر ملک کے باشندے فرزندان آدم ہیں اور گورے کو کالے پر۔ امیر کو غریب پر کوئی نسلی برتری حاصل نہیں ہے۔ اسلامی معاشرہ میں قومی۔ نسلی اور طبقاتی امتیازات نہیں ہیں۔ اسلام کسی

مخصوص نسل یا طبقہ کی برتری اور حکومت کا قائل نہیں ہے۔ اسلام میں اگر کسی چیز کو فوقیت حاصل ہے۔ تو وہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ جبکہ قرآنِ کریم میں مذکور ہے کہ :-

"اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ گناہوں سے بچتا ہو"   (الحجرات)

اندریں حالات اسلامی نظریۂ حیات، بادشاہی۔ جاگیرداری۔ پاپائیت اور آمریت کا خاتمہ کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ رنگ و نسل کے تعصبات اور قبائلی۔ قومی اور وطنی اختلافات کا بھی خاتمہ کرتا ہے۔

---

(۵)
کمیونزم وسوشلزم کے سبز باغ
اور
ان کے مہلک اثرات

از ــــــ منشی عبد الرحمٰن خان

اسلام دشمنی طلوع اسلام سے قبل سرزمین عرب میں یہودیوں کا طوطی بولتا تھا انہیں اپنی بدکرداریوں اور بداعمالیوں کے باوجود یقین تھا کہ نبی آخرالزماں بنی اسرائیل سے ہی پیدا ہوگا لیکن جس روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسماعیل میں پیدا ہوئے اور بنی اسرائیل سے یہ اعزاز نبوت چھین لیا گیا تو اس روز سے یہودیوں کے ہاں صف ماتم بچھ گئی اور انہوں نے مغرور ومتکبر اور نافرمان شیطان کی طرح عہد کر لیا کہ چونکہ ان سے یہ اعزاز خدا نے چھینا ہے۔ اس لئے وہ تازیست خدا۔ اس کے رسول مقبولؐ اور اس کے دین اسلام کے خلاف برسرپیکار رہیں گے اور دنیا میں خدا بیزاری اور اسلام دشمنی کی تحریک چلا کر مسلمانوں کو صراطِ مستقیم سے منحرف کرتے رہیں گے۔

اشتراکی اور سوشلسٹ نظام کی بنیاد یہودیوں کی اسی خدا دشمنی اور اسلام دشمنی پر رکھی گئی اور اس کی نشر واشاعت کے لئے بھی وہی طریق کار اپنایا گیا جو شیطان

مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے۔ یعنی وہ جس طرح مونس و ہمدرد بن کر سبز باغ دکھلا دکھلا کر انسان کو گمراہی کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے۔ کمیونسٹ اور سوشلسٹ بھی اس کی طرح کبھی مذہب کا لبادہ اوڑھ کر، کبھی ادب کی آڑ میں، کبھی عزت کے جال میں بیٹھ کر اور کبھی قرآن کریم کا نام لیکر لوگوں کو اس چابکدستی سے فریب دیتے ہیں اور سوشلزم کی یا کمیونزم کی دلدل میں پھنساتے ہیں کہ بڑے بڑے عالم اور پیران پارسا تک ان کے دام تزویر میں بآسانی پھنس جاتے ہیں۔

یہودی نظام | کمیونزم کا نظریہ دنیا کے سامنے سب سے پہلے مارکس نے پیش کیا۔ جو مذہباً یہودی تھا۔ اس نظریہ کو سوشلزم کا جامہ پہنانے والا لینن اور لینن کا جانشین اسٹالن بھی یہودی تھا۔ روس کا موجودہ سربراہ برژنیف بھی یہودی ہے۔ روس میں تمام مرکزی اور کلیدی عہدوں پر بھی یہودی فائز ہیں۔ یہودیوں کا عالمگیر سازشی منصوبہ جو پراٹوکول کے نام سے مشہور ہے اور جس کے مطابق یہودی اس وقت ہر جگہ تخریب کاری میں مصروف ہیں۔ روس میں ہی تیار ہوا تھا۔ جس پر ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے قبل پاکستان میں بھی عمل ہوتا رہا۔ روس دراصل ایک یہودی مملکت اور سوشلزم کی مرکزی تجربہ گاہ ہے۔ جہاں سے قریباً چھ سو سال سے دنیا میں سوشلزم پھیلانے اور اسلام کو مٹانے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کوشش کے باوجود روس میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ جس کی تصدیق خود سوویت یونین کے شائع کردہ اعداد و شمار سے ہوتی ہے۔ جو ۲۴ نومبر ۱۹۷۹ء کو ٹائمز لندن میں نقل ہوئے۔ ان کی رو سے:

" انڈونیشیا۔ پاکستان۔ بھارت اور بنگلہ دیش کے بعد سوویت یونین

دنیا کی پانچویں بڑی مسلم طاقت ہے۔ سوویٹ روس کی ۱۴ کروڑ کی
آبادی میں ساڑھے چار کروڑ سے پانچ کروڑ تک مسلمان آباد ہیں اور مسلمانوں
کی شرح پیدائش اتنی زیادہ ہے کہ اس صدی کے آخر تک ۱۵ کروڑ
روسیوں کے مقابلہ میں وہاں کم از کم ۱۰ کروڑ مسلمان ہوں گے"
اسی لئے اب روس میں سب سے زیادہ تعداد میں قرآن کریم چھاپے جا رہے ہیں۔
بلکہ اب پہلی دفعہ ۱۹۷۹ء میں روس کے آمر برژنیف کو خدا کا اقرار بھی کرنا پڑا
جب اس نے تخفیف اسلحہ کانفرنس کے اختتام پر امریکی صدر کارٹر کو کہا کہ ۔
"اگر اس منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچایا گیا تو پھر خدا ہمیں کبھی
معاف نہیں کرے گا"
اسے کہتے ہیں جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔ روسی خلا باز تو خلا کے چکر کاٹنے
کے باوجود خدا کو تلاش نہ کر سکے اور روسی آمر خود خدا کا واسطہ دے رہا تھا۔
برژنیف کی زبان سے خدا کا نام سن کر کارٹر ششدر رہ گیا۔ جو لوگ آج کمیونزم
اور سوشلزم کے گیت گاتے اور اس کے خواب دیکھتے ہیں۔ وہ دراصل یہودی طائفہ
سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور خدا کی گرفت سے خائف ہیں۔ جس کا وقت قریب
ہے اور جس کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے سامراجی طاقتوں
کا دماغی توازن بگڑ رہا ہے۔

سوشلسٹ نظام

مسلمہ طور پر یہودیوں کا ایمان روپیہ پیسہ ہے۔ انہوں
نے دنیا کی دولت اور سرمایہ پیدا کرنے والے وسائل
پر قبضہ کرنے کے لئے سوشلسٹ نظام حکومت رائج کیا۔ تاکہ کوئی شخص بھی بازاتی

حیثیت میں امیر یا دولتمند یا سرمایہ دارانہ رہے۔ بلکہ مملکت کی ساری دولت اور اس کے وسائل پیداوار "قومی ملکیت" میں لیکر حکومت کے قبضہ میں دیدیئے جائیں اور حکمران طبقہ خدا بن کر رعایا سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے اور اس کے بدلے اسے روٹی۔ کپڑا اور مکان دے۔ عوام ایک غلام اور قیدی کی حیثیت میں کام کریں۔ اپنے خداؤں یا آمروں کے خلاف لب کشائی سے احتراز کریں۔ جیسا کہ روس میں ہو رہا ہے۔ وہاں آزادی رائے اور آزادی فکر ایک سنگین اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔ حکمران طبقہ ملک کی ساری دولت سمیٹ کر خود عالی شان کوٹھیوں، بنگلوں اور محلوں میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے اور عوام سارا دن قیدیوں کی طرح کھیتوں اور کارخانوں میں کام کر کے اپنے حکام کے لئے دولت پیدا کرتے ہیں اور خود جھونپڑیوں میں رہتے ہیں۔ سوشلسٹ دنیا کو تو مساوات کا درس دیتے ہیں۔ مگر خود مساوات کے قریب نہیں جاتے۔ امیر حکام اور غریب عوام کے طبقات آج بھی روس اور دیگر سوشلسٹ ممالک میں موجود ہیں۔

وہاں بچوں کو پیدا ہوتے ہی والدین سے جدا کر لیا جاتا ہے۔ اور انہی لادینی تعلیم و تربیت کے لئے کمیونزم کی سرکاری درسگاہوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ جہاں انہیں خدا دشمنی اور اسلام دشمنی کے اسباق پڑھائے جاتے ہیں۔ وہ نہ صرف والدین کی محبت و شفقت سے محروم رہتے۔ بلکہ اکثر کو بڑے ہونے کے بعد یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کن کی اولاد ہیں اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں یا ان کے والدین کہاں رہتے ہیں۔ انہیں جوان ہوتے ہی قیدیوں کی طرح کھیتوں اور

کارخانوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ فصلِ نو سوشلزم کی اصل پیداوار تصور کی جاتی ہے روس کے علاوہ دیگر سوشلسٹ ممالک میں بھی قریباً قریباً یہی طریقِ کار رائج ہے۔

ثمرِ جنت ہمارے ہاں بھی سرخ جنت کے شیدائی ہر شعبہ زندگی میں ملتے ہیں۔ ان کے لئے وہ اربابِ علم و دانش نوشتہ دیوار کی حیثیت رکھتے ہیں جو اس جنت سے راہِ فرار اختیار کر کے آزاد دنیا میں پناہ لے رہے ہیں۔ حال ہی میں روسی سائنسدان، روسی سائنس اکیڈیمی کے ممتاز رکن اور لینن کے حفاظتی دستہ کے گارڈ کامریڈ آرنوشت کرلین نے کمیونسٹ پارٹی کے طور طریقوں اور وہاں کے جبر و تشدد سے تنگ آ کر روس سے راہِ فرار اختیار کر کے سویڈن میں پناہ لی اور اپنا پارٹی کارڈ روسی آمر مسٹر لیونڈ برژنیف کو واپس کرتے ہوئے روسی جنت سے نکلنے کی بابت ایک طویل خط لکھا جس میں دوسرے امور کے علاوہ یہ بھی لکھا کہ:۔

"سوویت یونین میں جو سوشلزم لایا گیا ہے۔ اسے صحیح معنوں میں اصل سوشلزم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ جہاں روس کے عوام کا خون پہلے بڑے بڑے سرمایہ دار اور زمیندار چوس رہے تھے۔ اب ان کا خون کمیونسٹ پارٹی کے بڑے بڑے عہدیدار چوس رہے ہیں۔ انہوں نے تمول اور دولت کے سمندر حاصل کر لئے اور ان میں غرق ہو چکے ہیں۔ ایسے افراد عوام سے بالکل الگ تھلگ ہیں اور وہ عوام کے مسائل اور پریشانیوں سے قطعاً بے خبر ہیں۔"

"روس میں جمہوری حکومت کا عشرِ عشیر تک نہیں ہے اور صرف

ان امیدواروں کو ووٹ دیکر کامیاب بنایا جاتا ہے۔ جن کی اوپر سے نشاندہی کی گئی ہو۔ روس میں کسی طرح کی سیاسی آزادی نہیں ہے۔ ہر قسم کی ہڑتالیں ممنوع ہیں اور مزدور تنظیمیں بھی حکومت کی مٹھی میں ہیں سیاسی بحث و مباحثہ کی اجازت نہیں۔ اخبارات اور تحریروں اور تصنیفات پر سنسرشپ عائد ہے اور نشریات میں شروع سے اخیر تک جھوٹ سے کام لیا جاتا ہے۔ روس میں بنیادی حقوق کو بری طرح پامال کیا جارہا ہے۔ جو افراد حکمران طبقہ سے اختلاف رکھتے ہیں اور اس کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں۔ انہیں نظر بند والے کیمپوں یا جیلوں میں ساری عمر سڑنا پڑتا ہے یا انہیں دماغی مریض قرار دیکر نفسیاتی امراض کے ہسپتالوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ بعض افراد کو اس لئے اذیت ناک سزائیں دی جاتی ہیں کہ وہ مذہبی عقائد رکھتے ہیں"۔

"سوویت روس بنے ساٹھ سال گزر چکے ہیں۔ مگر دانشوروں کو کسی طرح کی آزادی حاصل نہیں ہے۔ حتیٰ کہ فنکاروں کو بھی تخلیقی عمل کی آزادی نہیں ہے"۔

"انسان کو سب سے زیادہ جس نعمت کی ضرورت ہے۔ وہ آزادیٔ تحریر و تقریر ہے۔ اسے اپنی مرضی اور خواہش کا آزادانہ اظہار کر سکنے کا حق حاصل ہونا چاہیئے۔ اور وہ جہاں چاہے اور جب چاہے جا سکنے کی آزادی رکھتا ہو۔ مگر ہم سٹالن کے دور کی طرح بدستور مجبور اور محکوم چلے آرہے ہیں۔ ہم سنسرشپ کے خوف سے اپنے خطوط

میں بھی اپنے دل کی بات نہیں لکھ سکتے۔ ہم دوستوں سے بھی ڈرتے ہیں اور الگ تھلگ رہتے ہیں۔

"کیا یہ ظلم نہیں ہے کہ والدین سے ان کے بچے تک چھین لیے جائیں اور ایک کنبے کو دوسرے کنبے کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق نہ رہنے دیا جائے؟ اگر کسی اور کنبے کے افراد سے ملنا ہو تو اجازت حاصل کی جائے ہم ایسی فضا میں کب تک رہ سکیں گے؟"

یہ خط امریکی جریدہ "ٹائمز" میں اور اس کی تلخیص و ترجمہ ماہ مئی ۱۹۷۵ء کے پاکستان کے اردو جرائد میں شائع ہوا۔

کیوبا کا حشر کیوبا میں فائیڈل کاسترو نے سوشلزم کی بنیادیں استوار کیں۔ اس نے برسرِ اقتدار آتے ہی سب سے پہلے خالق کائنات اور مذہبی عقائد کو بیک جنبش قلم ملک بدر کیا۔ وہاں کے روح رواں کیتھولک چرچوں کو تالے لگوا دیئے۔ کیونکہ اس کے نزدیک میکسم گورکی کے الفاظ میں "خدا کی تلاش بیکار شغل ہے"۔ مساوات اور سوشلزم کی قیود و حدود نے وہاں کے عوام کی زندگی بے کیف اور اجیرن بنا دی۔ رہائش، خوراک اور اولاد کی پرورش کی بنیادی سہولتوں سے انہیں محروم کر دیا گیا۔ کیونکہ ان کا اہتمام اب تمام تر سوشلسٹ حکومت کے ہاتھ میں ہے۔ جہاں :-

- رہائش کے لیے ہر قسم عوام کو فلیٹ مہیا کیے جاتے ہیں۔ فلیٹ کے حصول کے لیے وہاں عمر دوام درکار ہے۔ درخواست گزاروں کو اعصاب شکن انتظار کئی کئی برس کرنی پڑتی ہے۔ تب جا کر ایک

مختصر سا فلیٹ دستیاب ہوتا ہے۔

بجلی اور پانی کی سہولت شاذ ہی میسر آتی ہے۔ اگر آ بھی جائے۔ تو کسی قسم کی خرابی کے لیے پھر درخواست دینی پڑتی ہے۔ اور متعلقہ محکمہ باری آنے پر مرمت یا درستگی کرتا ہے۔ کیونکہ وہاں مرمت کی پرائیویٹ سہولتوں کا کوئی تصور ہی نہیں جو کچھ ہے۔ سرکار کا ہے۔ اور سرکاری کام سرکاری اوقات میں باری آنے پر ہوتے ہیں۔ اس طریق کار سے عوام اور ملازم سب دوچار ہیں اور ہمہ وقت گریہ وزاری کرتے رہتے ہیں۔

روٹی کا مسئلہ جس کے لیے محنت مشقت کی جاتی ہے۔ اس عقل محدود میں سمانے کیلئے تیار نہیں۔ روٹی۔ گوشت۔ ترکاری۔ گروسری وغیرہ ہر چیز کا راشن کارڈ علیحدہ ہے۔ آپ ایک تنکا بھی اپنی مرضی سے نہیں خرید سکتے۔ دفتروں۔ گراجوں۔ کارخانوں سے شفٹ ختم کرنے کے بعد لاتمناہی طویل قطاروں میں قطار اندر قطار جنرل اسٹوروں۔ ہوٹلوں۔ اور اشیار خوردنی کی دکانوں کے سامنے لوگ کھڑے ہوتے ہیں۔ کئی کئی گھنٹوں کے بعد باری آتی ہے۔ تب کچھ پلے پڑتا ہے۔ راشن لینے کے بعد پھر وہ کہیں جانے کے نہیں رہتے۔

مستورات کو سرخی۔ پاوڈر اور خوشبو کے بغیر ہی گزر اوقات کرنی پڑتی ہے۔ یہاں تک کہ زیرِ جامہ کو بھی فضول خرچی میں شمار کیا جاتا ہے۔ جس کی قیمت اس قدر ہوتی ہے کہ کوئی اس شے کے خریدنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

سوشلزم میں صرف ایک آزادی ہے کہ مرد و عورت کے غیر ازدواجی اختلاط پر کوئی پابندی نہیں۔ جس کی وجہ سے وہاں حرامی بچے بکثرت پیدا ہو رہے ہیں۔ جن کی پرورش خود حکومت کرتی ہے۔ جہاں طبعی اور اخلاقی قدریں کبھی پروان نہیں چڑھ سکتیں۔

وہاں شادیوں کا تصور ختم کر دیا گیا ہے۔ کنبہ داری کا وجود ہی نہیں رہنے دیا گیا تاکہ یہ باہم مل بیٹھ کر کچھ سوچ ہی نہ سکیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حرامی بچے بکثرت پیدا ہو کر شتر بے مہار بننے لگے۔ جس پر حکومت کو مجبوراً شادی کی رغبت دلانے کے لیے، شادی کا راشن جاری کرنا پڑا۔ جس میں ہر شادی کرنے والی لڑکی کو ایک زیر جامہ۔ لباس شب خوابی ہونٹوں کی سرخی۔ خوشبودار رومال اور لڑکے کو شب خوابی کا لباس مزید ایک پتلون قمیض اور تولیہ دیا جاتا ہے۔ جس کی ہمارے ہاں کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ مگر سوشلسٹ حکومت میں اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لالچ میں نوجوانوں نے شادیاں شروع کر دیں مگر ازدواجی زندگی کا وہاں کوئی تصور موجود نہ ہونے کی وجہ سے جلد جلد طلاقیں ہونی شروع ہو گئیں۔ جس پر کاسترو حکومت نے راشن پر یہ پابندی لگا دی کہ کم از کم ازدواجی وقفہ چھ ماہ کی مدت سے کم ہوا تو شادی کرنے والے راشن کے حقدار نہ ہوں گے۔

چونکہ روس کے اندرونی حالات باہر کی دنیا تک پہنچانے پر پابندی ہے اور باہر کے لوگوں کو روس ایسے سوشلسٹ ممالک کے اندر آزادانہ جانے اور چلنے

چھرنے کی آزادی نہیں ہے۔ اس لئے بیرونی دنیا کے کمیونسٹ اور سوشلسٹ ان کے نعروں پر خوش ہو کر اپنا دین و ایمان گنوا رہے ہیں اور اپنی آخرت خراب کر رہے ہیں۔

جنسی آزادی

اشتراکی دنیا میں بالعموم اور سوشلزم کی مرکزی تجربہ گاہ روس میں صرف جنسی آزادی عام ہے۔ جو دوسرے ملکوں میں کمیاب ہے۔ کیونکہ کامریڈ لینن نے کہا تھا کہ :-

" ہر وہ چیز اخلاقاً جائز ہے۔ جو قدیم اجتماعی نظم کو ہٹانے اور محنت کش عوام کو ایک کرنے کے لئے ضروری ہے "

اسی لئے سوویت روس میں حکومت نے آزاد جنسی زندگی کی کھلی اجازت دے دی اور ایک عورت اور مرد اپنی خوشی سے جتنی مدت چاہیں۔ آزاد زندگی گزارنے کے مجاز ہو گئے۔ نہ رائے عامہ ان کی راہ میں رکاوٹ رہی۔ نہ حکومت ان پر معترض رہی۔ نامور بالشویک انٹیون نیمی اوف اپنی کتاب میں لکھتا ہے :-

" مزدوروں میں صنفی انارکی عالمگیر ہو گئی ہے اور شہوانیت کا یہ طوفان اشتراکی معاشرہ کے اونچے طبقے سے لیکر نچلے طبقہ تک سب پر چھایا ہوا ہے " (اشتراکیت کی تجربہ گاہیں ص ۱۶۹)

جب وہاں اس آزادی پر ضابطہ تعزیرات کے مرتبین نے بھائی اور بہن کے ازدواجی تعلق کو خلافِ قانون قرار دینے کے متعلق مختلف ماہرینِ طب و نفسیات سے مشورے طلب کئے تو انہوں نے متفقہ فیصلہ دیا کہ :-

" تاریخی، نسلی اور طبّی لحاظ سے بہن بھائی کا ازدواج نہ ہی صحت عامہ کے لئے ضرر رساں ہے اور نہ آئندہ نسلوں کیلئے نقصان دہ ہے "

اس قسم کا ازدواج روسی قانونی تعزیرات میں کوئی جرم نہیں ہے۔ اسی طرح مرد اور مرد کے مابین ہم جنسی عرصہ دراز سے سوویت روس کی قانونی گرفت سے آزاد کردی گئی ہے۔ جنسی انارکی پھیلانے میں وہاں کی مخلوط درسگاہوں کا بھی برابر کا حصہ ہے۔ معروف اشتراکی مصنف پیٹ سلون اپنی ایک ممتاز تصنیف میں لکھتا ہے کہ :-

"یونیورسٹیوں اور اسکولوں میں مرد اور عورتیں یکجا تعلیم پاتے ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں ایک ہی ہوسٹل میں ایک ہی کمرہ میں یکجا رہتے ہیں۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں دونوں صنفیں پوری آزادی سے ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ ان پر کوئی نگران و نگہدار نہیں ہوتے۔ کوئی سرپرست اور اتالیق نہیں ہوتے۔ آزادی سے ہر موقعہ و محل پر وہ ایک دوسرے کے کمروں میں آتے جاتے ہیں۔ اکٹھے پڑھتے ہیں۔ چائے اڑاتے ہیں۔ دوستی گانٹھتے ہیں۔ محبت اور آزاد جنسی ملاپ کرتے ہیں۔ اگر کسی ساتھی طالب علم کی نوازشوں سے یا کسی باہر والے کی مہربانی سے کسی لڑکی کا بچہ پیدا ہوگیا۔ تو طلبا اور فیکلٹی اسے درست نظر سے دیکھتی ہے ان کی نظر میں اس نے کوئی اخلاقی گناہ نہیں کیا۔"

(اشتراکیت کی تجربہ گاہیں ص ۱۷۲-۱۷۱)

ہمارا ہوس پرست طبقہ اسی جنسی آزادی کی خاطر اشتراکیت اور سوشلزم کا شیدائی ہے اور ایشیا کو سرخ دیکھنا چاہتا ہے۔

کمیونسٹوں کے عزائم | کمیونزم اور سوشلزم حالاتِ زمانہ کے مطابق پہلو

بدلتے رہتے ہیں۔ خدا دشمنی اور دین بیزاری کی مارکسی تحریک نے مغرب میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کرنے کے بعد جب مشرق کا رخ کیا تو اسے یہاں لامذہبیت کی دال بآسانی گلتی نظر نہ آئی۔ اس لیے اس نے مذہب کی آڑ میں معاشی اور اقتصادی بنیادوں پر پاؤں پھیلانے شروع کیے جس کا نتیجہ انقلابِ روس کی شکل میں نکلا اور اسے سوشلزم کی مرکزی تجربہ گاہ بنا دیا گیا۔ سوشلزم کی حکمرانی اور اس کے استحکام کے لیے ۱۹۱۷ء میں جو اولین اقدامات کیے گئے ان میں کامریڈ لینن، زارِ روس سے بیزار مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن مارشل سٹالن کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد مارکس کی فلسفیانہ تحریک جارحانہ صورت اختیار کر گئی اور اس میں ملک گیری کی ہوس اتنی بڑھی کہ اس نے مسلم ریاستوں کو ۱۹۲۰ء میں کچل کر رکھ دیا۔ روس ایسے وسیع ملک کے ہاتھ میں آ جانے کے بعد، یہودی ایک قوت و طاقت کی شکل اختیار کر گئے۔ اور انہوں نے دنیا پر قبضہ کرنے کے لیے پوری طاقت و توانائی کے ساتھ ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ دوسری جنگ عظیم کے نتیجہ نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اس میں فتح پانے کے بعد یہودی سیاسی بنیادوں پر کمیونزم اور سوشلزم کی آڑ میں حصولِ اقتدار اور توسیعِ مملکت کے لیے زندگی کے میدان میں نکل آئے۔ یہودیوں نے نو آباد امریکہ کی دولت اور پریس پر قبضہ کر کے ایوانِ اقتدار میں اپنی اکثریت پیدا کر لی۔ اس طرح انہوں نے مشرق و مغرب میں طاقتور بازو پھیلا کر اسلامی ممالک کے دل فلسطین میں خنجر گھونپ کر مسلمانوں کے قبلہ اوّل پر تسلط جما لیا۔ روس سوشلسٹ اور امریکہ سرمایہ دار ہے۔ مگر دونوں طرف عنانِ اقتدار یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اگرچہ روس

اور امریکہ کے مفادات الگ الگ ہیں۔ مگر اسلام دشمنی میں وہ یک جان و دو قالب ہیں اور عالم اسلام کو غلام بنا کر اس کے پٹرول کی دولت ہتھیانے کے درپے ہیں۔ اور اسی غرض کے لئے گزشتہ سال تخفیف اسلحہ کانفرنس کے بہانے روس کے مسٹر برژنیف اور امریکہ کے صدر کارٹر نے عالم اسلام کو باہمی تقسیم کرنے کے صلاح مشورے کئے۔ اور اب دونوں عالم اسلام کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔

کمیونسٹوں کا طریق کار

شیطان کا کام انسان کو سبز باغ دکھلانا اور دھوکا و فریب سے جہنم پہنچانا ہے۔ یہود بھی اخوان الشیاطین میں سے ہیں۔ جنہیں قرآن کریم نے مفسد قرار دیا ہے۔ جو عالم اسلام میں تخریب کاری کے لئے معاشی منصوبوں کی بنیاد پر مشیروں کی شکل میں اپنے تخریب کار بھیج کر قدم جمانے کے لئے زمین ہموار کرتے ہیں۔ کفر و الحاد کے جراثیم پھیلاتے ہیں۔ اخلاقی انارکی کا بلطائف الحیل بیج بوتے ہیں اور وہاں کے ادیبوں۔ شاعروں کو سستے داموں خریدکر ان کے ذریعہ اپنے لئے ساز گار فضا پیدا کرتے ہیں۔ اور خفیہ ریشہ دوانیوں کے ذریعہ اپنا الو سیدھا کرتے رہتے ہیں۔ یہ گنگا گئے تو گنگارام اور جمنا گئے تو جمنا داس بن جاتے ہیں۔ عربوں میں مدتوں یہ عرب سوشلزم کا پرچار کرتے رہے۔ ایران میں اسلامی مارکسزم کی تحریک چلاتے رہے۔ جب وہاں کی کمیونسٹ تودہ پارٹی کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ تو انہوں نے مذہبی لباس بدل لیا۔ اور اسلامی انقلاب لانے والوں میں شامل ہوگئے۔ پاکستان کمیونسٹ پارٹی خلاف قانون قرار پائی تو یہ ترقی پسند بن کر رائٹرز گلڈ کے زینہ سے ایوانِ اقتدار میں پہنچ گئے اور ثقافتی مشیر بن کر پاکستان

میں راگ و رنگ کے ذریعہ اسلام کے خلاف محاذ بنا لیا۔ فحش لٹریچر اور فلموں کے ذریعہ پاکستان میں بے حیائی، جنسی انارکی پھیلانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ روٹی، کپڑا مکان کا فرعونی نعرہ لگوا کر ملک میں ایسا انتشار پھیلایا کہ ماضی کے رفیق ہمیشہ کے لئے رقیب بن گئے۔ ادارہ اور رسالہ "طلوع اسلام" کے ذریعہ سوشلزم کے لئے زمین ہموار کرنے کے لئے "قرآنی نظام ربوبیت" کی تحریک شروع کرائی گئی اور اس کے داعی سے یہ فتویٰ دلوا کر علماء اسلام اور شعائر اسلام کے خلاف نفرت پھیلائی گئی کہ :-

"جب تک دین کی باگ مولوی کے ہاتھ میں ہے۔ صدقات نکلتے رہیں گے۔ زکواۃ دی جاتی رہے گی۔ قربانیاں ہوتی رہیں گی۔ لوگ حج بھی کرتے رہیں گے اور قوم بدستور بے گھر۔ بے در۔ بھوکی ننگی۔ اسلام کے ماتھے پر کلنک کے ٹیکے کا موجب بنی رہے گی۔" (قرآنی فیصلے صد ۵۲)

اس تحریک کے بانی سے یہ فتویٰ دلایا گیا کہ :-

"ہزار برس سے یہ قوم بظاہر قرآن کو سینے سے لگائے پھر رہی ہے۔ لیکن اس قرآن سے انہیں سوائے ضلالت و خسران کے اور کچھ نصیب نہیں ہوتا۔" (اسباب زوال امت صد ۱۰۹)

مذہب بیزاری کے سلسلہ میں لینن نے حکم دیا تھا کہ :-

"نفس مذہب کے خلاف جنگ کرنا ہر اشتراکی کے لئے ضروری ہے تا آنکہ دنیا سے مذہب کا وجود ہی مٹ جائے۔" (دلیر منتقلی دسمبر ۱۹۲۶ء)

مگر اسلامی ممالک کے اندر اشتراکیت کا جال پھیلانے کے لئے لینن نے یہ شرط لگا دی کہ :-

"ہمیں اپنی تحریک چلانے کے لئے مشرق میں مذہب کے دروازے سے داخل ہونا چاہیئے" (سوشلسٹ علماء کا کردار صہ۹)

پاکستان میں کمیونسٹوں کے سرپرست مسٹر بھٹو وزیر اعظم پاکستان نے بھی ۱۷ اپریل ۱۹۶۹ء کو پیپلز پارٹی کے دفتر واقع لاہور میں اپنے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کھلے لفظوں میں اعلان کیا تھا کہ :-

"ہمیں ایک مدت تک اسلام کا نقاب اوڑھ کر سوشلزم کے واسطے زمین ہموار کرنا ہوگی" (ہفت روزہ چٹان صہ۲، ۹ جون ۱۹۶۹ء)

پاکستان کے سوشلسٹ آمر مسٹر بھٹو کا سرکاری ماٹو بھی یہی تھا کہ :-

"ہمارا مذہب اسلام۔ ہمارا سیاسی نظام جمہوریت اور ہمارا معاشی پروگرام سوشلزم ہے"

دنیا میں قرآنی نظام ربوبیت پھیلانے والے، تحریک طلوعِ اسلام کے داعی مسٹر پرویز نے اہلِ پاکستان کو لینن کی تائید میں یہ مشورہ دیا کہ :-

"اگر مسلمان مزید ذلت و خواری سے بچنا چاہتا ہے۔ تو اسے بہر حال مذہب کو چھوڑنا ہوگا" (ماہنامہ طلوعِ اسلام فروری ۱۹۵۶ء صہ۴۹)

کمیونسٹوں کی فریب کاری

جس طریقہ سے پاکستان میں قرآن۔ اسلام اور دین کے نام پر اشتراکی لٹریچر پھیلا کر اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے اندر اشتراکیت کی داغ بیل ڈالی جا رہی ہے۔ روسی ترکستان کے اندر بھی یہی ڈرامہ کھیل کر اسلامی ریاستوں کا خاتمہ کیا گیا تھا۔ وہاں اشتراکیوں نے مبلغِ اسلام اور داعی دین بن

کر مسلمانوں کو یوں دھوکا اور فریب دیا کہ اسلام ہی تو وہ دین ہے۔ جو معاشی مساوات کا علمبردار۔ غریبی۔ امیری کا فرق مٹانے والا اور جبر و استحصال کا خاتمہ کرنے والا ہے۔ اسی لئے نبی آخرالزمان کو بھیجا گیا کہ وہ معاشرے سے معاشی اور سیاسی ظلم مٹا دیں۔ وہ اس امر کا بڑے زور شور سے پروپاگنڈہ کرتے رہے کہ :-

"کمیونزم محض ایک اقتصادی نظام ہے۔ جو سرمایہ داری کا خاتمہ کرکے خلقِ خدا کو اقتصادی بدحالی سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ اور قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ زائد از ضرورت دولت غریبوں میں تقسیم کرکے اقتصادی طور پر مساوات قائم کرو"

وہ اس کی تائید میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی زاہدانہ زندگی اور ان کے مجتہدانہ نظریہ کو پیش کرتے۔ جس کی بناء پر وہ روسی ترکستان کے مشہور افغانی پیر سید جلال الدین سے یہ فتویٰ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ :-

"سوشلزم اور کمیونزم کا تعلق صرف مال و دولت کی مساوی تقسیم سے ہے۔ مذہب سے اس کا کوئی تعلق یا واسطہ نہیں"

بلکہ انہوں نے اشتراکیوں کے فریب میں آکر یہاں تک کہدیا کہ :-

"سوشلزم ایسا نظام ہے۔ جو انسان کو دنیا میں ہی اعلیٰ علیین (جنت) میں پہنچا دیتا ہے" (سوشلسٹ علماء کا کردار ص ۲۳)

وہ سمرقند و بخارا کے علماء کو فریب دے کر ان سے یہ فتویٰ لینے میں کامیاب ہو گئے کہ :-

"مالک زمین کو اپنی زمین خود کاشت کرنی چاہیئے۔ اگر وہ خود کاشت نہیں کرسکتا تو پھر اس کو شرعاً اپنی اراضی سے دستبردار ہو جانا چاہیئے

اس لئے سوویت روس کی جانب سے جو اقدامات غریب لوگوں
میں زمین تقسیم کرنے کے بارے میں کئے جا رہے ہیں ۔ وہ قرآن و حدیث
کے عین مطابق ہیں اور قانونِ شریعت کی رو سے زمین والوں سے
زمینیں چھین لینا حق ہے " (صبح سمرقند صہ۱۸۰)

اشتراکی اس طرح بعض علماء سوء کو فریب دے کر ان سے غلط فتوے اس لئے
لے رہے تھے کہ علماء حق ان کی مخالفت اور تردید کریں گے ۔ جس پر انہیں تہ تیغ کرنے
کا جواز پیدا ہو جائے گا ۔ اس سلسلہ میں کمیونسٹوں نے عجلت سے کام نہ لیا بلکہ
مرکز کی ہدایات پر عمل پیرا رہے ۔ جو شا کو نٹز لکھتا ہے کہ :-

" پیروں اور ملاؤں کی بیخ کنی کے لئے سوویت ذمہ دار ارکان صبر
اور بردباری سے کام لے رہے تھے ۔ اور مناسب وقت کی انتظار میں
تھے " (DAWN - our summer Kund P-179)

اس پالیسی کے تحت علماء حق کی بیخ کنی کی مہم اس وقت تیز کر دی گئی ۔ جب وہاں
کے علماء حق نے سوشلزم کی مخالفت کی اور انہوں نے اعلان کیا کہ :-

" ہم مسلمان زرعی اصلاحات کے تصور کو کسی طرح قبول نہیں کر سکتے ۔ قرآن
کریم نے یہ بات اچھی طرح واضح کر دی ہے کہ ہم کسی ایسی چیز پر قبضہ
نہیں کر سکتے جو ہماری ملکیت نہیں ہے ۔ حکومت غریب کسانوں میں
زمین تقسیم کرنے والی ہے ۔ لیکن جو زمین وہ تقسیم کرے گی ۔ وہ شرعاً
اس کی ملکیت نہیں ہے ۔ بلکہ وہ دوسروں کی زمین پر ناجائز قبضہ
کرے گی ۔ اس لئے ہمیں کمیونسٹوں کے تحریکی اجتماعات اور دوسروں

کی زمین اور جائدادوں کی تقسیم میں شریک نہیں ہونا چاہیئے "۔

(سرگزشت شیخ الاسلام چین صد ۸۴)

اس کے بعد جگہ جگہ علمار اسلام اور دیندار لوگوں کا جو حشر کیا گیا۔ اس کی تفصیل "سمرقند و بخارا کی خونیں سرگزشت" میں عرصہ سے منظر عام پر آچکی ہے۔

یہی ڈرامہ مصر میں کھیلا گیا۔ وہاں سوشلسٹ تحریک کے ذریعہ صدر ناصر سے سوشلسٹ قوانین نافذ کرائے گئے۔ ۲۳ جولائی ۱۹۶۱ء کو صدر ناصر نے سوشلسٹ قوانین کے اجرار کے اعلان کے ساتھ علمار ازہر کو ان کے خلاف فتویٰ جاری کرنے سے حکماً روک دیا اور خود ہی یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ:۔

" سیدنا محمد نے جو ریاست قائم کی تھی۔ وہ پہلی سوشلسٹ اسٹیٹ تھی "۔

(التضلیل الاشتراکی صد ۱۰۱)

اخوان المسلمین نے جب سوشلسٹ قوانین کے خلاف آوازِ حق بلند کی تو صدر ناصر نے اس تنظیم کے مقتدر رہنماؤں کو چن چن کر تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ اور فدایانِ اسلام کو جیلوں میں ٹھونس کر انہیں ایسی شرمناک اور اذیت ناک سزائیں دیں کہ ان کی تفصیل پڑھنے سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مسٹر بھٹو نے بھی اپنے دورِ اقتدار میں بھٹوازم کی تائید نہ کرنے والے رہنمایانِ قوم کی تذلیل و تحقیر کے لئے ان سے ڈنڈے۔ گنڈے اور ٹھنڈے کے ذریعہ ایسا انسانیت سوز سلوک روا رکھا۔ جس نے جبر و تشدد کے سب سابقہ ریکارڈ مات کر دیئے۔

سوشلزم کا بنیادی اصول سوشلزم کا بنیادی اصول جس کی بنا پر مسلمانوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ اور دھوکا دیا جاتا ہے۔

تقسیم دولت کی مساوات کا اصول ہے۔ جس کا تعین کامریڈ لینن نے یوں کیا۔

”ہر ایک سے اس کی صلاحیت کے مطابق کام لیا جائے۔ اور اس کے کام کے مطابق اسے معاوضہ دیا جائے“۔

بالفاظ دیگر دولت اور محنت میں مساوات قائم کی جائے۔ کارخانہ دار اور جاگیردار کو مزدور اور مزارعہ کی سطح پر لا کر اس کی محنت کے مطابق اسے اجرت دی جائے۔ پیداوار اور ملک کی بقیہ ساری دولت اربابِ اقتدار کی تحویل میں دیدی جائے سوشلسٹ اپنے اس استحصال کو اسلامی مساوات کا نام دیتے ہیں۔ حالانکہ اسلام ملک کے پیداواری ذرائع اور ان کے منافع پر اربابِ اقتدار کا حق قائم نہیں کرتا۔ بلکہ ازراہِ مواسات یعنی انسانی ہمدردی اور بھائی چارہ کے طور پر محنت سے پیدا کردہ دولت اور سرمایہ میں حاجتمندوں اور ناداروں کو بھی شریک کرتا ہے۔ جو بوجہ ناداری، بیماری یا معذوری، پیدائشِ دولت میں ازراہِ محنت حصہ نہیں لے سکے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:۔

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ اور ان کے مالوں میں (حاجتمند) سائل اور محروم (محنت) کا ایک حق ہے۔ (الذاریات)

یہاں تک کہ اسلام اتنا بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ آپ پیٹ بھر کر سوئیں اور آپ کا ہمسایہ بھوکا رہے۔ جس سے سوشلسٹ اور اسلامی مساوات کا فرق خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔

آئینِ پاکستان میں سوشلسٹ اصول

آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ ایشیا کو سرخ دیکھنے والے

مسٹر بھٹو نے اپنے کمیونسٹ مشیروں کے تقاضے پر آئینِ پاکستان ۱۹۷۳ء میں ہی ایسی چابکدستی سے سوشلسٹ نظام کے بنیادی اصول سمو دیئے کہ بڑے بڑے ماہر قانون بھی اس کی اس تلبیس کی تہہ تک نہ پہنچ سکے اور خواستہ و ناخواستہ مسٹر بھٹو کے آنکھیں دکھانے پر اس آئین کی ارکانِ اسمبلی نے منظوری دیدی اور مدتوں یہ ڈھول پٹتا رہا کہ یہ متفقہ آئین ہے اور اسلامی آئین ہے۔ مگر جب اس کا بغور مطالعہ کیا گیا۔ تو اس میں سوشلزم کے بنیادی اصول اس طرح سجائے گئے تھے۔ جیسے انگشتری میں نگینے۔ آئین پاکستان کی دفعہ-۲ میں اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس آئین کی دفعہ-۳ میں پاکستان کے اندر سوشلسٹ نظامِ حکومت رائج کرنے کے لئے سوشلزم کے بانی لینن کا اصول، لینن کے الفاظ میں نہایت معصومانہ انداز میں یوں سمو دیا گیا کہ ریاست تمام اقسام کا استحصال ختم کر دے گی اور بتدریج اس بنیادی اصول کو اپنائے گی کہ:-

"ہر ایک سے اس کی قابلیت کے مطابق کام لو اور ہر ایک کو اس کے کام کے مطابق معاوضہ دو" (دفعہ-۳ آئینِ پاکستان)

سوشلزم کے اسی بنیادی اصول کے تحت مسٹر بھٹو نے زرعی اصلاحات میں ترمیم کے ذریعہ مزید اراضی حاصل کر کے تقسیم کی اور کارخانوں وغیرہ کو قومی تحویل میں لے لیا۔ ان کی آمدنی کا مقررہ حصہ ایک مخصوص فنڈ میں بھیج دیا جاتا۔ کچھ ہیر پھیر کی نذر ہو جاتا۔ کیونکہ آجکل لوگ اپنی ملکیہ اشیار کو نقصان سے بچانے اور ان کی حفاظت کرنے میں جتنی دلچسپی لیتے ہیں اتنی دلچسپی قومی یا سرکاری اشیار کی حفاظت

یا انہیں نقصان سے بچانے کے لئے نہیں لیتے ۔ بلکہ خود امانت میں خیانت کرنے لگتے ہیں ۔ اسی لئے قومی تحویل میں لئے گئے ۔ بعض کارخانوں کی پیداوار میں کمی آگئی ۔ لاگت بڑھ گئی ۔ خالص منافع کی جگہ خسارے نے لے لی اور کئی کارخانے بند ہو گئے ۔

پچھلے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ روس کیوبا اور دیگر سوشلسٹ ممالک میں سوشلسٹوں کی فصل تیار کرنے کے لئے جونہی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے ۔ اسے سوشلزم کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے سرکاری تحویل میں لے لیا جاتا ہے ۔ ماں باپ سے جدا کرنے کے بعد اسے سوشلسٹ تربیت گاہوں میں بھیج دیا جاتا ہے ۔ جب وہ پکا سوشلسٹ بن جاتا ہے تو پھر اسے کارخانوں اور کھیتوں میں کام پر لگا دیا جاتا ہے اور اسے کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ اس کے والدین کون ہیں اور کہاں ہیں ۔ پاکستان میں اسی سوشلسٹ اصول کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ، آئین پاکستان کی دفعہ ۲۵-۲۶ اور ۲۵ میں اہتمام کیا گیا ۔ جیسا کہ ان کے الفاظ سے عیاں ہے :-

دفعہ ۲۵ (۳) " اس آرٹیکل کا کوئی حصہ ریاست کو بچوں و عورتوں کی حفاظت کے لئے کوئی خصوصی اقدام کرنے کی ممانعت نہیں کرے گا "

دفعہ ۲۶ (۲) " شق نمبر ا کا کوئی حصہ عورتوں یا بچوں کے لئے ریاست کی جانب سے خصوصی توجہ دینے کی مخالفت نہیں کرے گا "

دفعہ ۲۵ ۔ " ریاست شادی اور خاندان جیسے اداروں کا تحفظ اور ماں و بچہ کی نگہداشت کرے گی "

ان دفعات کی حقیقت ، کمیونزم یا سوشلزم پر کتابیں پڑھنے سے سمجھ نہیں آسکتی ۔ بلکہ ان کی تہ میں پوشیدہ مقاصد تک رسائی حاصل کرنے کے لئے سوشلسٹ

ممالک کے اندر جاکر یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ وہاں ان پر عملدرآمد کیسے ہو رہا ہے ۔ جس کی تفصیل شروع میں " سرخ جنت " کے زیر عنوان روسی سائنسدان آرلوشت کولمین کے " فرارنامہ " میں آپ ابھی پڑھ چکے ہیں ۔ اگر مسٹر بھٹو برسرِ اقتدار رہتے تو ایک دن ہم سے بھی " خصوصی اقدام " " خصوصی توجہ " کے تحت بچے چھین کر سرکاری " نگہداشت " کے اداروں کے سپرد کر دیئے جاتے ۔ اور ہمارے آئین کی یہ دفعات ہمیں بے بس اور مہر بلب رکھتیں یہ تو خدا کا فضل ہوا کہ اس نے اس سوشلسٹ آمر کو واپس بلا لیا ۔ اور نظامِ حکومت بدل دیا ۔ ورنہ اب تک یہاں سوشلزم کی خلیج بہت حد تک وسیع ہو چکی ہوتی ۔ آئین کی ان بھول بھلیوں کو وہی بآسانی سمجھ سکتا ہے ۔ جس نے سوشلسٹ نظام کا بغور مطالعہ کیا ہو یا روس کے اندر جاکر بچشم خود ان دفعات پر عملدرآمد ہوتا دیکھا ہو ۔ ورنہ بادی النظر میں کوئی ان کی تہ کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ پہنچا ۔

آزادیِ تحریر و تقریر آزادیِ تحریر و تقریر جو مغربی اور مشرقی جمہوری ممالک میں نظر آتی ہے ۔ سوشلسٹ روس میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ وہاں کوئی حزبِ اختلاف نہیں ۔ سوائے کمیونسٹ پارٹی کے کوئی دوسری انجمن یا سوسائٹی نہیں ۔ سوائے سرکاری ترجمانوں کے کوئی پبلک اخبار نہیں ۔ وہاں جان کے خوف سے نظامِ حکومت یا افرادِ حکومت پر نہ صرف گھر کے باہر بلکہ گھر کے اندر بھی تنقید یا لب کشائی کی بڑے سے بڑے کمیونسٹ کو بھی جرات نہیں ہوتی ۔ کمیونسٹ پارٹی کے جن ممتاز ارکان نے افغانستان پر روسی جارحیت کے خلاف آواز نکالی ہے ۔ ان کا حشر دنیا کے سامنے ہے کہ وہ آج

قیدی کی حیثیت میں حق گوئی کی سزا بھگت رہے ہیں۔ انتخابات کا ڈھونگ بایں انداز وہاں رچایا جاتا ہے کہ کمیونسٹ پارٹی کے نامزد ارکان کے سوا کسی کو مقابلہ میں آنے کی اجازت ہی نہیں ہوتی اگر کوئی ایسی ہمت کرے تو اسے فی الفور سائبیریا پہنچا دیا جاتا ہے۔ کارخانوں میں کام کرنے والوں پر قیدیوں کی طرح نگرانی رکھی جاتی ہے۔ عوام کو اتنا دہشت زدہ رکھا جاتا ہے کہ ارباب اقتدار کے خلاف بیوی کو اپنے خاوند سے۔ ماں کو اپنے بیٹے سے۔ بہن کو اپنے بھائی سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ممکن ہے ان میں کوئی مخبر ہو۔ وہاں بیرونی ممالک کی نشریات سننا خلاف قانون ہے۔ اس لئے روس میں بننے والے ریڈیو سیٹ صرف روسی ریڈیو سٹیشنوں کے پروگرام ہی سنا سکتے ہیں۔ ان میں کسی غیر روسی نشریہ کو سن سکنے کی سرے سے صلاحیت ہی نہیں ہوتی بخلاف اس کے جمہوری حکومتوں میں بلکہ دشمنان اشتراکیت امریکہ اور برطانیہ وغیرہ میں باقاعدہ کمیونسٹ پارٹیاں موجود ہیں۔ ان کے اپنے اخبار ہیں۔ پارلیمنٹ میں ان کے نمائندے ہیں۔ انہیں ہر طرح کی وہ آزادی حاصل ہے جو سوشلسٹ روس میں کسی کو نصیب نہیں۔

خطرناک سازشی تحریک یہودیوں کی سوشلسٹ تحریک دوسری سب تحریکوں سے زیادہ خطرناک ہے یہودیوں کی فتنہ پروری اور فساد انگیزی کا تو خود قرآن شاہد ہے جو انہیں "مفسدین" قرار دیتا ہے۔ ان کے رہنمائیوں کی کھلی ہدایات ہیں کہ :۔

" اگر ضرورت پیش آئے تو مزدور تنظیموں میں اپنا اثر و نفوذ قائم کرنے کے لئے ان میں گھسے رہنا اور ہر قیمت پر اشتراکی سرگرمیوں کو فروغ

دینے کے لئے ہر قسم کے حربوں سے بلا تکلف کام لو۔ سازشیں، جوڑ توڑ، غیر قانونی ذرائع کا استعمال دھوکا وغیرہ سب سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔"

(لینن جلد ۱، صہ ۳۸)

دوسرے تو الگ رہے۔ لینن نے خود اشتراکی لیڈروں سے بھی دروغ گوئی اور فریب کاری سے پیش آنے کی اجازت دیتے ہوئے کہا کہ :-

"اشتراکی اخلاق کی رو سے یہ فریضہ سب سے اہم ہے کہ اسے تسلیم کیا جائے کہ عندالضرورۃ بددیانتی اور بے ایمانی سے بھی کام لیا جا سکتا ہے۔"

اشتراکی بوقت ضرورت جھوٹا قرآن اٹھانے یا قرآن کی جھوٹی قسم کھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ شروع شروع میں اسلام کی تعریف کر کے دوسروں کو اپنے خلوص، نیک نیتی اور انصاف پسندی کا یقین دلاتے ہیں۔ پھر بات کو طول دے کر شک و شبہ کے تیر اس خوبی سے چلاتے ہیں کہ وہ دل میں پیوست ہو کر وہیں کے وہیں رہ جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ جڑ پکڑ جاتے ہیں۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارے ہاں سوشلسٹ اور کمیونسٹ کم و بیش ہر شعبہ زندگی میں مار آستین کی طرح چھپے بیٹھے ہیں۔ اور اپنے توسیعی تخریبی منصوبوں میں رنگ بھرنے میں مصروف ہیں۔ مگر یہ اپنے انجام سے بے خبر ہیں۔ سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کا یہ اصرار ہے کہ انقلاب لانے کے لئے دھن برساؤ۔ اپنے ایجنٹ تیار کرو۔ ان کے ذریعہ عوام میں بے چینی، مایوسی اور افراتفری پیدا کرو۔ اور جب گوہر مقصود ہاتھ آجائے تو ان سب کی گردنیں اڑا دو۔ کیونکہ جو اپنے ملک و ملت سے غداری کر سکتا ہے۔ وہ ہمارا بھی وفادار نہیں ہو سکتا۔ وہ زیادہ قیمت پر ہمارے دشمنوں

کے ہاتھ بک کر ہمارے لئے بھی وجہ مصیبت بن سکتا ہے۔ جس کی تفصیل یہودی سازشی منصوبہ یعنی جیوش پراٹوکولز میں دیکھی جاسکتی ہے۔

کیمونسٹوں اور سوشلسٹوں نے جس ملک میں بھی قدم جمائے۔ وہیں اپنے معین و معاون رہنماؤں۔ ایجی ٹیٹروں اور نعرہ بازوں کا یہی حشر کیا۔ تاکہ بعدازاں کوئی برسرِ اقتدار طبقہ پر اپنا احسان نہ جتائے یا خوان اقتدار میں اپنا حصہ طلب نہ کرے۔ جس پر ترکستانی روس کی داستان خونچکاں شاہد عدل ہے۔ جن رہنماؤں اور کارکنوں نے انقلاب روس کے بعد لینن کا ساتھ دیا۔ ان کا بعدازاں مندرجہ ذیل حشر ہوا۔

سوشلسٹ مسلمانوں کا انجام

- قازق۔ ازبک تاتاری۔ باشقری آذری ترکوں کے کمیونسٹ انقلابی سلطان غالب کو دفع الوقتی کے لئے اس کی خدمات کے پیش نظر مارشل سٹالن نے اپنا مشیر مقرر کیا۔ مگر تھوڑے عرصہ بعد اسے پھانسی دیدی گئی۔ کیونکہ وہ ترکستانی قومیت وریاست کے ارتقار کا قائل تھا۔
- انقلابِ روس کے بعد تاتاریہ کی خودمختار سوویت سوشلسٹ ری پبلک کا سلطان قیلوف پہلا مسلمان وزیرِ اعظم تھا اور بقول ٹراٹسکی ممتاز کیمونسٹ بھی تھا۔ مگر اسے اسلام ازم اور پان ترک ازم کا حامی ظاہر کر کے ۱۹۲۴ء میں اسٹالن نے گرفتار کرا کر تختہ پھانسی پر لٹکا دیا۔
- ۱۹۲۷ء میں یہی حشر کریمیا کے وزیرِ اعظم ولی ابراہموف کا ہوا۔ اسے رجعت پسندی کے جرم میں سزائے موت دیدی گئی۔

- باشقریا کی جمہوریہ کے مسلمان صدر ظفروف اور وزیرِ اعظم بلاشوف کو بھی ۱۹۲۳ء میں گولی ماردی گئی۔
- تاجکستان کے صدر نصرت اللہ مقسوم اور وزیرِ اعظم تاجکستان کا بھی قوم پرستانہ رجحانات رکھنے کے جرم میں یہی حشر کیا گیا۔
- ۱۹۲۳ء و ۱۹۲۴ء میں تاجکستان کے ان پانچ ہزار کمیونسٹوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی جو کمیونزم کے سب سے بڑے حامی اور پروپاگنڈسٹ تھے۔
- ۱۹۳۸ء میں ازبکستان کے وزیرِ اعظم فیض اللہ اور ازبک کمیونسٹ پارٹی کے مرکزی کمیٹی کے صدر اکمل اکرام کو جو دونوں چوٹی کے کمیونسٹ رہنما تھے۔ موت کی سزا دی گئی۔
- فیض اللہ خواجیوف کی جگہ عبداللہ شانِ کریمی وزیرِ اعظم ہوئے۔ انہیں بھی پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔
- ان کی جگہ تراب بیگ ادغلو وزیرِ اعظم بنے۔ انہیں بھی پھانسی دیدی گئی۔
- ان کے بعد سلطان ثاقب بے نے وزارتِ عظمیٰ کا قلمدان سنبھالا۔ مگر وہ بھی گولی کا نشانہ بنا دیئے گئے۔

ان سب مسلمان وزراء کا جرم یہ تھا کہ یہ ترکستان میں کمیونزم کے معین و معاون ہونے کے باوجود علاقہ پرست اور قومیت پرست تھے۔ اس لئے ان کا وجود ناقابلِ برداشت تصور کیا گیا۔

کمیونسٹوں کی بربریت

کمیونسٹ اور سوشلسٹ برسرِ اقتدار آنے کے بعد نہ صرف اپنے زرخرید ایجنٹوں کو موت

کی نیند سلا دیتے ہیں بلکہ یہ اپنے دورِ اقتدار میں فضا کو "سازگار" بنانے کے لئے مسلمانوں کے گھروں پر حملے کرتے ہیں۔ ان کی بہو بیٹیوں کی عصمت لوٹتے ہیں۔ ان کے مال و دولت پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ ان پر ظلم و ستم ڈھاتے ہیں۔ مساجد اور کلام اللہ کی بے حرمتی کرتے ہیں اور ان کے اخلاق کو برباد کرنے کیلئے شرمناک حربے استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ انڈونیشیا میں حالیہ انقلاب کے دوران ہوا۔

اس لئے کمیونزم اور سوشلزم کے ایجنٹوں کو اپنے ان ہم مشربوں اور ہمسفروں کے انجام سے سبق سیکھنا چاہیئے۔ جنہیں برسرِ اقتدار ڈکٹیٹروں نے اس جرم میں موت کی نیند سلا دیا کہ جو اپنے ملک و ملت سے غداری کر سکتے ہیں۔ وہ ہمارے وفادار نہیں بن سکتے۔

روسی مسلمانوں کا حشر

روس میں بھی کمیونسٹوں نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد مسلمانوں کا جو حشر کیا۔ اس کی تفصیل قاہرہ کے ہفت روزہ "آخر الساعۃ" کے الفاظ میں درج ذیل ہے:-

- مسلمان ریاستوں میں مساجد کو سینما گھروں میں تبدیل کر دیا گیا۔
- تاشقند کے "البحر عرب" سکول میں عربی ممالک کے لئے جاسوس تیار کرنے کی خاطر عربی پڑھائی جانے لگی۔
- روس میں اشتراکیوں کے برسرِ اقتدار آنے سے پہلے استرخاں کا علاقہ مسلمانوں کا علاقہ شمار ہوتا تھا۔ لیکن اب وہاں ڈھونڈنے سے بھی کوئی مسلمان نہیں ملتا۔ یہاں کے مسلمانوں کا یا تو جبراً مذہب تبدیل کر دیا یا انہیں ترکِ سکونت پر مجبور کر دیا گیا۔

- اسی طرح کریمیا اور سائبیریا میں بھی مسلمان بکثرت موجود تھے۔ لیکن اب وہاں مسلمان خال خال نظر آتے ہیں۔ جہاں مسلمانوں کی آبادی تین چوتھائی تھی۔ وہاں اب چالیس فیصد رہ گئی ہے۔
- روس میں مسلمانوں کو نہ صرف مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ بلکہ ان سے انتہائی ذلت آمیز سلوک کیا جاتا ہے۔ ان کو زندگی کے کسی شعبہ میں عام روسیوں کے سے حقوق حاصل نہیں۔
- مسلمانوں کو اہم عوامی کاموں میں بھی جائز حصّہ نہیں دیا جاتا اور کارخانوں، فیکٹریوں وغیرہ کے تو ان پر دروازے بند ہیں۔
- مسلمان ایک جگہ سے دوسری جگہ متعلقہ حکام کی اجازت کے بغیر نقل و حرکت نہیں کر سکتے۔
- روس میں مسلمانوں کو نئی مسجد تیار کرنے اور پرانی مساجد کی مرمت کرانے کی اجازت نہیں ہے۔ بایں ہمہ ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اشتراکی روس سے اسلام کا نام و نشان مٹانے کی جتنی جدوجہد کر رہے ہیں مسلمانوں کی آبادی میں، اتنے جبر و تشدد کے باوجود وہاں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔

سوشلزم اور کمیونزم کو سب سے زیادہ اس ملک کی فضا راس آتی ہے جس میں،۔
"کوئی قوم کسی حیات آفریں تصورِ حیات سے محروم ہو کر ذہنی خلا میں زندہ

ہو۔ جب اس میں اخلاقی بے راہروی زور پکڑ رہی ہو۔ جب اس میں رشوت ستانی اور اقربا نوازی کا دور دورہ ہو۔ جب فاسد نظام معیشت کی وجہ سے ملک میں گرانی۔ افلاس اور بے روزگاری کا زور ہو۔ اور عوام جسم و روح کے رشتے کو قائم رکھنا بھی ایک عذاب سمجھ رہے ہوں۔ جب ان کے اندر محرومی اور بے بسی کا احساس ہونے کی وجہ سے یاس و قنوطیت اور بد دلی پیدا ہو جائے اور وہ اپنے مصائب پر فریاد کرنے کا حق بھی نہ رکھتے ہوں اور حکمران طبقے کوئی صحیح اور تعمیری طرزِ عمل اختیار کرنے کی بجائے صرف اپنی تعریف و توصیف سننا پسند کریں۔ تو یہ حالات اشتراکیت کی توسیع و ترقی کے لئے روز بروز زیادہ سازگار ہوتے چلے جاتے ہیں "

(انڈونیشیا پر کیا گزری صفحہ ۲ - ۱۹)

پاکستان میں جو لوگ ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں۔ وہی فی الحقیقت سوشلزم کی ترویج و ترقی کے لئے عملاً جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہ لوگ صرف ملک و ملت سے ہی غداری نہیں کر رہے۔ اپنی اولاد اور آنے والی نسلوں کے لئے بھی موت کا کنواں کھود رہے ہیں اور اسلامی نظام کے اجرا میں سنگِ راہ بنے ہوئے ہیں۔

(۶)

معاشرے کے سرطان

(۱)

رقص و سُرود

جب شیطان ملعون ہو کر آسمان سے نیچے اتر آیا تو کہنے لگا کہ اے خدا تو نے مجھے ملعون تو بنا دیا ھے۔ یہ بتا دنیا میں میرا علم کون سا ہوگا؟

حسنِ صوت

موسیقی (MUSIC) ایک سریانی لفظ ہے امام رازی لکھتے ہیں،۔
"اس فن کو سب سے پہلے جس نے ایک جگہ جمع کر کے ایک نفیس ترتیب سے مدون کیا۔ وہ حکیم فیثا غورث تھا"

حسنِ صوت انسان کی فطرت میں ابتدا ہی سے ایک دہبی عطیہ ہے۔ لیکن ابتدا میں یہ راگ کی ہر کثیف آلائش سے پاک تھا۔ اس کے لیے نہ کوئی خاص فن مرتب تھا اور نہ اس کے اظہار کے لئے آلات طرب وضع کیے گئے تھے۔ یہ دراصل انسانی جذبات کے اظہار کا ذریعہ تھا۔ جب تک حسن صوت کا استعمال جذبات کے اظہار تک محدود رہا کسی نبی کی شریعت میں اسے حرام نہیں کیا گیا۔ لیکن جب حسن صوت کو موسیقی کے وضع کردہ قواعد میں ڈھالا گیا اور ساتھ ہی ساتھ آلاتِ طرب کی دھنوں کو بھی ملا دیا گیا اور لوگ اسے ہوائے نفسانی میں استعمال کرنے لگے تو شریعتِ مطہرہ نے

اسے حرام قرار دیدیا۔ حسن صوت (اچھی آواز) فی نفسہٖ بری چیز نہیں ہے۔ بلکہ اس کی صورت فاسدہ کو جسے موسیقی اور آلات طرب کے ساتھ ڈھال دیا گیا ہے۔ شرعاً حرام قرار دیا گیا ہے۔

راگ کے اثرات

محدث ابن جوزیؒ لکھتے ہیں۔ راگ سننے میں چند باتیں جمع ہوتی ہیں :۔

۱۔ ایک یہ کہ راگ سے انسان کا دل عظمت خداوندی میں تدبر کرنے سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ وہ لذت شہوانیہ کو ابھارتا ہے۔ جس میں سب سے بڑی شہوت عورت کے ساتھ اتصال ہے۔ سننے والا جتنی بار راگ سنتا ہے۔ اتنی مرتبہ اس کے دل میں نئی شہوانی امنگ کروٹ لیتی ہے۔ پھر وہ اپنے نفس پر زنا کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اور لذت شہوانیہ کے تحت اپنی دنیا اور عاقبت دونوں برباد کر دیتا ہے۔

۳۔ تیسرا یہ کہ راگ عقل پر بھی حملہ کرتا ہے۔ جب کوئی راگ سنتا ہے۔ تو اسکی طبیعت میں طرب و نشاط پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس سے مافوق العقل حرکات سرزد ہونے لگتی ہیں جو دیوانگی سے مشابہت رکھتی ہیں۔ جس طرح شراب عقل کو مغلوب کر لیتی ہے۔ اس طرح راگ بھی عقل پر اثر کرتا ہے۔ اسی پر یہ قول شاہد ہے۔

الغناء رقیۃ الزناء (راگ زنا کا منتر ہے)

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں :۔

" عورت اور مرد کے جذبات جنسی پر راگ ایسا اثر کرتا ہے۔ جیسے آگ پر

تیل ڈال دیا جائے "۔

اغاثۃ اللھفان میں لکھا ہے :۔

"بہت سی شریف زادیاں راگ کی وجہ سے زانیہ بن چکی ہیں اور بہت سے غیور خاندان اس کی وجہ سے بے حیا قوموں کے نام سے مشہور ہو چکے ہیں"۔

ابن ولید نے اپنی قوم کو نصیحت کی تھی :۔

" اے میری قوم راگ سے بچتے رہنا کیونکہ یہ حیا، کو کم کرتا ہے۔ یعنی بے حیا بنا دیتا ہے۔ خواہشات نفسانیہ کو بڑھا دیتا ہے۔ عزت و وقار کو مٹا دیتا ہے۔ جس طرح شراب اثر کرتی ہے۔ یہ راگ بھی انسان پر ویسے ہی اثر دکھاتا ہے"۔

شیطان کی پسند

دنیا میں جس قدر بھی معصیت اور شر کا ظہور ہو رہا ہے۔ ان سب کا معلم اوّل ابلیس ہی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے :۔

کان ابلیس اوّل من ناح و اوّل من تغنّی ۔

"سب سے اوّل جس نے اس دنیا میں بین کئے اور راگ کے ساتھ گانا گایا وہ ابلیس ہے"۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں :۔

"جب شیطان ملعون ہو کر آسمان سے نیچے اتر آیا تو کہنے لگا کہ اے خدا۔ تو نے مجھے ملعون تو بنا دیا ہے۔ آپ یہ بتائیں دنیا میں میرا علم کونسا ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تیرا علم جادو ہو گا۔ پھر کہنے لگا۔ میری پسندیدہ آواز کونسی ہو گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ گانا بجانا۔ پھر کہنے لگا۔ میرا پسندیدہ مشروب کون سا ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہر نشہ آور چیز تیرا مشروب ہو گی۔

ایجاد کنندگان

حضرت ابوجعفر طبری لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے بجنے والے آلات تیار کئے اس کا نام ثوبال تھا۔ یہ بے دین قابیل کی نسل سے تھا۔ اور جس نے بانسری طبل اور نمود ایجاد کئے ہیں۔ اس کا نام مہلائیل بن قینان تھا۔ یہ بھی ثوبال کا ہم عصر تھا۔ اس طرح قابیل کی نسل گانے بجانے کے پیشے میں مصروف ہوگئی۔ پھر چلتے چلتے یہ رسم حضرت شیث علیہ السلام کی قوم میں پھیل گئی۔ اس طرح باجوں کا فتنہ ابنائے آدم میں زور پکڑ گیا۔

امام ابن الحاج اپنی مشہور کتاب مدخل میں لکھتے ہیں:۔

"جنہوں نے ناچنے اور جھومنے کو ایجاد کیا تھا۔ وہ سامری اور اس کے ساتھی یہودی تھے۔ جب سامری نے ان کے لئے ایک بچھڑا تیار کیا تھا جس سے ایک قسم کی آواز آئی تھی۔ وہ یہودی اس کے گرد ناچتے اور جھومتے تھے۔ پس یہ ناچنا اور جھومنا کفار اور ان یہودیوں کی رسم ہے جو بچھڑے کو پوجتے تھے"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے سب سے پہلے ناچ ایجاد کیا۔ وہ سامری اور اس کے ساتھی یہودی تھے۔ پھر یہ رسم یہود و نصاریٰ کی تمام امت میں سرایت کر گئی۔ پھر بڑھتے بڑھتے تمام دنیا میں پھیل گئی شومئ قسمت سے اب تمام اسلامی ملکوں میں یہ لعنت عام ہوگئی ہے۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں، جتنی اسلامی سلطنتوں کو زوال آیا ہے۔ ان میں سے اکثر کے زوال کا باعث یہی تھا کہ وہ بادشاہ ناچ گانوں کی محفل میں شب و روز مصروف رہتے تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

" میں بغداد میں ایک ایسی چیز چھوڑ آیا ہوں ۔ جسے زندیقوں نے ایجاد کیا ہے ۔ یعنی گانا بجانا "

ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں ۔ امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ یہ چیزیں زندیقوں نے ایجاد کی ہیں بالکل درست ہے ۔ یہ قول ایک ایسے امام کا ہے جو اصول اسلام سے پوری طرح باخبر ہے ۔

شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

" عربی راگ میں سب سے بڑھ کر گانے والے کا نام طویس تھا ۔ یہ طویس ایسا منحوس اور نامبارک تھا ۔ یہ اس دن پیدا ہوتا ہے ۔ جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا ۔ اس کا دودھ اس دن چھوٹتا ہے ۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہوا بالغ اس دن ہوتا ہے جب حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اور اسکے ہاں لڑکا اس دن پیدا ہوا جس دن حضرت علی شہید ہوئے "

ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :-

" اہل مکاشفات میں سے اکثر کو یہ کشف ہو چکا ہے کہ گانے بجانے کی مجلسوں میں شیطان موجود رہتے ہیں ۔ شیطان ایسی مجلس میں جس رقاص پر چاہیں ۔ مسلط ہو جاتے ہیں اور ایسے شیطانی وجد میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ ان میں سے بعض حاضرین کے سروں پر بھی ناچنے لگتے ہیں بعض اہل کشف مشائخ نے یہاں تک دیکھ لیا کہ شیطان نے انہیں اٹھا لیا اور

انہیں لے کر تاپنے لگا۔ پھر اس نے زور سے چیخ ماری۔ وہ بھاگ گیا اور ناچنے والا گر پڑا ان امور میں ایسے حقائق پنہاں ہیں کہ ان کا ادراک اور مشاہدہ صرف ایمانی بصیرت والے ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن جو شخص شریعت مطہرہ کی پابندی کرتا ہے۔ اگرچہ وہ ان اسرار و حقائق سے واقف نہ ہو پھر بھی ہدایت یاب اور آخرت کی بھلائی کا مالک بن جاتا ہے۔"

ارشادات نبوی گانے بجانے والوں پر شیطانی تصرفات کا ایک ذکر احادیث میں بھی آتا ہے۔

۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ایک مرتبہ میرے پاس ایک گانے والی عورت آئی اس نے ایک گانا سنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب یہ عورت گانا سنا رہی تھی تو شیطان اسکے دونوں نتھنوں میں پھونک مار رہا تھا۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جب کوئی گانا گاتا ہے تو اس پر دو شیطان مسلط ہو جاتے ہیں جو اپنے پاؤں کے ساتھ اس کے سینہ پر ناچتے رہتے ہیں۔

ناچ گانے کی حرمت پر اس قدر احادیث شاہد ہیں کہ اگر انہیں بالاستیعاب جمع کیا جائے تو پوری کتاب بن سکتی ہے۔

۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مجھے دو احمق اور بے ہودہ آوازوں سے منع کر دیا گیا ہے۔ ایک وہ آواز جو لہو و لعب اور مزامیر یعنی گانے بجانے سے پیدا ہوتی ہے اور دوسری وہ آواز جو بین کرتے وقت سینہ اور منہ پر پیٹتے ہوئے پیدا ہو۔

حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں دو ملعون آوازیں ہیں ایک آواز وہ جو آلات

طرب پر گانے سے پیدا ہو دوسری وہ جو مصیبت میں بین کرنے سے پیدا ہو۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔
لعن اللہ المغنّی والمغنیٰ۔
جو آدمی گانے بجانے کا کام کرے اور دوسرا وہ جو اپنے گھر میں گانے بجانے کا اہتمام کرے۔ ان دونوں پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتے ہیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " میری امت میں خسف یعنی زمین میں دھس جانا اور قذف یعنی آسمان سے پتھر برسنا اور مسخ یعنی صورتوں کا بدل جانا واقع ہوگا"۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ حضورؐ یہ کب واقع ہوگا؟
آپ نے فرمایا۔ جب گانے بجانے کے آلات اور گانے والی عورتیں عام ہونگی اور شراب حلال (تصور) ہوگی۔ پھر یہ تینوں عذاب اس امت پر وارد ہونے لگیں گے۔
حضرت نافعؒ روایت کرتے ہیں :۔
" ایک بار حضرت ابن عمرؓ نے کسی چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو جلدی سے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنی سواری کو راستے سے موڑ دیا۔ جب تک وہ آواز سنتے رہے، برابر چلتے رہے۔ جب آواز ختم ہوگئی۔ تب سواری کو راستے کی طرف لوٹایا اور بولے کہ میرے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چرواہے کی بانسری سنی تھی تو آپؐ نے بھی یہی عمل فرمایا تھا۔ جیسا کہ میں نے کیا ہے "
اس حدیث کے بعد محدث ابن جوزی لکھتے ہیں :۔
" جب صحابہؓ کا یہ فعل اس آواز پر تھا۔ جو اعتدال سے خارج نہیں کر

دیتی تو بھلا اس زمانے کے راگ باجوں کے بارے میں کیا کہا جائے"۔
مندرجہ بالا احادیث نبویؐ کی روشنی میں اگر ہم موجودہ دور کا جائزہ لیں تو
یہ حقیقت واضح نہیں ہو جاتی کہ ہم ان تینوں عذابوں کے مستحق ہو گئے ہیں۔
کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ ابن جوزیؒ تو
زمانے کے راگ باجوں پر اس قدر ماتم کر رہے ہیں۔ اگر وہ اس زمانے میں
جہاں گھر گھر ریڈیو اور ٹیلی ویژن سنیما اور ریکارڈنگ کا جال بچھا ہوا ہے۔ نا
والوں کی کثرت ہے غیر شریف گھرانوں کی لڑکیاں نامحرم مردوں کے سامنے نیم برہنہ
پہن کر ناچنے میں کسی قسم کی حیا محسوس نہیں کرتیں اور عار نہیں سمجھتیں۔ کم
شراب کو حلال سمجھ کر پیتے ہیں۔ تو پھر ہمارے موجودہ دور کے بارے میں ان
تاثرات کیا ہوتے؟؟ محمد حسن زبیری۔ بی۔اے (

نفس کو غلام بنانے کے خود نفس کے غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ خدا نخواستہ ہم نے ا
گریبان میں نہ جھانکا۔ اللہ سبحانہٗ وتقدس کے فرمان مقدس کے مطابق نہ چلے او
گنبد خضرا کے مکیں صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر نہ چلے اسی نافرمانی پر تلے رہے تو
نہیں کہ ہم بھی سابقہ قوموں کی طرح غضب الٰہی کا نشانہ بن جائیں اور ہمارا نام
نشان تک اس صفحۂ ہستی سے مٹ جائے اور مغضوبین کی جماعت میں شامل ہو
اللہ پاک غیروں کے طریقوں سے نجات عطا فرما کر اپنی رضا والی زندگی نصیب فرمائیں
محمد عارف۔ راولپنڈی

(۲)

ریڈیو اور ٹیلیویژن

نیا نشہ ٹیلی ویژن مغربی دنیا کی ایک مفید ایجاد ہے۔ مگر اس کا غلط استعمال وہاں کے لئے عذاب الہٰی بن گیا ہے۔ ٹیلیویژن کے ذریعے دکھائے جانے والے فحش ڈراموں۔ مخرب اخلاق فلموں۔ حیا رسوز فیچروں۔ خدا فراموش پروگراموں۔ عریاں رقص کے نظاروں۔ ہیجان خیز گانوں کے ذریعہ وہاں جو انارکی اور تباہی و بربادی پھیلی ہے۔ اس سے سارا یورپ اور امریکہ تھرّا اٹھا ہے۔ وہ اب اس عذاب سے بچنا چاہتا ہے۔ مگر اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو رہی۔ کیونکہ ٹیلی ویژن کا چسکا نشہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ جس سے نجات آسان نہیں۔

کورے فورڈ (Corey Ford) اپنے مضمون "ٹی۔ وی کیسے ترک کر سکتے ہیں" (How to give T.V) میں لکھتا ہے کہ یورپ اور امریکہ کے ڈاکٹر اس بات کے قائل ہو چکے ہیں کہ ٹیلی ویژن کی شعاعیں سرطان جیسے موذی اور مہلک مرض کا بڑا باعث ہیں۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ لاکھوں افراد ٹی۔ وی کے دیوانے اور غلام ہیں۔ ماہرین طب کی رائے ہے کہ ان کی ۶۲ فیصد آبادی کو ٹیلی ویٹس (Televites) کی بیماری کا گھن لگا ہوا ہے۔ وہ ہر وقت بے لبسی کے عالم میں یہ محسوس کرتے رہتے ہیں کہ وہ سفر کر رہے ہیں۔

مجرم ساز ریڈرز ڈائجسٹ مارچ ۱۹۶۵ء میں امریکی سینیٹ کی خصوصی کمیٹی کے صدر سینیٹر تھامس نے اپنی سہ سالہ تحقیقی رپورٹ میں یہ

راتے ظاہر کی ہے کہ چھوٹے بچے گھٹنوں کے بل چلنے ہی کے زمانہ سے ٹی۔ وی کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ جرائم کے جملہ پہلوؤں سے متعلق ان کو مشاق مجرموں کی ڈریوں اور جرائم وجاسوسی کے پروگراموں سے گہری تربیت ملتی ہے۔ جس کی وجہ سے مجرمانہ تشدد ان کے لیے ایک دل لگی کا مشغلہ بن گیا ہے۔ جس سے ہماری حقیقی زندگی میں دو سو فیصد جرائم کا اضافہ ہوا ہے۔ ٹی۔ وی کے خوفناک مناظر کا ردِ عمل بہت سنگین ہوتا ہے۔ اس تشدد کا ان پر یہ اثر ہوتا ہے۔ کہ اچھے بچے خواہ میرے ہوں یا آپ کے۔ خطا کاری کے عادی ہو جاتے ہیں۔ انفعالی طور پر وہ از کار رفتہ ہو جاتے ہیں اور انکے احساس کی قوت پژمردہ ہو جاتی ہے۔

دشمن خاندان شکاگو کے ہسپتال میں کام کرنے والے ایکسرے کے مشہور ڈاکٹر ایمل کروب نے اپنے مضامین میں ٹیلی ویژن استعمال کرنے والوں کو بار بار خبردار کیا ہے کہ ٹی۔ وی سیٹ تفریح کے پردہ میں آپ کا اور آپ کے خاندان کا دشمن ہے۔ آپ کے معصوم بچے اس سے سرطان کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر کروب خود بھی ٹی۔ وی شعاعوں کے پیدا کردہ سرطان کے شکار ہو گئے تھے۔ مرنے سے قبل انہوں نے ۹۶۔ اپریشن کرائے۔ لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ بلکہ سرطان چہرے کے بڑے حصہ کو لپیٹ میں لینے کے بعد ان کے بازوؤں تک پھیل گیا تھا۔ مرنے سے قبل انہوں نے کہا کہ ٹی۔ وی بنانے والی کمپنیاں جھوٹ کہہ کر لوگوں کو دھوکہ دیتی ہیں کہ اشعاعی طاقت بہت معمولی ہوتی ہے۔ جو انسان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ متعدد تجربات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اشعاع خواہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہوں۔ انسانی جسم کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں۔

ان شعاعوں کا اثر ٹیلی ویژن کے سامنے نشست وغیرہ کے مطابق کم و بیش ہوتا ہے۔ تجارتی کمپنیوں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ "ٹی۔ وی کی شعاعوں کا رخ قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف نہیں بلکہ زمین کی طرف ہوتا ہے"۔ خود ڈاکٹر کروب ان شعاعوں کا اسی طرح شکار ہوئے تھے۔ ڈاکٹر کروب نے بڑے تعجب سے کہا کہ جو لوگ نچلی منزلوں میں رہتے ہیں۔ وہ ٹی۔ وی کی شعاعوں سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ جو ضخیم دیواروں اور کمروں کے پردوں کو بھی چیر کر نکل جاتی ہیں۔ گویا ان شعاعوں کی زد سے نچلی منزل والے بھی نہیں بچ سکتے۔

ایک اور ماہر طبیعیات ڈاکٹر لیمب نے بھی ڈاکٹر کروب کے دعوے کی تائید کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ رنگ دار ٹی۔ وی۔ سیٹ جو حال ہی میں بازار میں آتے ہیں۔ وہ عام ٹی۔ وی سے زیادہ خطرناک ہیں۔ کیونکہ ان میں اشعاعی قوت زیادہ ہوتی ہے"۔ اس کی مزید تائید امریکی ادارہ تحقیقات کی اس رپورٹ سے بھی ہوتی ہے کہ ٹیلی ویژن کی شعاعوں سے سرطان میں مبتلا ہونے والے اکثر بچوں کی عمر چار سال سے زیادہ نہ تھی"۔

مزید براں وہ لوگ زیادہ اس موذی مرض کی زد میں آتے ہیں۔ جو دس فٹ سے کم فاصلے پر ٹی۔ وی دیکھتے ہیں۔

غرض کہ آئے دن یورپ اور امریکہ کے ڈاکٹر اور مفکرین ٹی۔ وی کی تباہ کاریوں کے بارے میں مضامین شائع کرتے اور لوگوں کو اس رنگین دلچسپ اور دلکش لعنت سے بچنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ہر قسم کے جرائم اور بدکاریوں میں نت نئے اضافے ہو رہے ہیں۔ اب یہ دلربا وبا ہمارے ملک میں بڑی تیزی

سے پھیل رہی ہے۔ جسکی وجہ سے اب گھر گھر سنیما کھل گیا ہے۔ جو تھوڑی بہت
نہ ہی اقدار باقی تھیں۔ وہ ختم ہو رہی ہیں۔ سکون و اطمینان کی کیفیت، چھوٹوں
بڑوں کا ادب ولحاظ اور شرم وحیا، آہستہ آہستہ رخصت ہو رہی ہے۔
(البینات کراچی)

مزید برآں ٹیلی ویژن نے قیامت یہ ڈھائی ہے کہ بے حیائی کے جو کام سنیما ہالز
نائٹ کلبوں اور رقص گاہوں تک محدود تھے۔ اب اس کے ذریعہ ایک ایک گھر
کے ڈرائینگ روم میں گھس آئے ہیں۔ جو لوگ سنیما ہالوں تک پہنچنے سے کتراتے
تھے۔ یا وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اب وہ گھر بیٹھے ٹی۔ وی سے سرفراز ہوتے
ہیں اور رفتہ رفتہ بڑے چھوٹے اور اپنے پرائے کی تمیز اس حد تک مٹ گئی ہے کہ
باپ بیٹیاں اور بہن بھائی رقص و سرود اور فلموں کے خالص جنسی مناظر نہ صرف
ایک ساتھ بیٹھ کر دیکھتے ہیں۔ بلکہ ان پر تبصرے کرتے ہیں اور بعض گھرانوں میں یہ
صورت بھی عام ہو گئی ہے کہ آس پاس کے پڑوسی اور محلے کے دوست احباب
خاص خاص پروگرام دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں اور اجنبی لڑکے لڑکیاں بھی
یکجا ہو کر ٹی۔ وی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔" (البلاغ کراچی)

عذابِ الٰہی کے منظر

گذشتہ صفحات میں جس عذابِ الٰہی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس نے کس طرح سابقہ قوموں کو اپنی لپیٹ میں لیا؟ اسکے چند عبرتناک نمونے درج ذیل ہیں:

دنیا میں جس طرح نعمتوں کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی طرح مصائب کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی نے اپنی تصنیف "کشکول" میں علامہ ابن جوزیؒ کی کتاب "المدہش" سے مصائب و حوادث کے چند واقعات نقل کئے ہیں جو دنیا میں مختلف ادوار میں پیش آچکے ہیں۔

قحط ۱۸ھ حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد میں بارش کا ایسا قحط پڑا کہ ہوا میں بجائے غبار اڑنے کے راکھ اڑتی نظر آتی تھی۔ اسی لئے اس سال کا نام الرمادہ ہوگیا۔ وحشی جانور بھوک پیاس سے عاجز ہوکر انسان کے پاس آجاتے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے یہ عہد کرلیا تھا کہ گھی دودھ اس وقت تک نہ کھاؤں گا۔ جب تک قحط رفع نہ ہو، اور عام مسلمان یہ چیزیں نہ کھانے لگیں۔ ۶۴ھ میں بصرہ کے اندر شدید طاعون آیا کہ امیر بلدہ کی والدہ کا انتقال ہوگیا تو اس کا جنازہ اٹھانے کے لئے چار آدمی نہ ملے۔ ۹۶ھ میں طاعون جارف کا واقعہ پیش آیا۔ جس میں تین دن کے اندر ستر ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔ اسی طاعون میں حضرت انسؓ کے اسی ۸۰ لڑکے مبتلا ہوکر انتقال کر گئے۔ حضرت انسؓ کی اولاد سو ۱۰۰ تھی۔ اس واقعہ میں مرنے والوں کو قبرستان تک لے جانا اور قبر میں دفن کرنا مشکل ہو

گیا تھا۔ اس لیے جب سارے گھر والے مر جاتے تو سب کو ایک مکان میں بند کر کے ان کا دروازہ اینٹ گارے سے بند کر دیا جاتا تھا۔

۱۲۱ھ میں طاعون آیا تو پہلے دن میں ستر ہزار، دوسرے دن ان سے کچھ زائد ہلاک ہوتے اور تیسرے دن سب ٹھنڈے ہو گئے۔ ۳۳۴ھ میں ایسا قحط پڑا کہ لوگ اپنے بچوں کو ذبح کر کے کھانے لگے اور مردار جانور کھائے جانے لگے اور چند روٹیوں کے بدلے بڑی بڑی جائیدادیں فروخت کر دی گئیں۔ معزالدولہ امیر وقت کے لئے بیس ہزار روپے میں ایک کُر گیہوں خریدے گئے۔ (ایک کُر ہمارے وزن سے تقریباً اسی من ہوتا ہے) جس کے حساب سے دو سو روپیہ کا ایک من اور پانچ روپے کا ایک سیر ہوتا ہے۔

۴۴۹ھ میں قحط اس قدر شدید ہوا کہ پانچ سیر غلہ سات گنی میں اور ایک انار ایک گنی میں ملتا تھا۔ ایک ککڑی ایک گنی میں فروخت ہوتی تھی۔ اور مصر سے خبر پہنچی کہ تین چوروں نے ایک گھر میں نقب لگایا۔ صبح کے وقت تینوں مرے ہوئے پائے گئے۔ ایک دروازہ پر، دوسرا سیڑھی پر، تیسرا کپڑوں کی بندھی ہوئی گٹھڑی پر۔

۴۶۲ھ میں اس قدر شدید قحط اور وبا پڑی کہ آدمی آدمی کو کھانے لگے اور بادام اور شکر روپیہ کی روپیہ بھر آنے لگی۔ اس قحط میں وزیر ایک روز اپنے گھوڑے سے ایک جگہ اترے تو تین آدمیوں نے دوڑ کر گھوڑے کو ذبح کیا اور کچا گوشت کھانے لگے۔ اس پر وزیر نے ان تینوں کو سولی پر چڑھا دیا۔ صبح کو دیکھا گیا کہ ان تینوں کی صرف ہڈیاں باقی رہ گئی ہیں گوشت کو دوسرے بھوکے کھا گئے۔

نعوذ باللہ من الآفات والحوادث۔

زلزلے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں ۲۰ھ میں زلزلہ آیا۔ پھر ۹۴ھ میں چالیس روز تک زلزلہ جاری رہا۔ اور بڑے مکانات گر گئے اور شہر انطاکیہ بالکل منہدم ہوگیا اور ۲۳۳ھ میں شہر غولہ زلزلہ سے زیر و زبر ہوگیا اور سارے شہر میں سوا ایک آدمی کے کوئی نہ بچا۔ اس کے قریب قریب انطاکیہ میں زلزلہ آیا تو بیس ہزار آدمی ہلاک ہوگئے۔ اور ۲۳۴ھ میں بغداد، کوفہ، بصرہ، واسط و عبدان میں ایک ایسی تیز ہوا چلی کہ جس نے کھیتیاں جلا دیں۔ بازار بند ہوگئے۔ باون روز تک یہی ہوا چلتی رہی۔

۲۳۵ھ میں طاہر بن عبداللہ نے خلیفہ وقت امیرالمومنین متوکل باللہ کے دربار میں ایک پتھر بھیجا جو طبرستان کے اطراف میں آسمان سے گرا تھا۔ جس کا وزن آٹھ سو چالیس درہم کے برابر تھا۔ اس کے گرنے کا دھماکہ بارہ بارہ میل تک سنا گیا اور پانچ ہاتھ زمین میں گھستا چلا گیا۔ ۲۴۰ھ میں ایک ہوا بلاد ترک سے نکلی جو "مرو" میں پہنچی تو ایک بڑی آبادی زکام میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوگئی اور بلادِ مغرب سے خطوط آئے کہ قنبروان کی بستیوں میں سے تیرہ بستیاں زمین میں دھنس گئی ہیں اور سوا دو آدمیوں کے کوئی نہیں بچا اور یہ بچنے والے بھی بالکل سیاہ رنگ کے ہو گئے تھے۔ جب شہر قنبروان میں آئے تو لوگوں نے ان کو نکالا کہ تم عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو۔ حاکم بلدہ نے ان کے لئے شہر کے باہر مکان بنوا دیا اور ۲۴۲ھ میں داحفان میں زلزلہ آیا۔ ۲۵ ہزار آدمی ہلاک ہوگئے اور یمن میں ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کی جگہ چلا گیا۔ اور حلب میں ایک جانور کوے سے بڑا گدھ سے چھوٹا ایک

درخت پر آکر بیٹھا اور چالیس مرتبہ یہ آواز دی (اتقوا اللہ، اللہ اللہ) یعنی اللہ سے ڈرو، اللہ اللہ۔ چالیس آوازیں دے کر اڑ گیا۔ حاکم بلدہ کے پاس پانچ سو آدمیوں نے اسکی آواز سننے کی گواہی دی۔

۲۴۵ھ میں انطاکیہ میں زلزلہ آیا۔ جس سے ڈیڑھ ہزار مکانات منہدم ہو گئے اور اہل انطاکیہ گھروں، روشندانوں اور دریچوں سے نہایت خوفناک آوازیں سنتے تھے اور تنیس میں نہایت خوفناک آوازیں سنی گئیں جو بہت عرصہ تک باقی رہیں۔ جس سے بڑی مخلوق ہلاک ہوگئی۔ ۲۴۵ھ میں ایک بستی پر سیاہ و سفید پتھروں کی بارش ہوئی۔

[illegible]ھ میں مقام دبیل میں زلزلہ آیا (دبیل موصل کے قریب ایک شہر ہے) صبح کو دیکھا گیا تو شہر کا اکثر حصہ خاک کا ڈھیر ہو چکا تھا۔ گری ہوئی عمارتوں کے نیچے سے ایک لاکھ پچاس آدمی مردہ نکالے گئے۔ ۲۱۹ھ میں حجاج کا ایک قافلہ راستہ گم کر کے کسی طرف جا نکلا، وہاں جنگل میں بہت سے آدمی پتھر بنے ہوئے دیکھے اور ایک عورت پتھر کے تنور پر کھڑی دیکھی اور تنور میں جو روٹی تھی وہ بھی پتھر ہو گئی تھی۔ استغفر اللہ۔

آج بھی وہی خدا ہے اور اسی طرح مکمل صفات کا مالک ہے اور وہی نظام مگر مندرجہ بالا واقعات باعث عبرت ہیں بصیرت والوں کے لئے۔ ہر برائی پورے عروج پر ہے۔ نامعلوم کس وجہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ ڈھیل دے رہے ہیں۔ نہ ہم قوم ماضی سے زیادہ قوی الجسم ہیں نہ ذہین، نہ حسین و جمیل، افسوس ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو خواہشات نفسانیہ و شہوانیہ کی آگ میں جھونک دیا ہے۔ اور بجائے

(بقیہ برصفحہ ۱۳۰)

(۷)

ذہنی اور اعتقادی ارتداد

(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

نیا ارتداد

اسلام کی تاریخ میں ارتداد کے متعدد واقعات پیش آئے ہیں سب سے بڑا اور سخت سانحہ ارتداد عرب قبائل کا ارتداد تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد پیش آیا یعنی وہ زبردست باغی تحریک جس کو ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے بے نظیر عزم و ایمان سے سر اٹھاتے ہی کچل دیا تھا۔ دوسرا بڑا ارتدادی واقعہ نصرانیت اختیار کر لینے کی وبا تھی۔ جو ہسپانیہ سے مسلمانوں کے اخراج کے بعد پھیلی اور بعض ان دوسرے ملکوں میں بھی رونما ہوئی جو مسیحی مغربی طاقتوں کے زیرنگیں تھے۔ اور عیسائی پادری اور مشنری وہاں اس مقصد کے لئے سرگرم عمل تھے۔ ان متعدد واقعات کے علاوہ اکا دکا واقعات بھی ہیں کہ مثلاً ہندوستان میں کسی خفیف العقل اور پست طبیعت فرد نے اسلام کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیا لیکن ایسے واقعات شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ــــــــ اگر بدقسمت ہسپانیہ کے فتنہ نصرانیت کو ارتداد کہنا صحیح ہے تو اس کو مستثنیٰ کر کے کہا جا سکتا ہے کہ ــــــــ مسلمانوں کی تاریخ کسی عام ارتداد سے آشنا نہیں ہوئی ہے۔ جیسا کہ مؤرخین مذاہب کا اعتراف ہے یہ واقعات جب کبھی پیش آئے۔ ان پر ہمیشہ دو اثر مرتب ہوئے (۱) مسلمانوں کی طرف سے سخت ناراضگی اور ناپسندیدگی (۲) اسلامی سوسائٹی سے قطع تعلق یعنی جو کوئی اپنے دین سے منحرف ہوتا تھا۔ وہ مسلمانوں کے سخت غیض و غضب کا نشانہ بنتا تھا اور اس اسلامی معاشرے سے خود بخود منقطع ہو جاتا تھا۔ جس میں اس کی بود و باش ہوتی۔ مجرد ارتداد سے اس کے اور اس کے اہل قرابت کے درمیان

تمام رشتے اور تعلقات کٹ جاتے تھے اور ارتداد کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ آدمی گویا ایک دوسرے معاشرے اور ایک دوسری دنیا میں منتقل ہو گیا۔ مرتد کا خاندان اس کا بالکلیہ بائیکاٹ کر دیتا تھا۔ اب نہ رشتہ رہتا تھا، نہ نکاح، نہ اخوت نہ وراثت، ارتداد کی اگر کوئی لہر کبھی اٹھتی بھی تو اس سے بین الادیانی کشمکش برپا ہوتی اور مسلمانوں میں مقاومت اور اسلام کے دفاع کی روح بیدار ہو جاتی تھی۔ جس اسلامی ملک میں ایسے واقعات پیش آجاتے تھے وہاں کے علماء داعیان اسلام اور اہل قلم پُرجوش طریقے سے اُن کے خلاف صف آرا ہو جاتے، ان کے اسباب کا کھوج لگاتے اور اسلام کے محاسن و فضائل کو سامنے لاتے تھے۔ اس مسلمان معاشرے کا یہ حال ہو جاتا جیسے قلق و اضطراب اور غیظ و غضب کی ایک موج آکر سب کو تہ و بالا کر گئی ہو۔ یہ حوادث مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے اور کیا خواص کیا عوام سب کے لیے ایک ہی بات اور ایک ہی فکر ہوتی تھی ——— یہ ہوتا تھا اسلامی سوسائٹی پر واقعات ارتداد کا ردعمل اور ان کی لازمی خصوصیت! حالانکہ نہ یہ کسی وسیع پیمانے پر پیش آتے تھے اور نہ زندگی پر ان کے کچھ اثرات ہی پڑتے۔

لیکن اب کچھ عرصے سے دنیائے اسلام کو ایک ایسے ارتداد سے سابقہ پیش آیا ہے۔ جس نے اس کے اس سرے سے اس سرے تک ایک لہر پیدا کر دی ہے۔ یہ اپنی شدت و قوت اور وسعت و عمق میں اب تک کی تمام ارتدادی تحریکوں سے بازی لے گیا ہے۔ کوئی ملک نہیں ہے۔ جو اس کی غارت گری سے بچا ہوا ہو۔ بلکہ ملک تو ملک خاندانوں میں ایسے مشکل ہی سے تھوڑے بہت ہوں گے۔ جو اس کی دست برد سے محفوظ ہوں۔ یہ وہ ارتداد ہے جو شرق اسلامی پر یورپ کی سیاسی اور تہذیبی تاخت کے پیچھے پیچھے آیا ہے۔ یہ سب سے عظیم ارتداد ہے۔ جو عہد رسالت سے لے کر آج تک کی اسلامی تاریخ میں رونما ہوا ہے۔

شریعتِ اسلامی کی اصطلاح میں "ارتداد" کے کیا معنی ہیں ؟ ایک دین کی جگہ پر دوسرا دین اور ایک عقیدے کے بجائے دوسرا عقیدہ اختیار کرنا ! رسولؐ جو تعلیمات لے کر آیا جو کچھ اس سے تواتر منقول ہے اور جو کچھ اسلام میں قطعی طور پر ثابت ہے اس سے انکار کرنا !! اور ایک مرتد کیا روّیہ اختیار کرتا تھا ——— ؟ رسالتِ محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا انکار کرتا تھا اور مسیحیت، یہودیت یا ہندو مذہب کی طرف منتقل ہو جاتا تھا۔ یا الحاد کی راہ اختیار کرتا اور وحی و رسالت اور آخرت سے منکر ہوتا تھا۔ یہ ارتداد کے وہ معنی ہیں۔ جن سے پرانی دنیا یا پرانی سوسائٹی واقف تھی۔ ہر وہ شخص جو اپنا دین چھوڑتا تھا۔ اگر مثال کے طور پر نصرانی بن جاتا تو کلیسا میں داخل ہوتا یا ہیکل میں جاتا یا اگر ہندو مذہب اختیار کرتا تو بُت خانے کی راہ لیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ یہ ارتداد سب پر روشن ہو جاتا تھا اور مرتد دور سے پہچان لیا جاتا تھا۔ اس کی طرف انگلیاں اٹھتی تھیں اور مسلمان اس شخص سے تمام امیدیں منقطع کر لیتے تھے۔ الحاصل عام طور پر کسی کا ارتداد کوئی راز نہیں ہوا کرتا تھا۔

یورپ کا لایا ہوا فلسفہ یورپ نے مشرق میں وہ فلسفے پہنچائے جو دین کی بنیادوں کے انکار پر مبنی تھے۔ جن کی بنیاد اس عالم میں کارفرما (متصرف) قوت کے انکار پر تھی، وہ باشعور قوت جو اس دنیا کو عدم سے وجود میں لائی اور جس کے دستِ تصرف میں کائنات کی زمام کار ہے۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْر (خبردار! اسی نے تخلیق کی اور اسی کا حکم چلتا ہے) وہ فلسفے جو عالمِ غیب، وحی، نبوت، شرائع سماویہ اور روحانی و اخلاقی قدروں کے انکار پر مبنی تھے۔ یہ تھی مغرب کے لائے ہوئے تمام فلسفوں کی مشترک بنیاد جن میں کوئی علم النفس تھا اور کسی کا موضوعِ بحث سیاست و اقتصاد، یہ فلسفے اپنے موضوعات والوں میں خواہ باہم کتنے ہی مختلف تھے۔ تاہم اس نقطے پر سب ملتے تھے کہ انسان

کائنات کو محض مادی نظر سے دیکھیں اور ان دونوں کے ظاہری احوال و افعال کی مادی توجیہہ کریں۔

یہ فلسفے مشرقی اسلامی معاشرے پر حملہ آور ہوئے اور اس کی باطن تک گھس گئے۔ یہ فلسفے سب سے بڑا دین تھے۔ جو تاریخ میں اسلام کے بعد پیدا ہوئے۔ سب سے بڑا دین اپنی وسعت اشاعت کے لحاظ سے سب سے گہرا دین اپنی جڑوں کے لحاظ سے اور سب سے طاقتور دین دلوں اور دماغوں کو مسخر کرنے کے لحاظ سے اسلامی ملکوں کا وہ طبقہ جو علم و فہم کے لحاظ سے ممتاز تھا۔ اس دین پر فریفتہ ہو گیا۔ اس نے اسے نہایت خوشگواری کے ساتھ حلق سے اتارا اور اطمینان کے ساتھ ہضم کر لیا۔ وہ اس دین کا ٹھیک اسی طرح پیرو بن گیا۔ جس طرح ایک مسلمان اسلام کا اور ایک مسلمان اسلام کا اور ایک مسیحی مسیحیت کا، حتیٰ کہ وہ اس پر جان دیتا ہے۔ اس کے شعائر کی عزت کرتا ہے۔ اس کے رہنماؤں اور داعیوں کی عظمت کا کلمہ پڑھتا ہے۔ اپنے ادب اور تالیفات میں اس دین کی دعوت دیتا ہے اور جو دین، جو نظام اور جو طرز فکر اس کے معارض ہوتا ہے۔ اس کی تحقیر کرتا ہے۔ اس دین کے ہر پیرو سے وہ اخوت کا رشتہ استوار کرتا ہے اور اس طرح یہ تمام افراد ایک امت، ایک خاندان اور ایک گروہ بن گئے ہیں۔

دین لادینیت یہ نیا دین ——— اگرچہ اس کے پیرو اس کو "دین" کا نام دینے سے انکار کرتے ہوں۔ کیا ہے؟ کائنات کو وجود میں لانے والی اس علیم و خبیر ہستی کا انکار جو مالک تقدیر بھی ہے اور رہنمائے حیات بھی (اَلَّذِی قَدَّرَ فَہَدٰی)، حیات بعد الموت، حشر، جنت و دوزخ، ثواب و عذاب کا انکار، نبوت و رسالت کا انکار، شرائع سماویہ اور حدود شرعیہ کا انکار اور اس حقیقت کا انکار کہ اللہ نے اپنی تمام مخلوق پر اپنے برگزیدہ رسول (خاتم الرسلؐ)

کی اطاعت فرض کی ہے اور ہدایت و سعادت کو اس کی پیروی میں منحصر کر دیا ہے اور اس بات کا انکار کہ اسلام وہ آخری اور دائمی پیغام ہے جو دین و دنیا کی تمام سعادتوں کا کفیل ہے اور زندگی کا ایک نظام ہے۔ جو سب سے اعلیٰ اور افضل ہے اور وہی وہ دین ہے۔ جس کے علاوہ کوئی دین اللہ کے یہاں مقبول نہیں، اور جس کے بغیر دنیا کی فلاح و سعادت کا کوئی امکان نہیں اور اس کا انکار کہ دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے اور انسان اللہ کے لئے۔

آج جس طبقے کے ہاتھ میں اکثر ممالک اسلامیہ کی زمام حیات ہے، اس کے افراد کی ایک بڑی تعداد اسی دین کی پیرو ہے، اگرچہ یہ سب پختگی ایمان اور سرگرمی عمل میں ایک درجے کے نہ ہوں، بحمد اللہ اس طبقے میں خاصی تعداد میں ایسے افراد بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اسلام کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر اس طبقے کا وہ وصف جو افسوس ہے کہ اس پر غالب ہو گیا ہے اور اس کے بہت مقتدر افراد کا دین یہی مادہ پرستی اور زندگی کا مغربی فلسفہ ہے، جو الحاد پر مبنی ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ یہ وہ ارتداد ہے۔ جس نے عالم اسلامی کو اس سرے سے اس سرے تک تاراج کیا ہے۔ گھر گھر اور خاندان خاندان اس کا حملہ ہوا ہے۔ یونیورسٹیوں، کالجوں اور اداروں سب پر اس کی یورش ہوئی ہے۔ مشکل ہی سے کوئی ایسا خوش قسمت خاندان ہو گا، جس میں اس دین کا کوئی پیرو کار، پرستار اور عقیدت گزار موجود نہ ہو۔ آپ جب ذرا اس سے تنہائی میں باتیں کریں گے، کچھ چھیڑیں گے اور اندر کی بات اگلوائیں گے تو دیکھیں گے کہ وہ ایمان باللہ سے محروم ہو گا یا ایمان بالیوم الآخر سے خالی ہو گا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ رکھتا ہو گا یا قرآن کو ایک معجزہ، ابدی کتاب اور دستور حیات نہ مانتا

ہوگا اور ان میں سب سے غنیمت وہ ہوگا، جو کہے گا کہ میں اس قسم کے مسائل پر غور نہیں کرتا اور ان کو کوئی بڑی اہمیت نہیں دیتا۔

ایک لاوارث مسئلہ

بلاشبہ یہ ارتداد ہے لیکن وہ مسلمانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کرسکا۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس ارتداد کا مارا ہوا کلیسا یا ہیکل میں نہیں جاتا اور نہ اپنے ارتداد اور تبدیلی مذہب کا اعلان کرتا ہے۔ نہ معاشرہ اس پر چونکتا ہے کہ احتساب و عتاب کی صورت پیش آئے اور فصل و انقطاع کا معاملہ درپیش ہو۔ پس وہ بدستور اسی سوسائٹی اور معاشرے میں رہتا ہے۔ اپنے تمام حقوق حاصل کرتا ہے۔ بلکہ معاشرے پر حاوی ہونے تک کا موقع اس کو مل جاتا ہے۔ یہ عالم اسلامی کا نہایت اہم مسئلہ اور بڑا قابل فکر معاملہ ہے۔ ارتداد پھیلتا ہے۔ اسلامی معاشرے پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اور کوئی اس پر چونکتا تک نہیں علمائے امت اور رجال دین اس سے کوئی پریشانی اور بے چینی نہیں محسوس کرتے۔ پہلے جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آتا تھا تو لوگ اس کو حل کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو یاد کیا کرتے تھے۔ ایسے موقع پر ضرب المثل تھی "قضیۃ ولا ابا حسن لہا" (ایک پیچیدہ فقہی مسئلہ درپیش ہے۔ لیکن کوئی نہیں جو اس کو حضرت علیؓ کی ذہانت کے ساتھ حل کرے) اس ارتداد کے موقع پر بے ساختہ حضرت ابوبکرؓ کی شان عزیمت یاد آتی ہے اور کہنا پڑتا ہے۔ "قضیۃ ولا ابا بکر لہا" ارتداد کی آگ پھیل رہی ہے۔ لیکن کوئی نہیں جو ابوبکر صدیقؓ کی قوت ایمانی اور شان عزیمت کے ساتھ اس پر قابو پاتے،

لیکن یاد رکھیے اس مسئلہ کا علاج جنگ نہیں اور نہ اس پر رائے عامہ کو بھڑکانا درست ہے۔ یہ برافروختگی اور سختی سے حل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ سختی الٹا نقصان پہنچائے گی اور فتنے کو اور بھڑکا دے گی اسلام خفیہ تحقیقاتی عدالتوں (INQUISITION

سے آشنا نہیں ہے۔ اور نہ وہ جبر وظلم کا روادار ہے۔ یہ معاملہ عزم وحکمت اور صبر وتحمل چاہتا ہے اور اس سے نپٹنے کے لئے غور وفکر اور گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے۔

لادینیت کی عالمگیر اشاعت کا راز

یہ نیا دین اسلامی دنیا میں کیوں کر پھیل سکا؟ کیسے اسے یہ طاقت حاصل ہو سکی کہ مسلمانوں پر عین ان کے گھر کے اندر حملہ آور ہو سکے؟ اور کیونکر اس کے لئے ممکن ہوا کہ لوگوں کی عقلوں اور طبیعتوں پر اس قدر قوت کے ساتھ مستولی ہو جائے؟ یہ سب سوالات ہیں جو بڑی گہری اور دقیق فکر اور بڑے وسیع مطالعہ کو چاہتے ہیں۔

قصہ یوں ہوا ہے کہ انیسویں صدی عیسوی میں دنیائے اسلام پر تھکاوٹ اور بڑھاپے کے آثار طاری ہونے لگے۔ دعوت وعقیدہ اور علم وعقلیت کے لحاظ سے وہ شدید ضعف وانحطاط کی کیفیت میں مبتلا ہو گئی ——

اسلام تو بے شک بڑھاپے کی منزل سے آشنا نہیں ہے۔ اس کی مثال سورج کی سی ہے کہ قدیم ہونے کے باوجود ہر وقت جدید اور ہر دم جوان۔ لیکن وہ مسلمان تھے جو ضعف وپیری کا شکار ہو گئے۔ علم میں وسعت، فکر میں ندرت، عقل کی عبقریت دعوت کے جوش وولولہ اور اسلام کو مؤثر طریقے پر پیش کرنے کے سلیقہ میں بڑا خلاء محسوس ہوتا تھا۔

مزید برآں یہ ہوا کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں سے ربط نہیں رکھا گیا اور نہ ان کے ذہن کو متاثر کرنے کی کوشش کی گئی، حالانکہ آنے والا دور انہیں کا تھا۔ اس نوخیز نسل کو اس بات کا قائل کرنے کی بہت کم کوشش کی گئی کہ اسلام ایک سدابہار پیغام اور دین انسانیت ہے۔ قرآن ہی تنہا وہ معجزہ اور ابدی کتاب ہے۔ جس کے عجائبات کی انتہا نہیں۔ جس کے ذخائر فکریہ کا اختتام نہیں اور جس کی جدت

اور کہنگی کا گزر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات سے ایک زبردست معجزہ تمام نسلوں کے رسول اور تمام زمانوں کے امام ہیں۔ اسلامی شریعت قانون سازی کا ایک معیاری نمونہ ہے۔ اس میں زندگی کے ساتھ چلنے اور اس کے صحیح مطالبات کا جواب دینے کی صلاحیت ہے۔ ایمان و عقیدہ اور اخلاق و روحانی اقدار ہی وہ بنیادیں ہیں۔ جن پر ایک شریف سوسائٹی اور پاکیزہ تمدن کی عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے۔ نئی تہذیب کے پاس صرف ذرائع و وسائل ہیں۔ اخلاق و عقائد اور غایات و مقاصد کا سرچشمہ صرف انبیا علیہم السلام کی تعلیمات ہیں اور ایک متوازن اور صالح تمدن کا قیام صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ مقاصد و وسائل صحیح تناسب کے ساتھ جمع ہوں۔

یہ صورت حال اور یہ وقت تھا جب یورپ اپنے فلسفوں کا لشکر لے کر اسلامی دنیا پر حملہ آور ہوا۔ وہ فلسفے جس کی تدوین اور تراش و خراش بڑے بڑے فلاسفہ اور یگانہ روزگار شخصیتوں کی ذہنی کاوشوں کا ثمرہ تھی۔ جنہوں نے ان پر ایسا علمی اور فلسفیانہ رنگ چڑھا یا تھا کہ معلوم ہو یہ فکر انسانی کی معراج ہے۔ مطالعہ و تحقیق اور عقل انسانی کی پرواز اس پر ختم ہے اور غور و فکر کا یہ وہ نچوڑ ہے۔ جس کے بعد کچھ اور سوچا نہیں جا سکتا۔ حالانکہ ان فلسفوں میں کچھ چیزیں وہ تھیں۔ جو تجربات و مشاہدات پر مبنی تھیں اور وہ صحیح تھیں اور بہت سی چیزیں وہ تھیں جو محض ظن و تخمین اور مفروضات و تخیلات پر مبنی تھیں۔ گویا ان میں حق بھی تھا اور باطل بھی۔ علم بھی تھا اور جہل بھی، محکم حقائق بھی تھے اور شاعرانہ تخیلات بھی ——
شاعری، یہ نہ سمجھئے کہ نظم و قافیہ بندی ہی میں منحصر ہے، یہ فلسفہ و علم کے میدان میں بھی ہوتی ہے۔

یہ فلسفے مغربی فاتحین کے جلو میں آئے اور مشرقی عقل و طبیعت نے فاتحین

کے ساتھ ساتھ ان کی اطاعت بھی قبول کر لی۔ مشرق کے تعلیم یافتہ طبقے نے بڑھ کر ان کو قبول کر لیا۔ ان لوگوں میں وہ بھی تھے۔ جنہوں نے سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ مگر وہ کم تھے۔ زیادہ تر وہ تھے۔ جو ذرا بھی نہیں سمجھے لیکن اس پر ایمان بالغیب رکھتے تھے یہ سب ایک سرے سے مسحور تھے۔ ان فلسفوں پر ایمان لانا ہی عقل و خرد کا معیار بن گیا اور اس کو روشن خیالوں کا شعار سمجھا جانے لگا۔

اس طرح یہ الحاد و ارتداد اسلامی ماحول اور اسلامی دائروں میں بغیر کسی شورش اور کشمکش کے پھیل گیا۔ نہ باپ اس انقلاب پر چونکے، نہ اساتذہ اور مربیوں کو خبر ہوئی اور نہ غیرت ایمانی رکھنے والوں کو کوئی جنبش ہوئی۔ اس لئے کہ یہ ایک خاموش انقلاب۔ اس الحاد و ارتداد کو اختیار کرنے والے کسی کلیسا میں جا کر نہیں کھڑے ہوئے۔ نہ کسی معبد میں داخل ہوئے۔ نہ کسی بت کے آگے انہوں نے ڈنڈوت کی اور نہ کسی استھان پر جا کر قربانی پیش کی۔ اگلے دور میں یہی سب علامات تھیں جن سے کفر و ارتداد اور زندقہ کا علم ہوتا تھا۔

نفاق و الحاد

اگلے مرتدین اسلامی سوسائٹی سے منسلک ہو جایا کرتے تھے جس کا دین وہ قبول کرتے تھے اور اپنے عقیدے کی تبدیلی کی صراحت اور جرأت کے ساتھ اعلان کر دیتے تھے۔ پھر جو کچھ نئے مذہب کی راہ میں انہیں برداشت کرنا پڑتا تھا۔ برداشت کرتے تھے۔ انہیں اس پر اصرار نہیں ہوتا تھا کہ پرانی سوسائٹی میں جو حقوق اور منافع انہیں حاصل تھے۔ ان کو محفوظ رکھنے کے لیے اس سوسائٹی سے چپکے رہیں۔ لیکن آج جو لوگ دین اسلام سے اپنا تعلق منقطع کرتے ہیں، وہ اس پر تیار نہیں ہوتے کہ اسلامی سوسائٹی سے بھی اپنا رشتہ کاٹ لیں۔ حالانکہ دنیا بھر میں اسلامی معاشرہ ہی تنہا وہ معاشرہ ہے جس کی تاسیس و ترکیب عقیدے کی بنیاد پر ہے اور مخصوص عقائد کے بغیر اسلامی معاشرہ وجود

ہی میں نہیں آتا۔ لیکن یہ نئے مرتدین اصرار کرتے ہیں کہ اس معاشرے کے نادر پر
فوائد حاصل کرتے ہوئے اپنی جگہوں پہ جمے رہیں اور اسلام کے بخشے ہوئے تمام حقوق
سے متمتع ہوتے رہیں۔ یہ ایک نرالی صورتِ حال ہے۔ جس سے اسلام کی تاریخ
کو کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔

جاہلی عصبیت اور "مذہب قوم پرستی"

ان فلسفوں نے جہاں سے ایک طرف عقائد اور
اخلاقی قدروں کو مجروح کیا ہے۔ وہاں ان جاہلی جذبات و احساسات کی تخم ریزی
بھی دنیائے اسلام میں کی ہے۔ جن سے اسلام نے کھل کر جنگ کی تھی اور جن پر
پیغمبر اسلام نے پوری قوت سے چوٹ لگائی تھی۔ مثال کے طور پر عصبیت جاہلیہ
کو لیجیے جو نسل، وطن یا قومیت، کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس کی اس قدر تقدیس
کی جاتی ہے۔ اس طرح اس پر جان دی جاتی ہے اور انسانی برادری کو اس کی بنیادوں
پر تقسیم کرنے میں اتنا غلو پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ (عصبیت) ایک مستقل عقیدہ اور ایک
مستقل دین بن جاتی ہے۔ دل و دماغ پر اس طرح اس کا قبضہ ہو جاتا ہے کہ ساری
زندگی کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ یہ اپنی ہمہ گیری، اپنی طاقت اور
اپنے اثرات کی گہرائی اور مضبوطی کے لحاظ سے بلاشبہ دین و مذہب کی حریف ہے
اور اس کی گرفت انسان کی پوری زندگی پر ہوتی ہے۔ یہ جب کسی معاشرے پر چھا جاتی
ہے تو انبیاء علیہم السلام کی کوششوں اور کارناموں پر پانی پھر جاتا ہے۔ اور دین عبادات
اور چند رسوم و رواج کے دائرے میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے جو پوری زندگی پر فرمانروائی
کے لئے آیا تھا۔ پھر اس کے نتیجہ میں عالم انسانیت چند متحارب کیمپوں میں تقسیم ہو جاتا
ہے اور وہ "امت واحدہ" جس کے متعلق پروردگار عالم کا ارشاد ہوا تھا، "وَاِنَّ
هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ"

پارہ پارہ ہوکر بے شمار امتوں میں بٹ جاتی ہے۔

اسلام اس عصبیت سے کیوں برسر جنگ ہے؟

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عصبیت جاہلیہ کے خلاف پوری شدت سے جنگ کی تھی۔ اس کے بارے میں اپنی اُمت کو صاف الفاظ میں آگاہی دی تھی اور ہر اس بنیاد پر تیشہ چلایا تھا۔ جس سے یہ ابھر سکتی ہے اور اس باب میں یہ رویہ ضروری بھی تھا۔ اس لئے کہ ان عصبیتوں کے ساتھ ایک عالمی دین کے قیام کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اور امت واحدہ کی وحدت چار دن بھی سلامت نہیں رہ سکتی تھی۔ اس عصبیت کی مذمت اور اس کی تردید شریعت اسلامیہ میں ایک مسلم حقیقت ہے۔ بے شمار نصوص ہیں جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں، بلکہ اسلام کا اس عصبیت سے بُعد ایک بدیہی چیز ہے۔ جو شخص اسلام کے مزاج سے بلکہ مطلق دینی مزاج ہی سے واقف ہوگا۔ اس پر بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ یہ مزاج ان عصبیتوں کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتا۔ سیاسی رجحانات وخیالات سے خالی الذہن ہوکر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ بین الانسانی تفرق اور عالم انسانیت کی تباہی وتخریب میں جو عوامل کارفرما رہے ہیں۔ ان میں ان جاہلی عصبیتوں کا درجہ بہت اونچا ہے، پس قدرتی بات ہے کہ:۔

- جو انسان اس لئے آیا ہو کہ پوری دنیا کو ایک اکائی بنائے۔
- جو اس لئے آیا ہو کہ تمام نوعِ انسانی کو ایک جھنڈے کے نیچے اور ایک عقیدے پر جمع کرے۔
- جو اس لئے آیا ہو کہ ایک نیا معاشرہ وجود میں لائے جو دین ایمان برب العالمین کی بنیادوں پر استوار ہو۔

- جو اس لے آیا ہو کہ خارزار عالم میں امن و سلام کے پھولوں کی سیج بچھائے ۔
- جو اس لے آیا ہو کہ انسانیت کے پورے خاندان کو محبت و الفت کی ایک لڑی میں پروئے ۔
- جو اس لے آیا ہو کہ انہیں باہم شیر و شکر کرکے اس طرح یک جان بنادے کہ ایک کو دکھ ہو تو دوسرا بھی تڑپے ۔

اس مشن کے حامل انسان کے ۔ یہ تو بالکل قدرتی اور بالکل عقلی بات ہے کہ ـــــــ وہ ان نسلی، قومی اور عصبیتوں کے خلاف کھلا اعلانِ جنگ دے اور اس انتہائی حد تک ان کے خلاف لڑے کہ یہ قصہ ماضی بن کر رہ جائیں ۔

ممالک اسلامیہ میں "قوم پرستی" کی مقبولیت

لیکن یورپ کے سیاسی اور ثقافتی غلبہ کے بعد سے دنیائے اسلام کا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے وجود میں آئی حال یہ ہے کہ وہ انہیں عصبیتوں کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دے رہی ہے اور اس طرح انہیں مانے جارہی ہے ۔ جیسے کوئی علمی نظریہ اور کوئی حقیقت ثابتہ ہو ۔ جس سے مفر نہ ہو ۔ آج اس دنیائے اسلام کا حال یہ ہے کہ اس میں بسنے والی تمام قومیں حیرت انگیز حد تک ان عصبیتوں کو زندہ کرنے اور ان کے گن گانے کی طرف راغب ہیں ۔ جن کو اسلام ہی نے موت کے آغوش میں سُلا یا تھا ـــــــ حتیٰ کہ ان قومی و جاہلی شعائر کے احیاء کا جذبہ بھی آج موجزن ہے ۔ جو کھلی ہوئی بت پرستی کا مظہر ہیں ـــــــ ان ملکوں میں اس عہد قبل اسلام کو سرمایہ افتخار گردانا جا رہا ہے ۔ جسے اسلام "جاہلیت" اور صرف جاہلیت کا نام دیتا ہے ـــــــ اور یہ وہ لفظ ہے جس سے زیادہ وحشت اور تنفر انگیز کوئی دوسرا لفظ اسلام کی لغت میں موجود نہیں ـــــــ جس سے نجات پانے کو، قرآن مسلمانوں پر

احسان ٹھہراتا ہے اور تلقین کرتا ہے کہ مسلمان اس نعمت کا شکریہ ادا کریں

(ترجمہ) "اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تم تھے آپس میں دشمن پس الفت ڈالی اس نے تمہارے دلوں میں ۔ سو اب ہو گئے تم اس کے فضل سے بھائی بھائی اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے تو اس سے تم کو نجات دی " (آل عمران آیت ۱۰۳)

(ترجمہ) " بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے راہ دی تم کو ایمان کی اگر سچ کہو " (الحجرات ۱۷)

(ترجمہ) " وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر صاف آیتیں تاکہ نکال لائے تم کو اندھیروں سے اجالے میں اور اللہ تم پر نرمی کرنے والا مہربان ہے " (الحدید ۹)

ممالک اسلامیہ میں دورِ "جاہلیت" کا اعزاز

لیکن بہت سے اسلامی ملکوں اور مسلمان قوموں کا حال اس وقت یہ ہے کہ وہ مغربی فلسفوں اور اہلِ مغرب کی طرزِ فکر سے مرعوبیت کے ماتحت اپنے قبلِ اسلام کے دور اور اس عہد کی تہذیب و رسوم کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں ۔ ان میں اس عہد سے دلی لگاؤ سا پیدا ہوتا جا رہا ہے ۔ ان میں خواہش پیدا ہو رہی ہے کہ اس عہد کے شعائر کو زندہ کریں اور اس کے مشاہیر، بادشاہوں اور ناموروں کو تاریخ کی زندہ جاوید ہستیوں میں جگہ دلاویں گویا یہ ان کا کوئی زریں دور تھا اور کوئی نعمت تھی جو اسلام نے ان سے چھین لی ——— العیاذ باللہ ! یہ کیسی کھلی ناشکری اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی کیسی ناقدری ہے ——— اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کفر و بت پرستی کی شناعت دلوں سے نکل گئی ہے اور جاہلی خرافات سے کوئی نفرت باقی نہیں

رہ گئی ہے ——— اور یہ وہ باتیں ہیں کہ ایک باشعور مسلمان کے متعلق ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان پر تو ایمان اگر سلب ہو جائے، اسلام کی دولت سے محروم کر دیا جائے اور اللہ کی رحمت کے بجائے اس کا عتاب سامنے آجائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ——— قرآن نے آگاہ کیا ہے:۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۔ (ہود)	اور مت میلان رکھو ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم (شرک) کیا اور نہ کہیں تم کو بھی آگ نہ پکڑ لے اور نہ نکلے اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی مددگار، پھر نہ ہو سکے تمہاری کوئی مدد۔

دینی و اخلاقی انتشار

ان قوم پرستانہ رجحانات کے علاوہ ایک اور فتنہ بھی ہے۔ جس سے آج کا عالم اسلام دوچار ہے، اور وہ ہے۔ اونچے طبقوں میں آنکھیں بند کر کے مادیات کے پیچھے دوڑنے کا رجحان کہ ہر عقیدہ اور ہر قدر اس پر قربان، دوسرے الفاظ میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کا رجحان، دنیاوی زندگی پر فریفتگی اور نفس پرستی کا رجحان اور پھر اس کے نتیجے میں جو کچھ ہوا کرتا ہے۔ یعنی اخلاقی بے راہروی، محرمات الٰہیہ کا استخفاف فسق و شراب کا شیوہ و عموم اور اسلامی فرائض و قیود سے اس طرح کلی آزادی، جیسے اس طبقہ کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں یا اسلامی شریعت منسوخ ہو چکی ہے۔ ——— اور وہ کوئی داستان پارینہ اور قصہ و افسانہ ہے۔ دنیائے اسلام کے تمام ملکوں کے اونچے طبقے کے افراد میں بہت بڑی تعداد آپ کو اسی رنگ اور اسی مسلک کی ملے گی ——— گویا ایک ہی تصویر ہے۔ جس کی مختلف کاپیاں کر دی گئی ہیں

عالمِ اسلام کے لئے سب سے بڑا خطرہ

یہ ہے اجمال کے پیرایے میں آج کے عالمِ اسلامی کی دینی اور اعتقادی تصویر! اس تصویر میں جو کچھ نظر آتا ہے۔ میرے نزدیک یہ جاہلیت کی ایک موج ہے جو اسلام کا سارا سرمایہ بہائے لئے جارہی ہے، دنیائے اسلام کو اپنی پوری تاریخ میں اس سے زیادہ سرکش موج سے سابقہ نہیں ہے نہ اس جیسی طاقت ور مخالف موج کا سامنا عالمِ اسلامی کو کبھی ہوا ہے اور نہ اس جیسی ہمہ گیر موج کا اور پھر اس کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس کی ہلاکت خیزیوں پر چونکنے والے کم اور وہ تو کم سے بھی کمتر ہیں۔ جو سب کچھ چھوڑ چھاڑ اور اپنی ساری قوتوں کا سرمایہ لے کر اس کے مقابلے پر ڈٹ گئے ہوں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی میں یونانی فلسفے کے اثر سے جونہی الحاد و زندقہ پھیلنا شروع ہوا۔ فوراً ایسی ہستیاں سامنے آکھڑی ہوئیں۔ جنہوں نے اپنے علمی تبحر، عظیم عقلیت، نادرۂ روزگار ذکاوت اور قومی شخصیت کے سارے ہتھیاروں سے اس کے خلاف جنگ کی۔ ایسے ہی باطنیت اور ملاحدہ کی جماعت کا ظہور ہوا۔ تو اس کے مقابلے میں بھی علم و حکمت اور دلیل و برہان کی تلواریں لے کر اسلام کے سرفروش میدان میں آکودے، چنانچہ اسلام ان بروقت نصرتوں کی بناء پر علمی و عقلی اعتبار سے ایسی مضبوط پوزیشن میں رہا کہ مخالفت کی موجیں اٹھتیں اور سر ٹکرا کر واپس چلی جاتیں، سیلاب کے ریلے آتے اور بے اثر ہو کر گزر جاتے۔

اوّلین مسئلہ

عالمِ اسلام کا وہ مسئلہ جو طوفان بن کر کھڑا ہوا ہے اور جس کا رخ براہِ راست دین کی طرف ہے۔ کفر و ایمان کا یہی مسئلہ ہے، سوال یہ ہے کہ اسلامی دنیا اسلام پر قائم رہے گی یا اس کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دے گی؟ ——— اسلامی دنیا میں آج ایک معرکہ

برپا ہے۔ جس میں ایک طرف مغرب کا فلسفۂ لادینیت ہے۔ دوسری طرف اسلام ——— خدا کا آخری پیغام! ——— ایک طرف مادیت ہے اور دوسری طرف آسمانی شریعت! میں سمجھتا ہوں کہ یہ دین اور لادینیت کا آخری معرکہ ہے اور اس کے بعد دنیا دونوں میں سے کسی ایک رُخ کو اختیار کرے گی ———

مقدس ترین جہاد

• آج کا جہاد ، وقت کا فریضہ اور عصرِ حاضر کی سب سے بڑی دینی ضرورت یہ ہے کہ لادینیت کی اس طوفانی موج کا مقابلہ کیا جائے جو عالمِ اسلام کے سر سے گزر رہی ہے۔ نہیں! بلکہ اس کے قلب و مرکز پر حملہ کیا جائے۔ وقت کا تجدیدی کام یہ ہے کہ امت کے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقے میں اسلام کے اساسات و عقائد، اس کے نظام و حقائق اور رسالتِ محمدی پر وہ اعتماد واپس لایا جائے۔ جس کا رشتہ اس طبقے کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔

• آج کی سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ اس فکری اضطراب اور ان نفسیاتی الجھنوں کا علاج بہم پہنچایا جائے۔ جن میں آج کا تعلیم یافتہ نوجوان بری طرح گرفتار ہے اور اس کی عقلیت ، اور علمی ذہن کو اسلام پر پوری طرح مطمئن کر دیا جائے۔

• آج کا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ جاہلیت کے وہ بنیادی افکار جو دل و دماغ میں گھر کر گئے ہیں۔ ان سے علم اور عقل کے میدانوں میں نبرد آزمائی کی جائے، یہاں تک کہ اسلام کے اصول ، و مبادی ، پورے ایمانی جذبات کے ساتھ ان کی جگہ لے لیں!

ڈیڑھ ایک صدی گزرتی ہے کہ یورپ ہمارے نوجوان اور ذہین طبقے پر چھاپے مار رہا ہے۔ تشکیک و الحاد ، نفاق و ارتیاب کا ایک طوفان ہے جو اس نے ہمارے دل و دماغ میں برپا کر رکھا ہے۔ غیبی اور ایمانی حقائق پر اعتماد متزلزل

ہو رہے اور سیاست اور اقتصاد کے مادہ پرستانہ نظریات اس جگہ پر قابض ہو رہے ہیں ——— کامل ایک صدی سے اس شکست و ریخت کا سلسلہ جاری ہے ——— لیکن ہمیں اس کے مقابلے کی کوئی فکر نہیں ہوئی، ہم نے اسکی کوئی پرواہ نہیں کی کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق قدیم علمی ترکہ پر اضافہ کرنا بھی ہمارا فرض ہے ——— ہمیں اس کوئی دلچسپی نہیں ہوئی کہ یورپ کے ان فلسفوں کو سمجھیں اور پھر ان کا علمی محاسبہ بلکہ سرجنوں کی طرح ان کا پوسٹ مارٹم کریں۔ ہمارا سارا وقت سطحی بحثوں کی نذر ہوتا رہا، یہاں تک کہ اس صدی کے آخر میں ہمارے سامنے گویا یکایک یہ منظر آیا کہ ایمان وعقیدہ کی دنیا متزلزل ہے اور ایک ایسی نسل تیار ہو کر برسرِ اقتدار آچکی ہے جو نہ اسلام کے عقائد و مبادی پر ایمان رکھتی ہے، نہ اسلامی جذبات اور اسلامی حمیّت سے معمور ہے اور نہ اس کا کوئی علاقہ اپنی مومن و مسلم قوم سے اس کے سوا ہے کہ قومیت کے خانے میں اس کا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا ہے یا اگر کچھ تعلق ہے تو وہ محض سیاسی مصالح کی حد تک! بس اس کے سوا کوئی تعلق نہیں! اور اب اس سے بھی آگے بڑھ کر صورتِ حال یہ ہے کہ یہ لادینی مزاج اور لادینی اندازِ فکر، ادب وثقافت اور صحافت و سیاست کے راستے سے جمہور تک پہنچ چکا ہے اور مسلمان قوموں کے سر پر عمومی پیمانے کی لادینیت کا خطرہ منڈلا رہا ہے ——— خاکم بدہن! وقت کی رفتار، وہ وقت قریب لا رہی ہے کہ اسلام کو زندگی کے میدان سے کہیں بے دخل کر کے نہ رکھ دیا جائے۔

دعوتِ ایمان یہ وقت عالمِ اسلامی میں ایک نئی اسلامی دعوت کا متقاضی ہے، اس دعوت و جد وجہد کا نعرہ اور نشانہ ہو "آؤ پھر سے اسلام پر ایمان پیدا کریں"! ——— لیکن

تنہا نعرہ کافی نہیں ہے۔ اس میں پہلے وہ نفسیاتی راستہ سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جس سے عالمِ اسلام کے موجودہ برسرِ اقتدار طبقہ کے دل و دماغ تک پہنچا جا سکے اور اسے اسلام کی طرف لوٹایا جا سکے۔

بے غرض داعیوں کی ضرورت

آج عالمِ اسلام کو ایسے مردانِ کار کی ضرورت ہے جو صرف اسی دعوت کے پیچھے ہو رہیں۔ اپنا علم اپنی صلاحیتیں اور اپنا مال و متاع اس کے لئے وقف کردیں، کسی جاہ و منصب یا عہدہ و حکومت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں، کسی کے لئے ان کے دل میں کینہ و عداوت نہ ہو، فائدہ پہنچائیں، مگر خود فائدہ نہ اٹھائیں دینے والے ہوں، لینے والے نہ ہوں، ان کا طرزِ عمل سیاسی رہنماؤں کے طرزِ عمل سے ممتاز اور ان کی دعوت و جد وجہد سیاسی تحریکات (جس کا مطمحِ نظر محض حصولِ اقتدار ہوتا ہے) مختلف اور جداگانہ ہو، اخلاص ان کا شعار ہو اور نفس پرستی، خود پسندی اور ہر قسم کی عصبیت سے بالاتری ان کا امتیاز!

دعوت کے لئے نئے علمی اداروں کی ضرورت

اس پر اضافہ یہ ہے کہ آج ایسے علمی ادارے (ACADEMIES) عالمِ اسلامی کی بڑی اہم ضرورت ہیں جو ایسا طاقتور نیا اسلامی ادب پیدا کریں جو ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دوبارہ کھینچ کر اسلام ———— وسیع معنی میں اسلام ———— کی طرف لا سکے جو انہیں مغرب کے ان فلسفوں کی ذہنی غلامی سے نجات دلا سکے، جنہیں ان میں سے کچھ نے سوچ سمجھ کر اور زیادہ تر نے محض وقت کی ہوا سے متاثر ہو کر حرزِ جان بنایا ہے ———— وہ ادب ———— جو ان کے دماغوں میں ازسرِ نو اسلام کی بنیادیں اٹھائے اور قلب و روح کی غذا بنے ———— اس کام کے لئے عالمِ اسلام کے

ہر گوشے میں آج ایسے اربابِ عزیمت درکار ہیں جو معرکے کے اختتام تک اس علمی محاذ پر جمے رہیں۔

میں اپنے بارے میں صراحت کے ساتھ بتا دینا چاہتا ہوں کہ زندگی کے کسی لمحے اور کسی وقفے میں بھی ان لوگوں میں نہیں رہا ہوں، جو دین و سیاست کی تفریق کے قائل ہیں، نہ میں ان لوگوں میں ہوں جو دین کی ایسی تعبیر کرتے ہیں، جس سے وہ زندگی کے ہر نظام اور حالات کے ہر سانچے میں (خواہ وہ اسلام سے کتنا ہی ہٹا ہوا ہو) فٹ ہو جائے اور ہر رنگ کی سوسائٹی میں جڑ جائے اور نہ میرا تعلق کبھی اس گروہ سے رہا ہے جو سیاست کو قرآن کے شجرۂ ملعونہ ــــــــــ "اَلشَّجَرَۃُ المَلعُونَۃُ فی القرآنِ" ــــــــــ کا مصداق سمجھتا ہے، میں ان لوگوں کی اگلی صف میں ہوں جو مسلمان قوموں میں صحیح سیاسی شعور کے داعی ہیں اور ہر اسلامی ملک میں صالح قیادت کو بروئے کار دیکھنا چاہتے ہیں، میں ان لوگوں میں ہوں، جن کا اعتقاد ہے کہ دینی معاشرہ اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا۔ جب تک دین کو اقتدار حاصل نہ ہو اور حکومت کا نظام اسلامی بنیادوں پر استوار نہ ہو، میں اس کا داعی ہوں اور زندگی کی آخری سانس تک رہوں گا۔

ماضی کے تجربے

لیکن بات ترتیب اور تقدیم اور تاخیر کی ہے۔ دینی حکمت اور دینی تفقہ کی ہے اور سوال حالات کے تقاضے کا ہے اب تک ہماری کوششیں اور ہماری صلاحیتیں ہمارے وسائل اور ہمارے اوقات سیاسی اور تنظیمی تحریکات کی نذر ہو رہے ہیں اور یہ ساری جدوحرکت اس مفروضے پر رہی کہ قوم میں پورا پورا ایمان ہے اور قوم کی قیادت ــــــــــ جو لامحالہ تعلیم یافتہ طبقے ہی سے ہوتی ہے ــــــــــ وہ بھی پوری طرح مسلمان ہے۔ اسلام کے عقائد و مبادی پر اس کا ایمان ہے، اسلام کی سربلندی کے لئے اس

کے دل میں جوش و جذبہ ہے اور حدود و احکام کے نفاذ کے لیے بھی وہ تیار ہے۔ حالانکہ بات برعکس ہے۔ قوم کا حال یہ ہے کہ ایمان میں ضعف اور اخلاق میں انحطاط آچکا ہے لیکن اس کا نہ ہمیں پتہ چلا نہ خود قوم کو شعور ہوا۔ تعلیم یافتہ اور اونچے طبقے کا حال یہ ہے کہ مغربی فلسفوں اور سیاست و اقتدار کے اثر سے بیشتر افراد میں عقیدہ گویا پگھل چکا ہے، بلکہ بہت سوں کا حال تو یہ ہو چکا ہے کہ اسلامی عقیدے سے کھلے باغی اور مغربی فلسفوں کے لائے ہوئے افکار و عقائد پر دل کی گہرائیوں سے ایمان ان کے لیے دنیا سے لڑ جانے کا جوش و ولولہ اور ان کی نشر و اشاعت کا جنون یہ فکر کہ زندگی کا نظام ان فلسفوں کی روشنی اور ان کی دی ہوئی بنیادوں پر استوار کیا جائے اور یہ کوشش کہ پوری قوم کو اس لادینیت سے مانوس کیا جائے یہ ہے اس طبقے کے بہت سے افراد کا ذہنی حال پھر عمل کے میدان میں بعض جلد باز ہیں، بعض تدریج کے قائل ——— بعض اس لادینی رجحان کو طاقت کے زور سے قوم پر ٹھونس دینا چاہتے ہیں اور بعض قوم کو اس شیشے میں خوبصورتی کے ساتھ اتارنے کی راہ پر گامزن ہیں، مگر منزل سب کی ایک اور مقصد و ہدف سب کا واحد!

دینی طبقے کے دو متضاد گروہ | اس طبقے کے بارے میں ہمارا دینی طبقہ ——— بہ شرطیکہ یہ تعبیر درست بھی ہو، کیونکہ اسلام میں کوئی مخصوص دینی طبقہ اور پاپائیت جیسی کوئی چیز نہیں ہے اپنے رویہ کے اعتبار سے دو گروہوں میں تقسیم ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو اس سے برسر جنگ ہے۔ اس کی تکفیر کرتا ہے اور اس کے سائے سے بھی دور رہنا پسند کرتا ہے۔ لیکن ان اسباب و علل کی جستجو سے بالکل مستغنی ہے۔ جنہوں نے اس طبقے میں لادینیت کا رجحان پیدا کیا۔ یہ گروہ اس کا قائل نہیں کہ اس طبقے

سے اختلاط پیدا کیا جائے، دین اور رجال دین سے اس کی وحشت دور کی جائے۔ اگر کوئی ایمان وخیر کا ذرّہ اس میں موجود ہے تو اسے بڑھوا دیا جائے، مؤثر اسلامی لٹریچر کے ذریعہ اس کے اندر دینی افکار اتارے جائیں اس کے جاہ و مال اور قوت و اقتدار سے استغناء دکھا کر اسلامی کردار کی عظمت کا نقش قائم کیا جائے مخلصانہ اور حکیمانہ نصیحت کی جائے اور اس طرح اس کے احوال اور دماغ کو بدلا جائے۔

دوسرا گروہ اس کی بالکل ضد ہے، وہ اس طبقے سے تعاون کرتا ہے۔ مال و جاہ میں اس کا شریک بنتا ہے۔ اس کے ذریعہ اپنی دنیا بناتا ہے، اس کا دین سنوارنے کی فکر نہیں کرتا۔ پس اس گروہ میں نہ کوئی دعوتی روح ہے نہ دینی غیرت کا مظاہرہ نہ یہاں اس بگڑے ہوئے طبقے کی اصلاح کی کوئی حرص وفکر پائی جاتی ہے اور نہ اسے اس قرب وتعاون میں کوئی پیغام ملتا ہے۔

اصلاح اور دینی انقلاب کیلئے جس گروہ کی ضرورت ہے

ایسا کوئی گروہ نہیں جو اس صورت حال پر دردمند ہو، جو یہ سمجھے کہ یہ اونچا تعلیم یافتہ طبقہ مریض ہے، مگر علاج کے لائق اور شفایابی کے قابل اور پھر اس کے علاج کی فکر کرے، حکمت ونرمی کے ساتھ دین کی دعوت لے کر اس میں گھسے اور بے لوث نصیحت کا حق ادا کرے ایسا کوئی تیسرا گروہ نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے اس مغرب زدہ عنصر کو دین اور دینی ماحول سے قریب ہونے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ اس کی ساری زندگی اس ماحول سے وحشت اور دوری میں کٹتی ہے اور پھر اس کے .... بعد ووحشت کو اہل دین کا گروہ اور بڑھا دیتا ہے، ایسے ہی وہ ایک گروہ بھی اس بعد و وحشت میں اضافے کا سبب بنتا ہے جو دین کے نام پر اس طبقے سے جاہ ومنصب اور حکومت وسلطنت کیلئے جنگ کرتا ہے۔ یہ دونوں گروہ سوائے اس کے کچھ نہیں کرتے کہ اس طبقے کو دین

سے خائف کریں اور ایک بغض و عناد کی کیفیت پیدا کریں۔ انسان کی فطرت ہے کہ اگر وہ دنیا کا حریص ہے تو اس معاملے میں اپنے کسی رقیب کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر حکومت و سلطنت ہی اس کا مقصد زندگی ہے تو اس میدان کے حریف کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتا اور اگر بندۂ نفس اور خوگر عیش و عشرت ہے تو یہ ممکن ہے کہ وہ اس دنیا میں کسی کو سہیم و شریک بننے کی اجازت دے دے۔

عالم اسلامی کے درد کی دوا آج وہ گروہ ہے، جو خواہشات سے بلند اور داعیانہ بے غرضی کا پیکر ہو، ہر اس بات سے دامن بچائے جس سے وہم بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اسے دنیا کی طلب ہے یا اس کا مطمح نظر اپنے لئے، اپنی پارٹی کے لئے یا اپنے خاندان کے لئے حکومت و اقتدار کا حصول ہے، وہ گروہ جو اس طبقے سے میل ملاقات کے ذریعہ مراسلات اور گفتگو کے ذریعہ، دعوتی اسفار کے ذریعہ، پر اثر اسلامی ادب کے ذریعہ شخصی روابط کے ذریعہ، پاکیزگی کردار اور علو اخلاق کے ذریعہ، زہد و استغنا اور پیغمبرانہ اخلاق کی پر اثر نمائندگی کے ذریعہ ان نفسیاتی اور عقلی گرہوں کو کھول دے جو مغربی علوم نے پیدا کی ہوں یا دینی طبقے کی بے تدبیری سے پڑی ہوں یا کم فہمی، کم نظری اور اسلام اور اس کے صحیح ماحول سے بُعد ان کا سبب ہوا ہو۔

اس طرز پر کام کرنے والوں کی کامیابی

یہی وہ گروہ ہے۔ جس سے ہر دور میں اسلام کی خدمت بن آئی ہے۔ اموی سلطنت کا رخ پھیر دینے اور تخت خلافت پر عمر بن عبدالعزیز کو لا بٹھانے کا سہرا اسی گروہ کے سر ہے۔ جس کی نمائندگی رجاء بن حیوۃ نے کی اور پھر ہندوستان میں مغل سلطنت میں اسی نوعیت کا انقلاب بھی اسی گروہ کا رہین منت ہے۔ اکبر جیسے طاقتور بادشاہ نے اسلام سے انحراف کر کے اور کھلی اسلام دشمنی پر کمر باندھ کے گویا یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اس اسلامی برِّاعظم کو جو چار صدیاں اسلامی حکومت

کے سانچے میں گزار چکا تھا، پھر پرانی جاہلیت کے سانچے میں ڈھال دے، لیکن اس حکیمانہ دعوت اور ایک ایسے حکیم اور داعئ اسلام کے ظہور میں آنے کے طفیل جس نے اسلام کے لئے خلوص اور اس کے تفقہ کا حق ادا کیا ــــــــــ اور اس کے جانشینوں کی کوششوں کے طفیل یہ ملک اک بار اسلام کے ہاتھ سے نکل کر ہاتھ میں آ یا ــــــــــ اور پہلے سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ آیا ــــــــــ اکبر کے تخت پر پے درپے ایسے بادشاہ آئے جن میں سے ہر ایک اپنے پیش رو سے بہتر تھا، حتیٰ کہ نوبت اورنگ زیب عالمگیر تک پہنچی وہ اورنگ زیب جس کا ذکر تاریخ اسلام اور تاریخ اصلاح کا ایک زرین باب ہے ــــــــــ

اور معلوم ہے کہ تاریخ ہمیشہ دہرائے جانے اور بار بار دہرائے جانے کے لئے تیار ہے۔ اسے کبھی اس عمل سے انکار نہیں ہوا۔ بس بات صرف اس وقت کی رہی ہے۔ جو اس کا رخ پھیر سکے اور اسلام کے تابندہ ادوار کو دہرا کر لانے والی قوت صرف دعوت اور یہی حکمت و اخلاص ہے!

سنگین صورت حال

اس صورت حال کا پہلی ہمت و استقلال اور حکمت و دانائی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔

دنیائے اسلام پر آج ایک دینی فکری اور تہذیبی ارتداد کی سخت مصیبت آئی ہوئی ہے۔ یہ مصیبت ان تمام لوگوں کے غور و فکر کا موضوع بن جانی چاہیئے جو اسلام کا درد رکھتے ہیں، آج ہر اسلامی ملک کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کے بہت سے افراد کا حال یہ ہے کہ اعتقاد و ایمان کا سر رشتہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے اخلاقی بندشیں وہ توڑ کر پھینک چکے ہیں۔ انداز فکر ان کا سرتا سر مادی ہو چکا ہے اور سیاست میں انہوں نے لادینیت کا نظریہ اپنا لیا ہے، اگر "اکثر" کا لفظ بولتے ہوئے مجھے خوف بھی ہو تو میں یہ ضرور کہوں گا کہ ان میں بہت سے ایسے ہیں، جو

علام پر ایک عقیدے اور ایک نظام کی طرح ایمان نہیں رکھتے، اور مسلمان عوام ——— باوجودیکہ ان میں خیر وصلاح کے تمام جوہر موجود ہیں اور وہ اپنی طبیعت سے انسانیت کا صالح ترین گروہ ہیں ——— اس طبقے کی علمی بالاتری، ذہنی تفوق اور اثر ونفوذ کی بنا پر اس کے ماتحت اور مطیع ہیں۔

اگر یہ صورت حال یونہی چلتی رہی تو یہ الحاد وفساد ان عوام میں بھی گھس کر رہے گا۔ دیہاتوں کے سادہ دل مسلمان بھی اس کی لہروں سے نہ بچ سکیں گے اور کھیت اور کارخانوں کے مزدوروں کا بھی دین وایمان یہ پلٹ کر چھوڑے گا۔ یہ سب کچھ اسی رفتار اور انداز سے یورپ میں ہو چکا ہے اور اگر حالات کا رخ اور رفتار یہی رہی اور اللہ کا ارادۂ قاہرہ بیچ میں حائل نہ ہو گیا تو مشرق میں بھی سب کچھ ہونے جا رہا ہے۔

کام کی فوری ضرورت

اس فریضے کی ادائیگی میں ایک دن کی بھی تاخیر کا موقع نہیں ہے، دنیائے اسلام کو ارتداد کی بڑی زبردست لہر کا سامنا ہے۔ ایسی لہر جو اس کے عزیز ترین طبقوں اور بہترین حصوں میں پھیل چکی ہے۔ یہ اس عقیدے، اس نظام اخلاق اور ان اقدار کے خلاف بغاوت ہے۔ جو دنیائے اسلام کی سب سے برتر متاع ہے۔ اگر یہ دولت ضائع ہو گئی۔ جو رسول کا ترکہ ہے۔ جسے نسلوں پر نسلیں منتقل کرتی ہوئی لائی ہیں اور جس کی راہ میں اسلام کے جانبازوں نے مصائب کے کتنے ہی پہاڑ اٹھائے ہیں تو سمجھ لیجئے کہ عالم اسلام بھی گیا۔

کیا ہم اس حقیقت اور وقت کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کریں گے؟

(۸)

ذہنی ارتداد کے اسباب

(از سید صدیق حسن۔ ام (آکسن) آئی۔ سی۔ ایس)

ملحدانہ نظریہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت دنیا بڑی تیزی کے ساتھ الحاد کی طرف جا رہی ہے۔ الحاد کی ساری بنیاد اس تصوّر کی مخالفت پر ہے۔ جس کو ہم سہولت کی غرض سے ماورائیت سے تعبیر کرینگے الحاد کا اصولی نظریہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے اور اسے زندگی کا ایک وقفہ عنایت ہوتا ہے اور اس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ زندگی کہاں سے شروع ہوئی۔ الحاد اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اس کے نزدیک بس اتنا ہی علم کافی ہے۔ کہ زندگی ہے انسان پیدا ہوتا ہے اور مر جاتا ہے۔ آگے بڑھ کر وہ یہ کہتا ہے کہ اس نظام میں جہاں کچھ ایسے قوانین ہیں جو عامل ہیں ان کا علم حاصل کر لیا جائے اور اس زندگی کے وقفہ کو زیادہ سے زیادہ آسانی اور غلبہ و اقتدار کے ساتھ گزار لیتا ہے اور "آخرت" کو طاقِ نسیاں کے سپرد کرنا ہی مصلحت سمجھتا ہے۔ انسان چونکہ فطری طور پر لذت کوش واقع ہوا ہے۔ اس لئے جو نظام اسے فوری طور پر آسائش اور غلبہ و اقتدار فراہم کرتا ہے اس کو وہ قبول کرنے کیلئے تیار رہتا ہے اور بہت آسانی سے ضمیر کی اس آواز کو کچل دیتا ہے جو اسے جھنجھوڑتی ہے اور آنکھیں کھول کر اس دنیا اور اس کائنات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ انسانیت اس طرح دو طبقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک طبقہ تو وہ ہے جو زندگی کا سطحی جائزہ لیتا ہے اور اس دنیاوی زندگی کو زیادہ سے زیادہ آسان

اور دلفریب بنانا چاہتا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو زندگی پر گہری نظر ڈالتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ انسان میں ایک ایسی چیز پائی جاتی ہے۔ جو اس کائنات کی کسی اور مخلوق میں نہیں پائی جاتی یہ "چیز" مادی نہیں بلکہ اس کے علاوہ کوئی "چیز" ہے۔

درجات و طبقات

اس میں شک نہیں کہ کائنات میں احساس کے لحاظ سے بہت سے درجات اور طبقات پائے جاتے ہیں۔ اس میں جمادات ہیں۔ جنھیں ہمارے جیسا احساس نہیں۔ ان میں نباتات ہیں۔ جن میں نمو ہے اور بہت ہی کم درجہ کا احساس بھی پایا جاتا ہے مگر غالباً قوت ارادہ نہیں۔ آدم خور درخت کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس کا فعل ارادی ہوتا ہے۔ وہ پھول جو کیڑوں کو قید کر لیتے ہیں۔ ان میں ایک قوت ارادی مانی جا سکتی ہے۔ مگر یہ قوت اگر ہے بھی تو بہت ہی کم درجہ کی ہے اور نہایت محدود۔ ان میں حیوانات ہیں۔ جن میں نمو ہے، احساس ہے اور ارادہ ہے مگر قوت تصور نہیں۔ وہ تنظیم کر سکتے ہیں مگر غالباً خواب نہیں دیکھ سکتے۔ وہ شاید اپنے دشمن کو پہچان سکتے ہیں اور اس سے مدافعت کر سکتے ہیں۔ مگر دوا و درد کو جمع نہیں کر سکتے۔ وہ شاید واقعات کے تسلسل کا احساس کر سکتے ہیں اور شاید اس سے نتیجہ بھی نکال سکتے ہیں۔ لیکن ان واقعات کے علل و اسباب کو توجہ کی گرفت میں لا کر ان سے دوسرے مماثل واقعات پر استدلال کی قوت انہیں عطا نہیں ہوئی۔

قوتِ فکریہ

کنیڈا میں جنگلی جانوروں سے فصلوں کو بچانے کی خاطر ایک مرتبہ مہین تار سے رائفلوں کے گھوڑے جوڑ دیئے گئے۔ جنگل سے جانور جب چرتے چرتے اس جگہ سے گذرتے جہاں تار لگے ہوتے تو پاؤں تار سے الجھ جاتے اور رائفلیں داغ جاتیں۔ اس طرح جانور شکار ہو جاتے۔ ایسے دس پانچ واقعات ہونے

کے بعد دیکھا گیا ہے کہ جانور چرتے چرتے تار کی جگہ کے قریب تک آتے مگر اس جگہ کو پار نہ کرتے جہاں تار لگے ہوتے۔ حالانکہ یہ تار اتنے مہین تھے اور اس طرح چھپا دیئے گئے تھے کہ ان کو دیکھنا ممکن نہ تھا۔ ایسے واقعات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جانوروں میں یہ شعور تو ضرور ہے کہ وہ واقعات سے ایک نتیجہ تک پہونچ سکتے ہیں لیکن ان نتائج کو دوسرے ہم شکل واقعات پر منطبق کرنا شاید ان کے لئے ممکن نہیں۔ یہ قوت جسے ہم استدلال کی قوت یا قوت فکر یہ کہہ سکتے ہیں، صرف انسان کو عطا ہوئی ہے اس سے آگے بڑھ کر انسان کو یہ قوت بھی عطا کی گئی ہے کہ وہ دیکھی ہوئی چیزوں کو ایک دوسرے سے ملا کر اپنی قوت تصور کو ان سے آگے بڑھا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر سونا اور پہاڑ دونوں کو انسان الگ الگ دیکھتا ہے اور پھر انہیں ملا کر ایک سونے کا پہاڑ تصوّر کرتا ہے اور اس سے اپنے اندر ایک آسودگی اور ایک تسکین محسوس کرتا ہے۔ یہ چیز جو انسان کو یہ قوت عطا کرتی ہے۔ کیوں اور کہاں سے آتی ہے۔ الحاد اس کا صرف یہ جواب دیتا ہے کہ مادہ ہیں۔ اگرچہ حس نہیں۔ مگر مادہ کے عناصر کے ایک خاص ترکیب سے ایک جگہ جمع ہو جانے سے حس آپ سے آپ پیدا ہو جاتا ہے۔

ع خلاق حس ہے مادہ حساس ہو نہ ہو

وہ اس سے آگے بڑھ کر اپنے اس استدلال کو اس طرح اور تقویت

لاادریت دیتا ہے کہ حس مادہ سے علیحدہ کہیں پایا نہیں جا سکتا اور اس لئے مجرّد حس کا تصور دل بہلا دینے کیلئے تو اچھی چیز ہے۔ لیکن حقیقت سے اسے تعلق نہیں وہ اس مشاہدہ کی براہ راست کوئی توجیہہ پیش نہیں کرتا کہ جسمانی اعضا کے صحیح و سالم ہوتے ہوتے بھی صرف ایک چیز کے نہ ہونے سے وہ اعضاء اپنے وظائف ادا

کرنے سے کیوں معذور ہو جاتے ہیں۔ ابھی ایک لمحہ پیشتر ایک جیتا جاگتا انسان زندہ تھا۔ آنکھ دیکھتی تھی جلد میں قوت لامسہ تھی۔ دماغ میں فکر کی استعداد تھی دل کی حرکت دفعتہً بند ہوئی اور زندگی ٹھہر سی گئی۔ آنکھ کے سارے اعصاب اب بھی ویسے ہی ہیں لیکن قوت بینائی اب کہاں؟ سارا جسم اب بھی اپنے اجزاء ترکیبی کے لحاظ سے بالکل ویسا ہی ہے لیکن قوتِ لامسہ فوت ہو چکی ہے۔ ذہن کی مادی ساخت بالکل ویسی ہی ہے۔ جیسی ایک لمحہ پیشتر تھی مگر فکر کی قوت اور احساس اس سے جاتا رہا۔ اگر مادی عناصر کا ایک خاص ترکیب سے جمع ہو جانا ہی زندگی یا حیات کو بروئے کار لانے کیلئے کافی تھا تو اب زندگی کیوں نہیں ہے؟ وہ اس سے یہ منطقی نتیجہ نکالنے سے گریز کرتا ہے کہ مادی عناصر کا ایک خاص ترکیب سے باہم ہو جانا ہی زندگی کے قیام یا وجود کیلئے کافی نہیں ہے۔ بلکہ ان کے علاوہ بھی ایک ایسی چیز کا وجود لازمی ہے۔ جو جاندار کو زندگی کے وظائف تفویض کرتی ہے۔ یہاں پہونچکر زیادہ تر الحاد کا رخ "لاادریت" کی طرف پھر جاتا ہے اور اپنی سلامتی کے لئے وہ اس پناہ گاہ میں پہنچ جانا چاہتا ہے۔ جہاں اسے کسی منطق یا دلیل کی ضرورت ہو۔ بلکہ فریق مخالف پر سارا بار ثبوت عاید ہو جائے۔

مذہب کا اصرار

چونکہ الحاد کے پاس محسوسات کے آلے ہوتے ہیں اور چونکہ یہ آلے ایسے ہیں جو ہر جاندار کے پاس ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ کہتا ہے کہ ہماری دنیا اور کائنات صرف وہ ہے جو ہم اپنے حواس سے معلوم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور ذریعہ علم کا نہیں اور یہ ذہنی انداز ایسا ہوتا ہے جو ہر شخص کے دائرہ حس میں آتا ہے۔ اس لئے ہر شخص اس پر آمنا وصدقنا کہنے کیلئے

تیار رہتا ہے۔

"مذہب" (یہاں میری مراد کسی خاص مذہب سے نہیں بلکہ تمام مذاہب کے عمومی رجحان سے ہے) اس پر اصرار کرتا ہے کہ ان مقدمات کو ان کے آخری منطقی نتیجہ تک لے جایا جائے وہ کہتا ہے کہ انسان میں یہ جو چیز ہے وہ مادراء کے ماوا ہے اور اگر کسی چیز کا وجود ایک جگہ پایا جاتا ہے تو یہ لازمی ہے کہ اس چیز کا کوئی مخزن ہو اس چیز کو مذہب اسپرٹ روح یا آتما کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ مختلف زبانوں میں مختلف ممالک میں اور ایک دوسرے سے بالکل علیٰحدہ اور الگ الگ لوگوں کے جو مذہبی تجربات ہیں وہ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ روح مادہ سے علیٰحدہ ایک وجود ہے اور اس وجود کو دھیان مراقبہ یا اس قسم کی ریاضتوں سے تقویت دی جاسکتی ہے۔ اس کی مختلف منزلیں بھی ہوتی ہیں اور اس کے مظاہر بھی ایسے ہوتے ہیں جس سے مادی وسائل کا کوئی تعلق بظاہر نہیں معلوم ہوتا۔

ریڈیو کی تائید ریڈیو کی دریافت سے پہلے منکرین مذہب اس قسم کے تجربات کو جس میں ایک فرد سے دوسرے افراد کا رابطہ بلا مادی وسائل کے قائم ہوتا ہے۔ محض من گھڑت اور شعبدہ بازی کہتے تھے۔ ریڈیو کی دریافت کے بعد اب بہت سے ایسے تجربات کا انکار ممکن نہیں رہا۔ چونکہ یہ تجربات ہر شخص کے احساس کے دائرہ میں نہیں آسکتے اور یہ بھی واقع ہے کہ جو لوگ ان تجربات کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اسے دوسرے کے سامنے پیش بھی کر سکتے ہیں۔ وہ ایسا کرنے سے سختی سے گریز کرتے ہیں۔ اسلئے منکر کے لئے یہ راہ پھر بھی رہ جاتی ہے۔ کہ وہ انکار اقرار کرنے سے گریز کرے اور اس پر مصر ہو کہ چونکہ یہ تجربات ہم نے نہیں کئے ہیں۔ لہٰذا

ان کا وجود ہی نہیں ہے۔ حالانکہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ کسی چیز کا علم یا مشاہدہ اگر کسی شخص کو نہیں ہے تو یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا وجود ہی نہیں ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جنھوں نے دوسری عالمی جنگ کا محاذ دیکھا ہے یا لڑائی میں حصہ لیا ہے۔ اس مشاہدہ کے فقدان کی وجہ سے اگر کوئی یہ کہہ چونکہ میں نے لڑائی کا براہِ راست مشاہدہ نہیں کیا لہٰذا کوئی عالمی جنگ ہوئی ہی نہیں یا اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ میں نے سنکھیا کے اثر کا خود مشاہدہ نہیں کیا اور نہ کسی کو سنکھیا کھا کے مرتے دیکھا ہے۔ لہٰذا میں یہ ماننے کیلئے تیار نہیں کہ سنکھیا زہر ہے تو کون ایسا ہوگا جو اس منکر کو صحیح الدماغ انسان کہہ سکے۔

سائنسی توجیہہ

اب سے کوئی اسی برس پہلے کی بات ہے جب ہندوستان پر مغربی افکار کا بڑا شدید اثر پڑا تھا۔ برطانیہ کے جھنڈے تلے آتے ہی ہندوستان پر سائنس زدگی کا وہ دورہ پڑا کہ ہر وہ چیز جسے یورپ نے کہا کہ ہمارے دریافت شدہ سائنس کے تجربات کے خلاف ہے اسے رد کر دیا گیا اور عالم لوگوں نے تسلیم کر لیا کہ جو باتیں ہم کہتے ہیں وہ غلط ہیں ہم میں جو ذہین افراد تھے انہوں نے یہ تو نہیں کہا کہ جو باتیں کہی جاتی ہے۔ وہ غلط ہے بلکہ ان اقوال کی تاویل کر کے انہیں یورپ کے مسلمہ مقدمات کے مطابق کرنا چاہا وہ ان باتوں کو غلط اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایمانیات کے دائرے میں آتی ہیں اور اسوقت تک عوام کا گہرا تعلق ایمانیات سے تھا۔ ان باتوں سے براہِ راست حسی تجربہ عام آدمی کو نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلئے ان باتوں کو ظاہر کرنے کیلئے جو الفاظ یا جو علامتیں استعمال کی گئی ہیں۔ ساری ذہانت ان الفاظ کی ایسی تاویل پر صرف کی جانے لگی جو استعمال شدہ الفاظ یا علامت کو یورپی مسلمات کی قبا پہنا دیں۔

اگر "جن" کیلئے نظریہ یہ تھا کہ وہ انسان کے علاوہ ایک اور مخلوق ہے جو بالعموم ہماری مادی بصارت کے احاطہ میں نہیں آسکتی تو چونکہ یہ خیال یورپ کی سائنسی توجیہہ کے مطابق نہیں تھا۔ اس لئے ضرورت اس کی پڑی کہ اب لفظ جن کی لغوی تحقیق کی جائے اور دیکھا جائے کہ اب اس لفظ کی تاریخ ارتقاء میں کہیں کوئی ایسی منزل مل سکتی ہے۔ جہاں یہ لفظ کسی اور معنی میں استعمال ہوا ہے اور کیا اس منزل سے کوئی ایسی راہ نکل سکتی ہے۔ جس سے یورپی طرز فکر سے ہم آہنگی ممکن ہو سکے اور اس دریافت کو نئی تحقیق کا نام دیا جا سکے۔ اسے اسلامی نظریہ کی سائنسی تشریح کہا جا سکے۔ جن کے معنی ایک طاقت ور فرد یا ایک قوی الجثہ مزدور کے کر دینا ہی تفسیر کا کمال سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح اگر ملائکہ کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ ایسی مخلوق ہیں جو انسان سے بالکل مختلف ہیں جو انسان اور خدا کے درمیان پیغام رسانی کا ایک ذریعہ ہیں تو چونکہ اس مخلوق سے کسی یورپین کو سابقہ نہیں پڑا تھا اور چونکہ ان کا کوئی تجربہ طبیعاتی تجربہ گاہ میں نہیں ہوا تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ اسلئے اسکے وجود کو تسلیم کر لینا کم عقلی بلکہ بے عقلی کا نشان سمجھا جاتا تھا اور کوشش کی جاتی تھی کہ کچھ ایسی تشریحات فراہم کر دی جائیں۔ جو ملائکہ کو انسانی جبلت صلاحیت یا استعداد کے مترادف ثابت کر سکیں۔ اسی طرح اور جتنے مسلمات عالم روحانی کے متعلق تھے۔ ان کی تاویل اور تشریح مادی وسائل اور وہ بھی اب سے اسّی برس پہلے کے جانے ہوئے مادی وسائل ہی کی روشنی میں کی جاتی تھی۔ یہ تھی پچھلی صدی کے اواخر کی "روشن خیالی"۔

غیر مرئی توانائیاں

یہ بھی سائنس کی تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ بہت سی وہ باتیں جو پہلے ایمانیات میں داخل سمجھی جاتی تھیں اور جن کا انکار

صرف اس وجہ سے کیا جاتا تھا کہ وہ سائنس کے تجربات کی گرفت میں نہیں آتیں اب ان کیلئے بنیادی مسلمات سائنس کے جدید ترین انکشافات سے ثابت ہوتے چلے جارہے ہیں یا اگر براہ راست ثابت نہیں بھی ہوتے تو ان انکشافات اور ان مسلمات کے خطوط بالکل متوازی نظر آنے لگتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اب ایسی توانائیاں اور قوتوں کا پتا چلتا جارہا ہے جو غیر مرئی وسائل کے تحت کام کرتی ہیں۔ آج تو شاید ہی کوئی ایسا پڑھا لکھا ہے جس نے مصنوعی سیاروں کی گردش کے متعلق نہیں پڑھا اور جواب یہ یقین نہ کرتا ہو کہ ایک غیر مرئی طاقت کے ذریعے سے لاکھوں میل دور کام کرتی ہوئی مشین کی کارکردگی کو پوری تفصیل کے ساتھ کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ لاکھوں میل دور خلا میں ایک مصنوعی۔ سیارہ جاتا ہے۔ اس میں مشینوں کا ایک انبار ہے۔ زمین پر بیٹھا ایک انسان اس کی ایک ایک حرکت کی خبر رکھتا ہے۔ اس کی ایک ایک جنبش کو کنٹرول کرتا ہے۔ وہ سیارہ چاند کے پیچھے جاتا ہے اور وہاں سے چاند کے دوسرے رخ کی تصویر زمین کو بھیج دیتا ہے جو ہم اور آپ سب دیکھتے ہیں۔ وہ خلا میں سفر کرتا ہے۔ کروڑوں میل دور ایک سیارہ میں پہنچ جانے پر تلا ہوا ہے۔ ہماری آنکھوں سے وہ بہت دور ہے مگر ہمارے آلات کی آنکھیں اسے دیکھتی ہیں۔ آپکا روزمرہ کا مشاہدہ بتاتا ہے کہ مادی چیزوں میں وزن ہوتا ہے۔ مگر جب آپ سے کہا جاتا ہے کہ ایک مقام ایسا ہے جہاں ٹھوس مادی چیزیں بے وزن ہو جاتی ہیں تو آپ اسے صرف اس وجہ سے یقین کر لینے پر اپنے کو آمادہ پاتے ہیں۔ کہ خلا میں بے وزنی کی "خبر" موجودہ ذہنوں کے اعتبار سے ایک "مخبر صادق" نے دی ہے۔

روشنی ایسی چیز نہیں جس میں وزن ہو اس وقت اگر آپ سے کوئی کہے کہ ذرا بازار سے من بھر روشنی خرید لائیے تو سب سے پہلی فرصت میں آپ کسی نفسیاتی ڈاکٹر سے اس کے دماغ کی صحت کے متعلق رجوع کریں گے۔ مگر جب آپ سے کہا جاتا ہے کہ وزن زمین کی کشش کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں۔ آپ اسے جان لیتے ہیں اسلئے کہ اس نظریہ کو پیش کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کے متعلق آپ کا ایمان ہے کہ وہ "لاکذب" کا مصداق ہیں اور جب اس بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ روشنی میں وزن ہے اس لئے کہ روشنی کی لہریں زمین کی قوت کشش سے متاثر ہو کر اس طرف مڑ جاتی ہے تو، آپ اسے غلط یا بے عقلی میں نہیں کہتے اس لئے کہ اس مسئلہ کو ظاہر کرنے والے وہ لوگ ہیں جنھیں آپ صادق اور امین کہتے ہیں۔ گویا اس دعویٰ کے منطقی مقدمات یوں ہوئے:-

"زمین کی کشش کے اثر کا نام وزن ہے۔ روشنی کی لہروں پر زمین کی کشش اثر انداز ہے۔ اس لئے روشنی کی لہروں میں وزن ہے"

اب آپ کا روزمرہ کا تجربہ لاکھ آپ کو بتائے کہ روشنی ناپی جا سکتی ہے مگر تولی نہیں جا سکتی مگر اوپر لکھے ہوئے مقدمات اور ان سے مستنبط نتائج کیلئے کسی تاویل کی ضرورت آپ کو محسوس نہیں ہوتی۔ اس لئے اور محض اس لئے کہ جو مقدمات اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ وہ ایسے تجربات سے ماخوذ ہیں۔ جنھیں طبیعاتی تجربہ گاہ میں دیکھا، جانچا اور پرکھا گیا ہے۔

حقیقتِ روح

بالکل یہی حال اس حصہ کا ہے۔ جسے ہم سہولت کی خاطر روحانیت کا حصہ کہیں گے۔ اس حصہ کے جو سائنٹسٹ ہیں۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ مادہ کے ماوراء انسان میں روح بھی پائی جاتی ہے۔ جو احساس۔ شعور اور فکر

کا خزانہ ہے۔ جہاں سے انسان کو وہ برتری حاصل ہوتی ہے۔ جو اسے دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے.... جوہر انسان میں موجود ہوتی ہے اور جسے خاص طریقہ سے تقویت پہنچائی جا سکتی ہے اور اسکے خلاف چل کر اس میں کثافت اور میل کچیل آجاتا ہے اسکا تجربہ بھی مختلف زمانوں میں، مختلف ممالک میں، بہت سے لوگوں نے کیا ہے اور کرتے رہتے ہیں تو ہمارے لئے کیا وجہ جواز رہ جاتی ہے کہ ہم اس سائنٹسٹ کے نظریہ سے اختلاف کریں۔ محض اس بنا پر کہ ہم نے اس کا تجربہ نہیں کیا منطق تو ہمیں اس نتیجہ پر نہیں پہنچاتی۔ اس منزل پر پہنچ کر ہم صرف یہ دیکھ سکتے ہیں کہ جو "سائنٹسٹ" اس بات کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس پر ہم اعتماد کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر اس کی ساری زندگی یہ ثابت کرتی ہے وہ "جار بالصدق وصدق بہ" کا مصداق ہے تو اس پر غلط بیانی کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔

عملی زندگی

یہی وجہ ہے کہ ہر پیغمبر جب اپنے معاصرین کے سامنے تزکیہ نفس کا نظریہ پیش کرتا ہے تو وہ اپنی زندگی کو ان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ الفاظ کے مختلف جاموں میں کہتا ہے کہ "قد لبثت فیکم عمرا"

سے دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

میں تم ہی جیسا انسان ہوں۔ اسی ماحول میں رہتا ہوں۔ جس میں تم رہتے ہو اسی فضا میں سانس لیتا ہوں۔ جس میں تم سانس لیتے ہو۔ اسی معاشرہ میں زندگی بسر کرتا ہوں جس میں تم بسر کرتے ہو اب تم اپنی زندگی دیکھو تم بے چین ہو اور مجھے چین کی دولت حاصل ہے۔ تم ناآسودہ ہو اور میں آسودہ ہوں۔ تم مضطرب ہو اور میں مطمئن ہوں۔ تم کو اپنی فکر ہے اور مجھے انسانیت کی فکر ہے اور میں تم سے

کہتا ہوں کہ میری راہ ہی فلاح کی راہ ہے۔ اگر تم اس پر چلو گے اور تم کو وہی سکون، وہی اطمینان، وہی طمانیت حاصل ہو گی جو مجھے حاصل ہے اور تم کامیابی کی اس منزل پر پہنچ سکو گے جو انسانیت کی تقدیر ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا دعویٰ کرنے والوں نے صرف دعویٰ ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دنیا کی آنکھوں نے دیکھا کہ جو گروہ ان کی ہدایت کے مطابق چلا اسے وہ فلاحِ دارین حاصل ہوئی۔ جس کا اس نے دعویٰ کیا تھا۔

طمانیت قلب

مادی اور دنیاوی فلاح تو بہت ہی سطحی اور وہ بھی بڑی نیچی سطح کی چیز ہے اصلی فلاح تو طمانیت اور قلب کا سکون ہے۔

اسد دائس اپنی کتاب (طوفان سے ساحل تک) میں اپنے ایک تجربہ کا ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار جنگ عظیم کے بعد وہ ریل میں سفر کر رہے تھے۔ ان کے ہم سفر کچھ جرمن تاجر بھی تھے۔ جو بظاہر معمولی طبقے کے معلوم ہوتے تھے۔ ان سے بات چیت کے بعد اس نے محسوس کیا کہ باوجود فارغ البالی کے تمام آثار کے ان کے ہم سفروں کے قلوب مطمئن نہ تھے ان میں بے چینی سی تھی جو تحت الشعور میں سرایت کئے ہوئے تھی۔ اس پر دائس کو تعجب ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دائس ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ مگر اسلامی لٹریچر اور خصوصاً کلام پاک کا انہوں نے غائر مطالعہ کیا تھا۔ عربستان میں بھی رہے تھے اور عربوں کی اسلامی زندگی بھی انہوں نے دیکھی تھی اور اس سے بڑے متاثر تھے۔ گھر پہنچ کر انہوں نے اپنی رفیقہ حیات سے اس کا تذکرہ کیا کہ مجھے تشویش یہ ہے کہ باوجود مرفہ الحال کے یہ لوگ مطمئن کیوں نہیں ہیں۔ یہ باتیں کر ہی رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ ان کا خیال ہوا کہ دیکھا جائے کہ قرآن مجید میں اسکے متعلق کوئی تذکرہ ہے کہ نہیں ــــــــ الماری میں رکھے ہوئے قرآن مجید کا نسخہ انہوں نے نکال لیا

اور جیسے کوئی فال دیکھتا ہے۔ یوں ہی بلا کسی خاص اہتمام کے انہوں نے "کتابِ مبین" کھولی۔ اتفاق دیکھئے کہ انہیں جو سورت نظر پڑی۔ وہ سورت تکاثر تھی۔ جسکی پہلی ہی آیت تھی اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُر۔ یہ تکاثر۔ بہ مرفہ الحالی میں مسابقت، یہ تھی وہ بیماری جسکی نشاندہی اس آیت میں کی گئی تھی۔ وائس نے فوراً محسوس کیا کہ اب سے چودہ سو برس پہلے جب دنیا نے اس درجہ کثرت مال کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔ اسوقت اس مسابقت کو انسانیت کی علامت قرار دینا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

صداقت وامانت

اب سے چودہ سو برس پہلے تاریخ کی پوری روشنی میں ایک نبیؐ امی کہتا ہے۔ جو پڑھا لکھا نہیں ہے کہ وماکنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون۔ وہ ایک سیدھا سادا انسان ہے۔ وہ چالیس برس تک ایک انسان کی زندگی بسر کرتا ہے۔ ایسی زندگی جو اسکے ہم نشینوں سے اس کیلئے صادق اور امین کا خطاب وصول کرتی ہے۔ اسے کبھی کسی نے کبھی (نعوذ باللہ) جھوٹ بولتے نہیں سنا۔ وہ آتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو "یا معشر قریش" کہہ کر خطاب کرتا ہے۔ ان سے ایک مفروضہ ان ہونی بات کا تذکرہ کر کے پوچھتا ہے کہ اگر میں تم سے ایسی بات کہوں تو کیا تم یقین کرو گے؟ سب یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ ہم ضرور تیری بات کو سچ مانیں گے۔ اگرچہ سارے قرائن اس کے خلاف ہیں۔ اس اظہار یقین کی جو وجہ بیان کرتے ہیں۔ وہ وہی ہے۔ جو عام حالات میں انسان بیان کرتا ہے کہ آج تک ہم نے تیرے کسی قول کو غلط نہیں پایا۔

کیا تیری ہر بات کا یاں یقین ہے ؎
کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امین ہے

اس لیۓ اور محض اسی لیۓ ہم تیری کسی بات کو غلط نہیں سمجھتے

حیرت واستعجاب اب وہ اس یقین دہانی کے بعد ایک ایسی بات کہتا ہے۔ جس کا کسی اور نے اس وقت تک تجربہ نہیں کیا تھا۔ تاریخ کی آنکھوں نے دیکھا کہ اس قول پر بجاۓ امنا وصدقنا کہنے کے اکثر بیشتر نے اس پر حیرت واستعجاب کا اظہار کیا۔ ان کا وہی ذہنی ردعمل ہوا جو ہمیشہ ان حالات میں عام انسانوں میں ہوا کرتا ہے۔ اور جس کا مظاہرہ آج بھی الحاد کرتا ہے کہ وہ لوگ اپنے حیاتی تجربات کی بناء پر اس شہادت کو ماننے کے لیۓ تیار نہیں تھے۔ ان کی دلیل یہی تھی جو آج بھی اس گروہ کی ہوتی ہے کہ ہمیں ایسے کا تجربہ یا مشاہدہ نہیں ہے۔ اس لیۓ ہم اسے ماننے کیلئے تیار نہیں وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتا وہ اپنے خاص احباب کو اس کی دعوت دیتا ہے۔ عشیرت الاقربین کو مدعو کرتا ہے اور ان میں کچھ خوش قسمت حضرات اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ ان کے کہنے پر چلتے ہیں۔ دنیا اس کے خلاف ہو جاتی ہے، اور ہر ممکن تکلیف ان کو پہنچاتی ہے۔ تیرہ برس تک مسلسل یہ ایذا رسانی جاری رہتی ہے۔ مگر اس گروہ سابقون الاولون کے پاۓ ثبات کو لغزش نہیں ہوتی۔ ظاہری حالات اس کی یقین دہانی کے مخالف ہیں۔ مگر اس کا یقین متزلزل نہیں ہوتا۔ اسے ترغیب ترہیب کے بے پناہ منزلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ مگر اس کا نعرہ بھی یہی ہوتا ہے کہ یہ لوگ اگر چاند اور سورج بھی میرے ہاتھوں پر لاکر رکھ دیں اور دنیاوی حالات کتنا ہی ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ جو میں کہتا ہوں۔ اس سے ہٹ کر بھی فلاح کی راہ کوئی اور ہے تب بھی میں اسے مان نہیں سکتا۔ اس لیۓ کہ میرا تجربہ اس کے خلاف ہے۔ جو میری آنکھیں دیکھتی ہیں وہ یقینی طور پر یہ ثابت کرتی ہیں کہ سچ اور سچی فلاح انسانیت کے

اس راستہ میں نہیں ہے۔ جو اس حقیقت سے چشم پوشی کرتی ہے کہ انسان کی روح اور اس کے ضمیر کی پرورش ہی انسانیت کی بہبود کا واحد ایک اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور اسی راہ پر چل کر ہی انسانیت اپنے مقصد پیدائش سے ہمکنار ہو سکتی ہے اس کا ایمان غیر متزلزل ہے اس کا ارادہ اٹل ہے۔ وہ تمام مصائب جھیلتا ہے۔ اس کے ساتھی سخت سے سخت تکالیف سے دو چار ہوتے ہیں مگر وہ اپنے مُوقف سے ہٹتے نہیں۔ حتیٰ کہ بیچارگی اور بے بسی کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ گھر بار چھوڑ کے غریب الوطنی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ مخالف حالات کی ایسی گھٹا ٹوپ آندھیاں چھا جاتی ہیں۔ کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ مگر اس سے کسی تردّد کے بغیر کہلایا جاتا ہے۔ ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد ۔ بعد کے واقعات اس کے کہنے پر صداقت کی مہر ثبت کرتے ہیں مگر جس وقت اور جن حالات میں یہ کہا گیا تھا اس وقت ان حالات میں یہ وہی شخص کہہ سکتا تھا۔ جسے اپنے کہے پر یقین کامل اور اس کے سچے ہونے پر حد درجہ کا اطمینان ہو اس کی حالت اس سائنٹسٹ کی تھی۔ جس نے کسی سائنٹیفک نظریہ کا مشاہدہ پہلی پہلی مرتبہ کیا ہو اور جس نے اپنے مشاہدے کو دنیا کے سامنے بلا کسی شک اور تردّد کے پیش کر دیا ہو۔

عظیم انقلاب اب واقعات کا رخ اور وقت کا دھارا مڑتا ہے اور ایک ایک لفظ جو اس ہادی برحق نے کہا تھا وہ بجنسہ وبعینہ مادی دنیا میں ظاہر ہونا شروع ہوتا ہے۔ ایک معاشرہ تنظیم پاتا ہے۔ جس میں خیر ہی خیر ہے ایک سماج ابھرتا ہے جس میں طمانیت و سکون ہر فرد بشر کو حاصل ہوتا ہے۔ کڑے سے کڑا وقت پڑتا ہے۔ مگر زمانہ وہی بجلی کا کڑکا یا صوت ہادی سنتا کہ لا نبی لا کذب۔

بڑی بڑی سلطنتیں اس سے ٹکراتی ہیں اور پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ مادی دنیا کے عظیم وسائل اس کی راہ روکنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ سیلاب ہے کہ بڑھتا چلا آرہا ہے۔ اس نے جو فلاح دارین کا وعدہ کیا تھا اس کا ایک حصہ ہر عنوان سے اب پورا ہوتا چلا جاتا ہے ایک ابر رحمت ہے جو مسلسل برس رہا ہے اور ہر خشک و تر، ہر شجر و حجر، ہر شاخ و گل ہر برگ اور ہر گیاہ اس سے سیراب ہو رہے ہیں ایک انقلاب ہے جو چاردانگ عالم میں برپا ہو رہا ہے اور کیسا انقلاب جس میں مخالفین کو ان کے عناد کی سزا نہیں دی جاتی بلکہ جب غلبہ حاصل ہوتا ہے تو ان سے کہا جاتا ہے کہ لا تثریب علیکم الیوم ایسا انقلاب جس کے بعد کوئی نیورم برگ کی عدالت قائم نہیں کی جاتی اور اسکا نظریہ دن دوگنی، رات چوگنی ترقی چلا جاتا ہے اور یہ ترقی کوئی ایک دن کی نہیں صدیاں گذر جاتی ہیں اور یہ رفتار کم و بیش جاری رہتی ہے اور اس وقت تک جاری رہتی ہے۔ جب تک کہ اس کے مقلدین اس کی بتلائی ہوئی راہ سے ہٹ نہیں جاتے جب تک ان پر پھر محسوسات اور صرف محسوسات تک ہی نگاہ کو محدود رکھنے کا دورہ نہیں پڑتا۔

روحانی قوت اسلامی تاریخ کا ایک ایک ورق اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ روحانی قوت بڑی مستحکم اور بڑی توانائی والی قوت ہے اور اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا یہ تو مسئلہ کا نظریاتی پہلو ہے اور اس رخ سے صرف تھوڑے روشن خیال ہی اس پر غور کر سکتے ہیں۔ عام اور معمولی انسان کے لئے نظریاتی پہلو بہت کم اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ تو جب اپنے سر کی آنکھوں سے یہ دیکھتا ہے کہ فلاں نظریہ کے ماننے والوں کو دنیا میں فلاں کامیابی حاصل ہوتی ہے تو وہ اس تفوق کو اس نظریہ کے حق میں ایک محکم دلیل سمجھتا ہے۔ عوام کا یہ رجحان کچھ اسی زمانہ کے

ساتھ مخصوص نہیں ۔ ہمیشہ اور تاریخ کے ہر دور میں یہی ہوا ہے اب بھی ہوتا ہے اور یہ ہوتا رہے گا:

جب "نصراللہ کے ساتھ فتح" آئی ہے ۔ تب ہی یدخلون فی دین اللہ افواجاً کا منظر سامنے آیا ہے ۔ آج بھی یہی ہوتا ہے ۔ جب یکم مئی کو خروشیف نے یہ اعلان کیا کہ روس نے چاند پر اپنا جھنڈا پھینک دیا ہے تو ساری دنیا کو ایک برقی جھٹکا سا لگا اور خروشیف کے اس دعویٰ کو کہ یہ کمیونزم کی فتح ہوئی ہے ہر شخص نے آنکھ بند کر کے تسلیم کر لیا ۔ یہ معلوم کرنے اور دیکھنے کی کسی کو حاجت باقی نہ رہی کہ چاند تک پہنچ جانے کے اسباب اور سائنسی تحقیقات اور تجربات میں اور ان سے اور اس بات سے کیا تعلق ہے کہ خدا ہے یا نہیں ۔ محض اس وجہ سے کہ ایک کامیاب سائنسدان خدا کے وجود میں یقین رکھتا ہے ۔ یہ دلیل نہیں لائی جا سکتی کہ چونکہ اس نے سائنس کا کامیاب تجربہ کیا ہے لہٰذا یہ نتیجہ ہے اس کے ایمان کا اسی طرح اگر اس سائنسدان کو خدا پر ایمان نہیں ہے تو سائنس کے میدان میں اس کی کامیابی اس کو ثابت نہیں کر سکتی کہ یہ نتیجہ ہے اس سائنسدان کے انکار خدا کا اور یہ اس انکار کی برکت ہے کہ اسے یہ کامیابی ہوئی ۔ لیکن ایک عامی انسان اس طرح استدلال نہیں کرتا ۔ اس کی آنکھیں دیکھتی ہیں کہ منکر خدا ہوا میں پرواز کر رہا ہے تو وہ بھی سمجھتا ہے اور یقین کرنے لگتا ہے کہ ہو نہ ہو یہ ہوا میں پرواز کی قوت اسے اس وجہ سے ملی ہے کہ وہ خدا کا انکاری ہے اس یقین کو وہ اس طرح تقویت دیتا ہے کہ جو لوگ خدا کے قائل ہیں ۔ وہ پرواز کی اس حد کو نہیں پہنچے جہاں منکر پہنچا ہے ۔ اب اس کا سادہ دماغ اس قسم کے مقدمات قائم کرتا ہے کہ "خدا کا انکار کرنے والا ہوا میں اونچا اڑتا ہے خدا کو جاننے والا اس سے نیچے رہتا ہے"

(۹)
شراب کی حقیقت اور مضرت

(از جناب ڈاکٹر سید زاھد علی واسطی صاحب رکن ادارہ تحریر)

شراب تاریخ کی روشنی میں

شراب کا استعمال ازمنہ قدیم سے بنی نوع انسان کرتا چلا آرہا ہے۔ اگر ہم تاریخ عالم کی ثقافت و تہذیب کا مطالعہ کریں تو واضح ہو جائے گا کہ ابتدائی ادوار میں رومیوں کے ہاں شراب کا عام رواج تھا۔ اور خلاف قانون نہ سمجھا جاتا تھا شہنشاہ ہانوری ایں اور چوتھی صدی عیسوی میں آر کے ڈی۔ ایس شہنشاہ ویلنٹین کے دربار میں میخواری کا عام رواج تھا۔ اہل سپارٹا اور ٹیرکنیس کے ہاں شراب کی شدید ہوتی تھی۔ ہسپانیہ، صقلیہ۔ فرانس میں انگور کی شراب کی بھٹیاں گھر گھر تھیں حتیٰ کہ برآمد بھی کرتے تھے مسلمانوں کے ورود سے قبل ہندوستان میں جبکہ مہاراجہ باہرائی وسیع حکومت تھی۔ سوامی دیانند اپنی تصنیف "تاریخ ستیارتھ پرکاش" میں لکھتا ہے کہ ہندوستان میں مے خواری عام تھی۔ مزید لکھتا ہے کہ قمار بازی تو مہابھارت کے وقت میں بھی ہوتی تھی۔ البیرونی نے اپنی تصنیف "الہند" میں لکھا ہے کہ برہمن شراب نہیں پیتے تھے اور ہندو خالی معدہ شراب پینے کے عادی تھے۔

اور بعد میں ملنا ملاتے تھے۔ مگر سوامی دیانند نے واضح لکھا ہے کہ برہمن بھی شراب کے عادی تھے۔ مسعودی اپنی کتاب "مروج الذہب" میں تحریر کرتا ہے کہ ہندوستان میں راجاؤں کے ہاں آبکاری کے محکمے قائم تھے اور یہ محاصل حکومتوں کی آمدنی کا باعث تھے۔

الفخری لکھتا ہے کہ عہد امیر معاویہؓ تک شراب پر پابندی رہی اور بعد میں سوائے عمر بن عبدالعزیز کے وقت کے، شراب پر پابندی ظاہر نہ ہوتی تھی۔ اور معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ شارع اسلام نے اس کی حرمت کے کوئی امتناعی احکام بھی دیئے ہیں۔ تاریخ دولت فاطمیہ میں عزیز باللہ کی عیاشی کے اذکار موجود ہیں۔ اس نے اور اس کے ہمعصر بادشاہوں نے ایک قصر عالی شان تعمیر کرایا جس میں سولہ سو کے قریب دوشیزائیں اور لاتعداد رقاصائیں رہتی تھیں۔ ایک محل کا نام "خزانۃ الکسوۃ الباطنہ" تھا۔ جس میں پچاسیوں حسین کنیزیں خلیفہ کے لباس تبدیل کرنے پر مامور تھیں۔ دوسرا قصر "خزانۃ الشراب" تھا۔ جس میں انواع واقسام کے مشروبات اور عطیات فاخرہ کا ذخیرہ تھا۔ تزک بابری۔ ہمایوں نامہ آئین اکبری اور تزک جہانگیری میں مغل بادشاہوں کے وقت شراب پینے کے واقعات مرقوم ہیں۔ مآثر الامرا میں مغل دور کے افسران کے اذکار بھی ہیں۔ شہزادہ مراد بخش ہر وقت شراب میں مست رہتا تھا۔ اورنگزیب نے ایک مرتبہ اس کو لکھا "دیانت و امانت کا جوہر انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ تم کو چاہیئے کہ قرآن و سنت کے احکام و فرامین کو حتی الامکان

جانو۔ اپنے پیٹ میں دوزخ کا ایندھن (شراب) نہ بھرو ورنہ روزِ حشر کو کیا جواب دو گے"۔ شراب کے نشہ میں شہزادہ نے ایک شخص علی نقی کو قتل کر دیا۔ جس کی سزا میں گوالیار کے قاضی نے مراد بخش کو ۲۱ ربیع الثانی ۱۰۷۲ھ کو قتل کرا دیا اور مراد بخش کی نعش کو قلعہ گوالیار میں دفن کر دیا۔ (واقعات عالمگیری)

دورِ جاہلیت میں عربوں کے ہاں شراب نوشی کا عام رواج تھا۔ اس وقت تک صرف عملِ تخمیر سے ہی شراب تیار ہوتی تھی۔ جسے خمر کہتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ کیف و سرور کے علاوہ وہ انہیں جری اور بہادر بنا دیتی ہے۔ اس کے بارے میں ان کے عجیب و غریب اعتقادات تھے۔ مثلاً اگر کسی دشمن سے بدلہ لینے کی ٹھان لیتے تو قسم کھاتے "قسم ہے خمر کو میں اس وقت تک ہاتھ نہ لگاؤں گا۔ جب تک اس کام کو نہ کر لوں وغیرہ۔ یعنی اس کی اہمیت ان کی روزمرہ زندگی میں شدت رکھتی تھی اور ہر کام کی تکمیل میں متحرک تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر کے دن مالِ غنیمت میں ایک اونٹنی ملی اور آپ نے ایک دوسری اونٹنی بھی مجھے عطا فرمائی۔ ایک دن میں نے دونوں کو ایک انصاری کے دروازے پر بٹھا دیا۔ اور میرا ارادہ تھا کہ ان پر گھاس لاد کر بیچوں اور اس رقم سے فاطمہؓ کیلئے ولیمہ کر دوں۔ حضرت حمزہؓ اسی گھر میں شراب پی رہے تھے اور ان کے ساتھ ایک گانے والی بھی تھی۔ جو گا نا گا رہی تھی کہ حمزہ ان موٹی اونٹنیوں کو ذبح کر ڈال۔ حمزہؓ تلوار پکڑ

اٹھے اور ان دونوں اونٹنیوں کے کوہان کاٹ ڈالے اور ان کی کلیجیاں نکال ڈالیں

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس منظر نے گھبرا دیا۔ اور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور زید بن حارثہ بھی آپ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ میں نے آپ کو خبر دی تو آپ زید کے ساتھ نکلے اور میں بھی چلا۔ حضرت حمزہؓ کے پاس جب آپ آئے تو ان پر ناراض ہوئے۔ شراب کے نشہ میں حضرت حمزہؓ نے آنکھ اٹھائی اور کہنے لگے تم لوگ تو میرے باپ دادا کے غلام ہو۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے" (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم)

شراب کی ممانعت بہرحال جب ایسے واقعات رونما ہونے لگے تو صاحبان عقل وخرد رسول اکرمؐ سے اس بارے میں ذکر کرنے لگے اور بہت ہی باتیں شراب کے بارے میں پوچھنے لگے۔ یکایک حکم ربی نازل ہوا۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ

(پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں کیا حکم ہے؟)

جواب ملتا ہے" ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے۔ اگرچہ ان میں لوگوں کو کچھ منافع ہے۔ مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہیں" (سورت البقر ۲۱۹)

یہ شراب کے بارے میں پہلا حکم ہے۔ جس میں صرف ناپسندیدگی

کو اظہار کیا گیا ہے۔ تاکہ ذہن ان کی حرمت قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ پس منظر کی یہ بات تھی کہ ہجرت مکہ سے قبل اسلام کی دعوت دی جاتی رہی۔ مشرکین کے لئے یہ ایک غیر مانوس آواز تھی۔ ان کے پہلے سے بد حالات میں علاوہ کی رسم و رواج۔ جہلا کی موشگافیوں۔ مخالفین کی لغو آرا سے سابقہ پڑا جس کی وجہ سے بتدریج ان کے ذہنوں کو جھنجوڑا گیا۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد شراب کی ناپسندیدگی لوگوں میں عام ہو گئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ نماز اس وقت پڑھنی چاہئیے۔ جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ (سورۃ النساء - ۴۳)

اس آیت میں نشہ کے لئے لفظ "سکر" استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی ہیں نشے والی چیزیں۔ جن میں سے ایک چیز شراب بھی تھی۔ اس لئے یہ شراب کی حرمت کے سلسلہ کا دوسرا حکم سمجھا جاتا ہے۔ پہلے حکم کے بعد مسلمانوں کا ایک گروہ تقریباً شراب سے گریز اختیار کر چکا تھا۔ مگر بعض لوگ بدستور پیتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات نشہ کی حالت میں ہی نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور کچھ کا کچھ پڑھ جاتے۔ اغلب یہ ہے کہ جب ابتدا میں یہ حکم امتناعی صادر ہوا تو لوگوں نے شراب پینے کے اوقات تبدیل کر لئے اور رات کو بعد عشاء پینے لگے۔ اس لئے شریعت اسلامی کی مستحسن حکمت عملی سے کام لیا گیا اور شراب کو تدریجاً حرام قرار دیا گیا۔

کیونکہ یک لخت حرام کر دینے سے نتائج اچھے نکلنے کے امکانات شاید کم ہوتے۔ (عبدالسلام ندوی۔ تاریخ فقہ اسلامی ص۔ ۲۱)

اس کے بعد حرمت کا حکم نازل ہوا۔

ترجمہ: "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو شراب، جوئے، یہ آستانے اور یہ پانسے۔ یہ سب گندے اور شیطانی کام ہیں۔ ان سے پرہیز کرو۔ تم کو فلاح نصیب ہو گی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں نماز سے روک دے"

(سورت المائدہ۔ ۹۰)

اب اس قطعی حکم آنے کے بعد رسول اللہؐ نے خطبہ میں لوگوں کو متنبہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کو شراب سخت ناپسند ہے۔ لہذا تم اس کو نہ فروخت کر سکتے ہو۔ نہ پی سکتے ہو۔ بلکہ اس کو ضائع کر دو۔ یہ سنتے ہی لوگوں نے مدینہ کی گلیوں میں پیپے بہا دیئے۔ کسی نے دریافت کیا۔ ہم اس کو یہودیوں کو تحفہ میں دیں۔ آپ نے فرمایا۔ حرام چیز کا تحفہ حرام ہے۔ کسی نے دریافت کیا ہم اس شراب کو بطور دوا استعمال کریں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں وہ دوا نہیں، بیماری ہے۔ اور ایک صاحب نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ہم ایسے ملک کے باشندے ہیں جو بہت سرد ہے۔ برفباری ہوتی ہے۔ ہم تکان اور سردی کا مقابلہ اس سے کرتے ہیں۔ آپؐ نے دریافت کیا کہ شراب کو پی کر تمہیں سرور آتا ہے؟ جواب ملا۔ جی۔ آپ نے فرمایا۔ پس تم کو لازم ہے کہ نہ پیو۔

شراب کے مخرج آجکل شراب کی تیاری کے عام طور دو طریقے رائج ہیں۔ عمل تخمیر اور عمل کشید۔ عمل تخمیر اولین طریقہ تھا جس سے ہزارہا سال سے شراب تیار کی جاتی تھی اور تھوڑی بہت تعداد میں آج تک رائج ہے۔ قرآن شریف میں اسی قسم کی شراب کا ذکر ہے اور اس کے لیے خمر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ خمر عربی لفظ ہے۔ خمر کے لغوی معنی ڈھانپ دینے۔ چھپا دینے اور کسی چیز میں خلط ملط ہو کر خلل کا باعث ہونے کے ہیں۔ اسی مناسبت سے شراب کو خمر کہا گیا ہے۔ کیونکہ یہ عقل پر چھا جاتی ہے اور خلل کا باعث بنتی ہے۔ لیکن زبان عربی میں خمر کا لفظ اطلاق اسی شراب پر ہوتا ہے۔ جو انگور سے تیار کی گئی ہو اور نشہ آور ہو (لسان، وتاج العروس۔ "مادہ خمر" القرطبی، ج ۲ - ص ۵۱) مگر حدیث میں آیا ہے۔ آپ نے انگور اور کھجور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ خمر (شراب) ان چیزوں سے تیار ہوتی ہے (المفردات ج ۱ - ص ۲۴۰)

حضرت عمرؓ نے خطبہ میں فرمایا کہ خمر پانچ چیزوں سے بنی ہے (انگور۔ شہد۔ کھجور۔ گندم۔ جو) جو کہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے (القرطبی۔ تاج المراد، ج ۱ - ص ۱۳۱) امام ابو حنیفہ کے نزدیک خمر کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو کشید کی گئی ہو اور عقل میں خلل اور فتور کا باعث بنے۔

(امام ابو حنیفہ۔ کتاب الخراج ص ۲۶۰)

ہجرت کے کافی عرصہ بعد تک شراب کی تیاری عمل تخمیر سے ہوتی تھی۔ ۱۵۰ھ کے قریب جابر نے عمل کشید ایجاد کر لیا۔ جابر ابن حیان اولین دور

و ایک شاخ (الکیمیا) کا عالم تھا اور ماہر تھا جس نے کتاب الماتہ و الثمانین عشر اور کتاب السبعین لکھ کر (کیمسٹری) الکیمیا میں عمل کشید و عمل تقطیر کے بارے میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا۔ اس کی ایجاد سے شراب کی تیاری ایک نئے دور میں داخل ہو گئی اور عمل تخمیر کے ساتھ عمل کشید سے بھی شراب تیار ہونے لگی۔ کچھ عرصہ کے بعد الکوحل عرض وجود میں آگئی۔ الکوحل عربی زبان کا لفظ ہے۔ عربی میں اس کے معنی ناپاک روح کے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جابر بن حیان نے یہ نام اس محلول کے عملی اثرات کی بنا پر دیا تھا۔ (جنرل آف امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن، امریکہ ۱۹۷۶ء ص ۱۵)

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۶۶ء میں مرقوم ہے کہ الکوحل کا مادہ (کوحل) یا الکوحول ہے جو ایسے مرکب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جو عورات آرائش یا تزئین کے لئے استعمال کرتی ہیں جن سے چہرہ کی خامی ڈھک جانے یا چھپ جائے۔ خمر جو قرآن شریف میں استعمال ہوا ہے۔ اسکے لغوی معنی بھی ڈھک دینے یا چھپا دینے کے ہیں۔ اس وجہ سے ان دونوں الفاظ کا ایک ہی معنی میں استعمال مظہر ہے۔

شراب کی اقسام جب الکوحل تیار ہو گئی تو یہ ایک جزو کے طور پر شراب میں استعمال ہونے لگی۔ دراصل شراب میں الکوحل ہی وہ محلول ہے جو کیف و سرور یا نشہ کی کیفیت اس کے استعمال کنندہ پر طاری کرتی ہے۔ مختلف ارتکاز کی الکوحل مختلف قسم کی شرابوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ کچھ اقسام کی شرابوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

جن کے سامنے الکوحل کی ارتکاز فی صد حجم بہ حجم تحریر ہے :-

(وہسکی) ۴۰٪	(جن) ۵۱-۵۹٪	(واٹ ۵۹) ۹-۱۳٪
(رم) ۵۱-۵۹٪	(واکر) ۴۰-۵۰٪	(برانڈی) ۴۰-۵۰٪
(پورٹ) ۲۰٪	(شیری) ۲۰٪	(مے ڈیرا) ۱۸٪
(کلے رٹ) ۸-۱۲٪	(شمپین) ۱۰-۱۲٪	(سی ڈر) ۱۰٪
(ایل) ۳-۷٪	(پورٹر) ۳-۷٪	(بیئر) ۲-۳٪
(ہاکس) ۹-۱۳٪	(ایل زیتھ) ۲-۱۲٪	(کومیس) ۱-۲٪

شراب کے جسم پر اثرات آیئے ہم آپ کو بتائیں کہ الکوحل کے اثرات جسم کے مختلف حصوں پر کیا ہوتے ہیں - چند قطرے الکوحل کے پانی میں حل کر کے پینے سے نظام انہضام کا عمل تیز ہو جاتا ہے - بھوک بڑھتی - غذا کو ہضم ہوتے میں مدد ملتی ہے - زیادہ استعمال سے معدہ کی جھلی متورم ہو جاتی ہے اور سوزش بڑھتی ہے چھوٹی آنت تک آتے آتے الکوحل دورانِ خون میں داخل ہو جاتی ہے - جگر پر الکوحل کا سب سے زیادہ اثر ہوتا ہے - جگر کے افعال میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے اور جگر کے خلیوں میں چکنائی کے انحطاطی ردِعمل شروع ہو جاتے ہیں - کچھ عرصہ کے بعد متواتر استعمال سے ان خلیوں میں انحطاط کی شدت ہوتی ہے اور دیر یا بدیر چند خصوصی نوعیت کی بیماریاں مثلاً سی روسیس - اے سائی ٹس اور لحمیاتی کمیابی کی متعدد بیماریوں کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں - دورانِ خون میں اس کے اثرات انعکاسی افعال

کی شکل میں رونما ہوتے ہیں۔ جن سے حرکت قلب بڑھ جاتی ہے اور خون کی نالیوں کا پھیلاؤ زیادہ ہو جاتا ہے۔ الکوحل کے جسم کے اندر جذب ہونے سے انسان کو گرمائی کا احساس ہوتا ہے۔ جس سے اعضاء میں تشنج بڑھ جاتا ہے اور زیادہ جذباتی کیفیت طاری ہوتی ہے اور اس کے بعد عضلات ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ غنودگی طاری ہونے لگتی ہے اور خون کا دباؤ گر جاتا ہے۔

اعصاب پر بھی انحطاطی عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی نوعیت الکوحل کے ارتکاز اور مقدار پر منحصر ہوتی ہے۔ زیادہ مقدار میں استعمال سے جلد اعصابی کیفیت نمودار ہوتی ہے۔ جبکہ کم مقدار اور ہلکے ارتکاز کی الکوحل سے یہ کیفیت کم ہوتی ہے۔ بہرحال ارتکاز اور مقدار کے بموجب سب سے پہلے قوتِ فیصلہ اثر انداز ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے شرابی (تا وقتیکہ عادی نہ ہو) لڑکھڑانے لگتا ہے۔ جسمانی حرکات سے گرفت اٹھنے لگتی ہے۔ کبھی ہنستا ہے۔ کبھی چیختا ہے۔ کبھی روتا ہے۔ طرزِ کلام عام انسانوں سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی بول و براز اعصابی کنٹرول سے بے قابو ہو جاتے ہیں۔ بیشتر جسمانی حرکات دماغ کے تابع ہوتی ہیں۔ مرکزی نظام اعصابی معطل ہو جانے سے ایک ضرب جو عام انسان کے لئے شدید یا مہلک ہو سکتی ہے۔ ایک شرابی اس کے احساس سے قاصر رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شراب نوشی کے بعد ایک کار یا ٹرک کا ڈرائیور قوتِ فیصلہ کی گرفت سے باہر ہو کر گاڑی چلاتے وقت یہ

محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کا کنٹرول گاڑی پر پہلے سے زیادہ اچھا ہو گیا ہے۔ اور مے نوشی کے بعد ڈرائیونگ میں وہ ایسے ایسے خطرات کی پرواہ کئے بغیر چلتا ہے۔ جتنا کہ وہ بغیر مے نوشی کے ہرگز ہرگز نہیں چلا سکتا تھا۔ جس کی وجہ صرف اعصاب کے اور اعضاء کے کنٹرولنگ سنٹر کے باہمی رابطہ کا قطع ہو جانا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس قسم کے حادثات رونما ہوتے ہیں۔

شراب سے فرار مغربی ممالک میں مے نوشی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ صاحبان عقل و خرد کے لئے یہ ایک مصیبت بن گئی ہے۔ کثرت سے جنسی واقعات اور ڈرائیونگ کے حادثات نے ان کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ اگر وہ اسی ہنج پر چلتے رہے تو معاشرتی اور سماجی قباحتوں اور مشکلات سے مفر نہیں۔ چند ممالک نے اس پر کنٹرول کے لئے مختلف طریقوں سے گرفت پانے کے اسباب تلاش کئے ہیں۔

کنیڈا نے شراب اور لائسننگ ایکٹ باب ۳۸ صفحہ ۲۲۵۔ ۲۵۹۔ مورخہ ۲۶ جون ۱۹۵۸ء دفعات ۳۹ اور ۴۰ کے تحت شراب کی فروخت پر پابندی لگا دی کہ کوئی شراب فروش نابالغ کو شراب فروخت نہیں کر سکتا۔ معالج کے اجازت نامے کے باوجود بغیر کسی سرپرست کے کسی ایسے شخص کو شراب فروخت نہیں کر سکتا جو عمر میں کم معلوم ہو۔ ایسا کرنے والا اس دفعہ کے تحت سزا کا مستوجب ہوگا۔

امریکہ کے ایک اور ملک کوسٹاریکا نے قانون نمبر ۴۷-۱۴ ایس پی پی ایل مورخہ ۷ مئی ۱۹۷۰ء کے تحت ایک نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف الکوحل ازم قائم کیا۔ اس قانون کے تحت یہ انسٹی ٹیوٹ کے حسبِ ذیل کام ہیں:-

۱۔ شراب اور معاشرہ کے حالات پر ریسرچ کرنا۔
۲۔ شراب کی روک تھام اور فروخت کرنے پر کنٹرول۔
۳۔ شراب کی بڑھتی ہوئی شدت کو معاشرہ میں روکنا اور معاشرہ کے نفسیاتی۔ حیاتیاتی اور معیشی پہلوؤں پر ریسرچ کرنا۔
۴۔ شراب کی عادت چھڑانے کے لئے ایسے ادارے قائم کرنا جہاں شراب پینے والوں کا علاج ہو سکے۔

قانون نمبر ۴۸۰۴ ایس پی پی ایس مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۷۰ء کے تحت کوسٹاریکا میں قانوناً شراب کے طریقہ تشہیر کی فنی پہلوؤں پر غور کرے اور پابندی کے عمل کی تجویزوں پر عمل درآمد کرائے۔ فن لینڈ میں قانون نمبر ۱۰۲۸ مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۷۴ء کو شراب نوشی کے وجہ سے بیماریوں کے طریقہ علاج پر عمل درآمد کرتے ہوئے پہلی مرتبہ دفعات مرتب کی گئیں اور یہ لازم قرار دیا کہ بجائے ایک علیحدہ ادارہ قائم کرنے کے۔ موجودہ اسپتالوں اور علاج گاہوں میں ایسے مریض کو جو شراب کے عادی ہوں، داخل کیا جائے اور ادارہ سماجی فلاح و بہبود ایسے اشخاص کی نگہداشت کرے۔ یو۔ ایس۔ اے میں بیوریو آف نارکوٹکس ایکٹ مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۲ء ترمیم شدہ ایکٹ مجریہ ۱۹۷۰ء کے تحت ایک

دفعہ ۳۰۴ میں، انسانی فلاحی ریسرچ کمیٹی قائم کی گئی۔ جس کو منشیات و الکوحل سے تیار کردہ مشروبات کے کنٹرول اور روک تھام کی تدبیر سے متعلقہ مشاورتی کونسل سے رابطہ کرا کے متعدد دفعات کے تحت اس پر پابندیاں لگائی گئیں۔ بہرحال یہ تمام اسکیمیں و قراردادیں معاشرہ کے روبصحت ہونے کی نشانیاں ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ اسلام نے تو پہلے ہی اس شئے کو نجس قرار دیا۔ اگر اسلامی احکام و فرامین پر عمل کیا جائے تو بعد میں اس ناپاک چیز کے شاخسانوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوگی۔

شراب کا ادویات میں استعمال ہمارے گرد و پیش کی دنیا میں ایک ایسا نظام معاشرت نہ صرف عملاً ہم پر محیط ہے بلکہ ہمارے دل و دماغ پر اس کے اصول یا نظریات اس طرح چھا گئے ہیں کہ ہم جب کسی معاشرتی۔ اقتصادی۔ بین الاسلامی یا بین الاقوامی سطح پر سوچتے بھی ہیں تو ہمارے نقطہ نظر کا انعکاس وہی ہوتا ہے جو مغربی اقوام نے ہم پر مسلط و منضبط کر دیا۔ ہمارے ذہن۔ چال چلن۔ تہذیب تمدن۔ اخلاق و عادات۔ بحث و تحقیق۔ جواز و عدم جواز کے اصول و نظریات بھی دلوں سے محو خرام ہیں۔ یہ طریقہ سوچ جن نتائج پر منتج ہوتا ہے۔ وہ اصولاً غلط ہے۔ اب اگر کسی مسئلہ پر مغربیت کے اصول و نظریات کی عینک چڑھا کر اسلام کے معاشرتی احکام میں کسی حکم پر نظر ڈالی جاتے تو لامحالہ پردہ بصارت پر اس کا عکس اسی انداز سے پڑتا ہے۔ جتنا

محدب شیشہ عینک میں استعمال ہوا ہے ۔ ایلوپیتھی طریقہ علاج میں ان افکار کی علت و حرمت کو معاشرتی مفکرین و فرنگی اساتذہ طب نے احکامات قرآن و سنت نبوی سے بے بہرہ ہو کر اپنی اغراض و مصالح سے طریقہ علاج کے در پردہ ہمیں اساس اسلام کے فرامین سے بیگانہ کر دیا ہے ۔ مروجہ ایلوپیتھی میں جتنے بھی ٹنکچر ۔ الکوا اور اسپرٹ جو ادویات میں مکسچر بنانے کے کام آتے ہیں ۔ ان سب میں الکوحل کا استعمال رائج ہے ۔ اس کے علاوہ چند روزمرہ کی ادویات جن کی فہرست و الکوحل کی مقدار بھی آپ کی اطلاع کے لئے مرقوم ہے ۔ حسب ذیل ہے :-

(اوّل) طاقت کی ادویات میں الکوحل کی مقدار :-

(بی جی فاس) ۱۱٪ (واٹربری کمپاؤنڈ) ۵،۹٪ (گرائپ واٹر) ۴٪ (ویٹالوٹن) ۱۶٪ (بی کمپلیکس کمپاؤنڈ شربت لی ڈرلے کمپنی) ۲۰٪ (وائی برونا) ۱۸٪ (ون کارنس) ۲۲٪ (فاسفولیسی تھن) ۱۴٪ (اپلاچیری شربت) ۵٪

(دوم) زکام و کھانسی کی ادویات میں الکوحل کی مقدار :

(کورسیان کف سیرپ فائی زر کمپنی) ۵،۰٪ (ڈائی فن ہائیڈرامین ۔ پارک ڈیوس کمپنی) ۱۴٪ (سائی ٹرکیس ایبٹ کمپنی) ۵٪

اول نمبر ادویات کا استعمال میں طاقت کا جزو سوائے الکوحل کے اور کیا ہے ۔ جیسے ہم خود کو طاقت ور بنانے یا سردی سے بچنے کے لئے

پیتے ہیں اور اس حدیث کو بھول جاتے ہیں کہ جب رسول اکرمؐ سے دریافت کیا گیا کہ سردی میں ہم شراب استعمال کریں۔ آپؐ نے انکار کر دیا۔
(مسند احمد۔ بخاری۔ مسلم)

دوم: بہر اادویات زکام اور کھانسی میں استعمال ہوتی ہیں۔ کیا الکوحل کا استعمال کے بغیر کھانسی رفع نہیں ہو سکتی۔ کیا رسول پاکؐ نے نہیں فرمایا کہ شراب علاج نہیں خود بیماری ہے اور ہرگز استعمال نہ کرو۔
(بخاری۔ کتاب الحدود)

ان کے علاوہ ہومیو پیتھی میں تو تقریباً تمام ادویات میں الکوحل ہوتی ہے۔ مگر چاہے وہ ایک قطرہ بھی کیوں نہ ہو، حرام شئے حرام ہے (ترمذی)

شراب نوشی کی سزا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراب پینے والوں کی خاص سزا مقرر نہیں تھی۔ جو شخص یہ جرم کرتا۔ گھونسے۔ مکے۔ لاتیں۔ بل دی ہوئی چادر کے کوڑے مارتے۔ کھجور کی شاخیں مارنے کے لئے استعمال ہوتی تھیں۔ بعد میں زیادہ سے زیادہ چالیس کوڑے مارنے کی سزا دی گئی۔ حضرت عمر نے بعد میں دیکھا کہ لوگ باز نہیں آتے تو اسّی (۸۰) کوڑوں کی سزا مقرر کر دی۔ اسی سزا کو امام مالک امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے بھی شراب کی حد بنا دیا۔ مگر امام حنبل نے ۴۰ کوڑوں کو مناسب خیال فرمایا۔ حضرت علی نے بھی یہی رواج رکھا تھا۔

محمد بن جریر طبری نے خلافت راشدہ کے عہد ۱۸ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو چند مسلمانوں کے شراب پینے کے

بارے میں لکھا۔ جس میں ضرار اور ابو جندل بھی تھے اور وہ لوگ اس کی تحویل میں قرآن شریف کی یہ آیت بتاتے تھے (فھل انتم منتھون) اور اس کا ترجمہ یوں کرتے "کیا تم باز آنے والے ہو" اور پھر وہ لوگ کہتے تھے۔ اس میں ممانعت تو نہیں ہے۔ حضرت عمر نے جواب تحریر کیا۔ چونکہ اس آیت کا مطلب ہے۔ "تم باز آجاؤ" اس لئے یہ آیت ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کن ہے۔ ابو عبیدہ کو ہدایت کی کہ تم ان آدمیوں کو بلاؤ اور مطلب بتاؤ۔ پھر بھی اگر وہ کہیں کہ شراب حرام نہیں تو ان کو قتل کر دو۔ اگر کہیں کہ شراب حرام ہے اور ان سے غلطی ہو گئی تو اسے کوڑوں کی حد قائم کرو۔ ابو عبیدہ نے ان کو بلایا۔ سمجھایا۔ پھر یہ لوگ توبہ کر گئے۔

جنت کی شراب اللہ تعالیٰ سے زیادہ انسان کی علتوں اور جبلتوں اور دلوں کی پنہائیوں میں پوشیدہ خواہشات سے کون واقف ہوگا۔ اس رب جلیل کو علم ہے کہ انسان شراب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ مگر اس کے حکم سے حرمت کر گیا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک بچہ جس کو مٹھائی اچھی لگتی ہے۔ وہ پاس پڑوس کے گھر سے مانگ کر کھلانے میں عار نہیں سمجھتا۔ ماں پیار سے بچہ کو مانگنے سے منع کرتی ہوئی کہتی ہے کہ بیٹا اگر تم مانگنا چھوڑ دو تو تمہیں شام کو ایک لڈو دیا کروں گی۔ اور حسب وعدہ دے دیتی ہے۔ ماں کا اصل مقصد بچہ کو مانگنے کی عادت کو ترک کرانا ہے۔ بعینہٖ اس رب العالمین کو علم ہے

کہ میرے بندوں نے میرے حکم پر شراب ترک کر دی۔ اب اس کا انعام ملاحظہ ہو:۔

بیضاءَ لذّۃٍ للشّٰرِبین ٥ لا فیھا غولٌ ولا ھُم عنھا یُنزفون ٥
(الصّٰفّٰت ۴۶-۴۷)

چمکتی ہوئی شراب جو پینے میں لذیذ ہوگی۔ نہ اس سے جسم کو ضرر پہنچے گا اور نہ اس سے عقل خراب ہوگی۔

یعنی وہ شراب جنت میں دی جائے گی۔ جو ان دونوں قسم کی خرابیوں سے مبرا ہوگی جو دنیاوی شراب میں ہوتی ہیں۔ دنیا کی شراب میں ایک تو خرابی اس کی بُو ہوتی ہے جو ناپسندیدہ ہوتی ہے دگو اب ماہرین شراب اس کوشش میں ہیں کہ یہ خرابیاں دور کر دیں) پھر اس کا ذائقہ تلخ اور بدمزہ ہوتا ہے۔ پھر حلق سے اتر کر دل و دماغ کو فوراً اور جگر کو بدیر متاثر کرتی ہے اور انسان کی صحت پر بُرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ پھر جب نشہ اتر جاتا ہے تو اعصاب میں انحطاطی عمل ہوتا ہے۔ یہ سب قرآن پاک نے جسمانی ضرر شمار کئے ہیں۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ انسان شراب پی کر بہک جاتا ہے اور عقل و دانش متاثر ہوتی ہے۔ یہ شراب کے عقلی نقائص ہیں۔ انسان صرف جز وقتی سرور کی خاطر یہ سارے نقصانات برداشت کرتا ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جنت کی شراب ان تمام نقائص سے بالاتر ہے۔ جس میں پینے والوں کے لئے لذت یعنی کیفیت سرور تو ہوگی لیکن نہ

جسم کو نقصان دے گی۔ نہ عقل بہکے گی۔ اب یہ فیصلہ آپ پر ہے کہ دنیا کی زندگی میں چند یوم شراب پی کر خود کو بیماریوں اور سینکڑوں مشکلات کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ کے احکام سے بھی انکار کرکے خود کو آخرت میں حساب کے دن دوزخیوں کی قطار میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں یا اس دنیا میں شراب نہ پی کر صحت رہیں اور خدا وند جل وعلیٰ کے سامنے سرخرو کھڑے ہوں اور ہمیشہ ہمیشہ کی جنت کی زندگی میں انعام دہندہ سے شراب کے طالب ہوں۔ جس کا اس نے وعدہ فرمایا ہے۔

شراب خانہ شراب کو اسلام نے توام الخبائث قرار دیا ہی تھا مگر اب مغربی معاشرے بھی اس کی مضرتوں کے قائل ہونے لگے ہیں۔ ان معاشروں میں معیارِ زندگی کی بلندی کے ساتھ شراب کو غذا کا جزو بنا لیا گیا ہے اور اب ایک مشہور ماہر غذائیات پروفیسر شبلر نے اعداد و شمار کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ترقی یافتہ مغربی معاشروں میں جتنی جان لیوا امراض موجود ہیں وہ شراب نوشی کا نتیجہ ہیں۔ ان پروفیسر صاحب نے تو یہاں تک کہا ہے کہ پھیپھڑے اور زبان کے سرطان کا بڑا سبب تمباکو نوشی کو سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ شراب زیادہ بڑا سبب ہے اور جو تمباکو نوش سرطان میں مبتلا ہوتے ہیں وہ شراب نوش بھی ہوتے ہیں۔ ان پروفیسر صاحب کا تجزیہ یہ ہے کہ مغربی معاشروں میں جو مادی خوشحالی آئی ہے۔ اس نے شراب کا چسکا لگایا ہے اور اسی نے ایسی پُرتکلف غذاؤں کا استعمال بڑھایا ہے جو دل، جگر

معدے، دورانِ خون، ذیابیطس اور گنٹھیا کے امراض کا باعث بن گئی ہیں۔ الغرض روپے پیسے اور مادی وسائل کی فراوانی نے انسان کو ایسی علتوں کا شکار بنا دیا ہے۔ جو نہ صرف جان لیوا امراض کو جنم دیتی ہیں بلکہ معاشرتی اعتبار سے بھی سنگین نتائج کی حامل ہوتی ہیں۔

---

(۱۰)
جھوٹ کی گرم بازاری

(از ڈاکٹر سید زاہد علی واسطی صاحب)

عجائبات قدرت الٰہی غیر محدود ہیں. ان عجائبات میں سے انسان کے خیالات نہایت عجیب چیز ہوتے ہیں. ان خیالات کا محرک بالواسطہ یا بلا واسطہ ایک خیال بطلب منفعت مادی ہوتا ہے. جیسے روپیہ پیسہ، لباس وغذا وغیرہ اور غیر مادی جیسے عیش ونشاط، غم وغصہ، سچ وجھوٹ. آخر الذکر خیال کی غیر مادی منفعت بھی دراصل لاشعوری طور پر مادی منفعت کے حصول سے کسی نہ کسی طرح نسبت ضرور رکھتی ہے. ان تمام تر خیالات کا گہوارہ انسانی دماغ ہوتا ہے جو بیرونی حرکات وسکنات سے متاثر ہو کر عقل وبینش اور دائرہ سوچ کو ایسی نہج پر مستنبط کرتا ہے. قدرتی ا
کے اوصاف پر از خود حرکات انسانی کا فی الفور اثر نہیں پڑتا. بلکہ انسان پر مہذب دلیری، مؤدب شجاعت، ممدوح خودداری جو ہونی چاہیئے. جھوٹ کی بدولت ختم ہو جاتی ہے. یا یوں کہیئے کہ ظاہری اخلاق وصفات حمیدہ فی نفسہ جو اعلیٰ صفات ہیں جن سے اخلاقی فیاضی، طبیعت کی آزادگی اور دل کی کشادگی پیدا ہوتی ہے ان میں جھوٹ کا قبیح تداخل زہر ہلاہل سے کم نہیں بہتر ہے کہ:-

مصرع: بیشک ایں فتنہ است خواہش بردہ بہ

اب ذرا اپنی نظر کو جھوٹ کے جزئیات وکلیات پر پھیلایئے. کیا جھوٹ ہی وہ عطیہ قدرت الٰہی ہے جس سے مفر نہیں اور جس کے بغیر آپس میں اپنائیت

سے برتاؤ کی صورت میں متعین کرنا نا ممکن ہے دوستی دشمنی، اتفاق و اختلافات تعاون و عدم تعاون جو زمین کی باطن پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں مجموعی طور پر دنیا کے ساتھ روابط کا انحصار سوائے جھوٹ کے کوئی نہیں ہے؛ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص نے اس سوال پر فلسفیانہ غور کیا ہو۔ اور واضح طور پر تنقیحات قائم کر کے فیصلہ کر لیا ہو اور بہت سے لوگوں کے ذہن میں کوئی صورت نہیں ہوتی۔ نہ وہ کبھی ان پر بلا ارادہ سوچتے ہیں مگر باوجود اس کے ہر آدمی اجمالی طور پر اس سوال کے متعلق منفی یا مثبت پہلو ضرور رکھتا ہے۔ اور اماماً ملحیۃ زندگی میں اس کا لائحہ عمل جو کچھ بھی ہو لازمی طور پر جھوٹ پر انحصار کرتا ہے۔ اگر ہم سب ایمانداری سے اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں بلاشبہ کہہ دیں گے کہ ہم سب جھوٹ بولتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کچھ لوگ انتخاب کر لیتے ہیں۔ کون سے جھوٹ ایسے ہیں جو بولنے چاہئیں اور کون سے ایسے ہیں جو نہ بولنے چاہئیں مگر زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو بغیر سوچے سمجھے جھوٹ بولتے ہیں۔ ایسے جھوٹ سے انسان جز وقتی ضرور فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ مگر اگر وہ جان جائے کہ نیک دل کی منتہائے خوبی جھوٹ سے فرار ہے اور بد دل کی منتہائے بدی جھوٹ کا اظہار ہے تو اپنے کلام پر قدغن لگانے میں گریز نہ کرے گا۔ چونکہ یہ مسئلہ انسانی زندگی کی بنیادی حیثیت میں مقام رکھنے کے علاوہ من جملہ مقتضائے دین بھی ہے۔ جس سے تمدن و تہذیب اسلام کو یک گونہ وابستگی ہے۔ اور ہیئت اجتماعی میں طرز فکر کا سرچشمہ اور اس کی وجہ سے خدا اور رسول کی اطاعت، قومی اتفاق، باہمی اخوت اور اعانت، تمدنی و معاشرتی امور کی وسعت کلیتاً اثر انداز ہوتی ہیں۔

جھوٹ بولنا یا کسی کو جھٹلانا کسی اتفاقی حادثہ سے ظہور پذیر نہیں ہوا۔ یا ہماری

سوسائٹی کی جدید پیشکش نہیں ہے تاریخ گواہ ہے کہ ہزار ہا سال گذرے جب کوئی نبی کسی قوم میں آیا اور توحید کا علمبردار ہوا لوگوں نے اسے جھٹلایا۔ اسکی فرمودات کو جھوٹ کہا شاعر کہا، کاہن کہا، جادوگر کہا۔ یہی نہیں بلکہ لوگوں نے خدا کے وجود کو جھٹلایا۔ اس کی ربوبیت کو چیلنج کیا۔ اس کی کتابوں کو جھٹلایا۔ اس کے احکامات کو جھٹلایا۔

کذبت قبلھم قوم نوح واصحاب الرس وثمود وعاد وفرعون واخوان لوط واصحاب الایکۃ وقوم تبع کل کذب الرسل فحق وعید (ق ۱۲-۱۴)	ان سے پہلے نوح کی قوم، اصحاب الرس ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی اور بَن والے اور تبّع کی قوم کے لوگ بھی (رسولوں) کو جھٹلا چکے ہیں۔ اور آخر کار میری وعید ان پر چسپاں ہو گئی۔
ولقد کذب الذین من قبلھم فکیف کان نکیر (الملک ۱۸)	ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگ (رسول کو) جھٹلا چکے ہیں۔ دیکھو میری گرفت ان پر کیسی سخت تھی۔
فانتقمنا منھم فانظر کیف کان عاقبۃ المکذبین (الزخرف ۲۵)	آخر کار ہم نے ان کی خبر لے ڈالی اور دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام۔

دیرینہ طرز عمل الغرض جھوٹ بولنا، یا جھٹلانا سچائی کو۔ یہ ایک دیرینہ طرز عمل ہے۔ جن کی گواہی ہمیں قرآن پاک اور حدیث سے بہتر نہیں مل سکتی۔ فی زمانہ اگر محققانہ نظر (ڈالیں) تو ہمیں چار قسم کے جھوٹ نظر آئیں گے۔ اولاً۔ ایسے جھوٹ جن سے نہ فائدہ ہوتا ہے اور نہ نقصان مثلاً آپ سینما دیکھنے جا رہے ہیں۔ آپ کے کوئی بزرگ عزیز سر راہ مل گئے معلوم کیا برخوردار کہاں جا رہے ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ اگر سینما کا نام لیں تو سینما کے

قبیح اثرات، بداخلاقی و فحاشی کے موضوع پر ایک بلیغ تقریر شروع ہو جائے گی، آپ فوراً جھوٹ بولیں گے "میرے ایک دوست کی حالت بہت خراب ہے۔ اس کو دیکھنے جا رہا ہوں" اس جھوٹ سے نہ ان کو نقصان ہوا نہ آپ کو مادی فائدہ، سوائے اس کے کہ آپ وہ پند و نصائح جو چند بار سن کر بھی ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ان کو دوبارہ سننے سے خلاصی مل گئی۔

ثانیاً۔ ایسے جھوٹ جن سے خود کو فائدے پہنچ جائے۔ مگر دوسروں کو نقصان ہو۔ بازار تشریف لے گئے۔ کسی چیز کا نرخ معلوم کیا۔ آپ کو معلوم ہو گیا کہ دوکاندار نرخ بڑھا رہا ہے۔ آپ نے جھوٹ بولا۔ کہا کہ دوسری دوکانوں پر تو یہ بھاؤ ہے۔ دوکاندار راضی ہو گیا۔ اور آپ کو مطلوبہ نرخ پر چیز مل گئی۔ اس طرز گفتگو سے دوکاندار نے گھاٹے میں تو سودا نہیں دیا۔ بلکہ جو زیادہ نرخ مطلوب تھے۔ ان میں سے ہی کمی کر کے آپ کو خوش کر دیا اس طریقہ سے آپ کو فائدہ ہو گیا۔ مگر دوکاندار کو نقصان نہیں ہوا۔

ثالثاً۔ ایسے جھوٹ جن سے ذاتی فائدہ ہوتا ہے مگر دوسرے کو نقصان ہوتا ہے یہ جھوٹ قبیح ہوتے ہیں۔ اپنے ذاتی فائدہ کی وجہ سے جھوٹی شہادت دینی۔ اقرار کرنا۔ زمین جائداد کی حصولی کی خاطر کسی کا حق مارنا۔ دلالی کرنا۔ چوری ڈکیتی، جیب تراشنا، آڑھت میں سودابازی کرنا وغیرہ

رابعاً۔ ایسے جھوٹ جن سے ذاتی فائدہ نہیں ہوتا مگر دوسرے کو نقصان ہوتا ہے بعض گواہیاں، شہادتیں چند ووٹوں کی خاطر یا دوستی کے لحاظ میں دی جاتی ہیں۔ عدالتوں، دفتروں، تھانوں وغیرہ میں ان پر کوئی بازپرس نہیں۔ پس قانونی کاغذات کا پیٹ بھرنے کے لئے راہ چلتے، پیشہ ور شاہدوں کے بیان کے اندراج سے

دادرسی مکمل ہو جاتی ہے۔

ہماری زندگی کے ہر شعبہ میں بے انتہا خرابیاں ہیں۔ ان میں جھوٹ بولنا موجودہ الوقت سب خرابیوں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے جو اپنے جلو میں مخرب اخلاق پست ذہنیت اور اپنے تابکاری اثرات سامنے لاتا ہے۔ اس تمام خرابی کا شجرہ آپ کے سامنے ہو تو آپ محسوس کریں گے کہ اس خرابی کی اصل وجہ کیا ہے۔ اسکی جڑیں کہاں تک پھیلی ہوئی ہیں اور کن اسباب سے اپنی غذا حاصل کر رہی ہیں۔ ان کے علاج اور اصلاح کی طرف عدم توجہی میں ہماری بحیثیت معاشی، اخلاقی۔ استمراری ذہنی خرابیاں ہی رکاوٹ کا باعث ہیں۔ عدم توجہی دراصل کوئی ذہنی انحطاط کا نتیجہ نہیں بلکہ مسلسل مذہبی اور دینی امور سے لاپرواہی، اسوہ رسول سے ربط میں کشیدگی عوام الناس میں اسلامی تعلیمات سے بے خبری اور اس کے اصلاحی کاوشوں سے محرومی ہے۔ علماء دین جن مشاغل میں مصروف رہتے ہیں وہ اختلافات کو مستقل طور پر فرقوں کی بنیاد بنانا ہے۔ فرقہ بندیوں کو ہوا دینا اور فتنوں کا اکھاڑہ بنانا ہے۔ اگر ان مسائل پر کبھی دلچسپی لی بھی تو موشگافیوں اور جزئیات کی بحثوں تک جس کے باعث اسلام کی میراث جھگڑوں، فتنوں مناظروں اور فرقہ بندیوں کی سرسبز اور لہلہاتی ہوئی کھیتی معلوم ہوتی ہے۔ آیئے ہم ایک اجمالی جائزہ لیں کہ روزمرہ کی زندگی میں جھوٹ سے ہمیں کہاں کہاں سابقہ پڑتا ہے

بازار میں جھوٹ

جھوٹ جو کہ بنیادی طور پر اسلامی تعمیر میں حد درجہ بدترین گناہ ہے۔ بازار میں اس کا دور دورہ ہے کارخانہ دار اپنے ٹیکس گورنمنٹ سے بچانے کے لئے جھوٹ بولتے ہیں جعلی کھاتے بنتے ہیں تھوک فروش مال خرید کر شہر میں لاتے وقت چونگی کے محکمہ سے جھوٹ بولتے ہیں،

پرچون فروش صبح سے شام تک اپنے گاہکوں سے جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ خبر سن کر کہ فلاں مال کی قیمت چڑھنے والی ہے۔ مال کی ذخیرہ اندوزی کر کے گورنمنٹ اور گاہکوں سے جھوٹ بولتے ہیں۔ اور یا تو بلیک کی قیمتوں پر بیچتے ہیں۔ یا مال کے موجود ہونے کے باوجود قسمیں کھا کر مال کے نہ ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔ اگر کسی سے مال دینے کا وعدہ کر لیں اور قیمت کے چڑھنے کی بھنک پڑ جائے۔ تو صاف انکار کرتے ہیں کہ مال ختم ہو گیا۔ حالانکہ مال موجود ہوتا ہے۔ اور منتظر ہوتے ہیں۔ کہ کب نئی قیمت کا اعلان ہو۔ اور مال نہ خانوں یا بینکوں سے باہر نکالیں۔ یہ سب ان کی اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کا موجب ہے۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے۔ کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

جس میں چار باتیں ہوں گی۔ وہ منافق ہے اور اگر ان میں سے ایک بات بھی نفاق کی ہے تو کفر کی حالت میں رہے گا۔ تاوقتیکہ وہ اس کو چھوڑ نہ دے، جو حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ امین بنایا جائے اور خیانت کرے۔

۲۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔

۳۔ وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔

۴۔ لڑے تو گالیاں دے۔ (باب الایمان۔ تجرید بخاری صہ ۲۲)

اسی حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ کہ رسول خدا نے فرمایا۔ کہ منافق کی تین پہچانیں ہیں :۔

۱۔ جب بولے تو جھوٹ بولے

۲۔ وعدہ کرے تو خلاف کرے۔

۳۔ امین بنے تو امانت میں خیانت کرے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ سب سے عمدہ پیشہ سوداگروں کا ہے۔ جو بولتے ہیں، سچ بولتے ہیں۔ جھوٹ نہیں بولتے۔ اگر ان کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہیں کرتے۔ جب کوئی چیز فروخت کرتے ہیں تو اس کی بے حد تعریف نہیں کرتے۔ جب فروخت کرتے ہیں تو اس مال کا عیب ظاہر کر دیتے ہیں۔ (البیہقی فی شعب الایمان، معاذ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے تاجروں کی تین خاصیتیں فرمائیں ہیں:۔

۱۔ جب وہ کسی سے کوئی چیز خریدتے ہیں۔ تو اس کی برائی نہیں کرتے اور بائع کی مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

۲۔ جب کوئی چیز فروخت کرتے ہیں تو اس کی بے حد تعریف نہیں کرتے۔

۳۔ اس لین دین کے معاملے میں قسم نہیں کھاتے۔ (اصبہانی۔ اسوۂ رسول اللہؐ)

حضرت عبید بن رفاعہ نے اپنے والد حضرت رفاعہؓ سے انہوں نے نبیؐ سے روایت کی ہے۔ کہ تاجر قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائیں گے۔ سوائے ان تاجروں کے جنہوں نے اپنی تجارت میں تقویٰ، نیکی، حسن سلوک اور سچائی شامل کرلی۔
(جامع ترمذی۔ معارف الحدیث)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ نے حضور سے روایت کی ہے کہ سچا اور امانتدار

سوداگر، انبیاءؑ صدیقین اور شہدا کے ساتھ قیامت میں ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ نے حضورؐ پاک سے روایت بیان کی ہے کہ ناپنے اور تولنے میں جھوٹ ایسی چیز ہے جس سے پہلے دو قومیں ہلاک کی جا چکی ہیں کم ناپنے اور کم تولنے والوں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ (ابن ماجہ۔ مشکواۃ)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبیؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے تمہیں قابل اعتماد سمجھ کر تمہارے پاس امانت رکھ دی۔ امانت میں (جھوٹ) خیانت کرکے، اس کے ساتھ جھوٹ کا معاملہ نہ کرو۔ (ترمذی) جو تاجر سچائی اور امانت کا دامن چھوڑ کر جھوٹ اور خدا کی قسموں کے نام کے ساتھ سہارا لیتے ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ

قیامت کے دن نہ تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ شفقت و رحمت سے کلام فرمائے گا۔ اور نہ اس پر نظر رحمت ہوگی۔ اور نہ وہ گناہوں سے پاک ہوگا (صحیح مسلم)۔ اسی ضمن میں ارشادِ ربانی ملاحظہ فرمالیں:۔

ویحلفون علی الکذب وھم یعلمون اعد اللہ لھم عذاباً شدیداً ؕ (المجادلہ۔ ۱۵)	اور جو جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور یہی نہیں بلکہ یہاں تک منع کیا گیا ہے۔ کہ اپنے مال کی قیمت اصل سے بڑھا کر بتانا قبیح تر فعل ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ مروی ہیں۔ کہ رسولؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تین آدمیوں کی طرف نظر رحمت نہ فرمائے گا۔ اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ (ان میں سے ایک) وہ شخص ہوگا۔ جو عصر کے بعد اپنا مال بیچنے کے لئے کھڑا ہوگا۔ (تاکہ اندھیرے میں اس کے عیب یا قسم کا اندازہ نہ ہو سکے) اور کہے

کہ خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ مال اچھا ہے۔ مجھے اس کی اتنی قیمت مل رہی تھی پھر کسی نے بیچ سمجھ کر خرید لیا۔ آپؐ نے اس وقت یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

ان الذین یشترون بعہد اللہ وایمانہم ثمناً قلیلاً۔ (باب الایمان۔ تجرید بخاری)

مگر آپ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ سب جھوٹ بول کر ظاہراً کسی فی الفور شکل میں یا عذاب میں مبتلا نہیں ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نافذ قوانین وقت آنے پر مہلت نہیں لینے دیتے۔ اور نہ خداوند کریم اپنی اجتماعی ہدایت کے بعد انفرادی طور پر کسی کو لحظہ بلحظہ کچھ نہیں سمجھاتا۔

ان اللہ لا یہدی من ھو مسرف کذاب۔ وان یک کاذباً فعلیہ کذبہ (المومن۔ ۲۸)

اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گذر جانے والا اور جھوٹا ہو اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ خود اسی پر پلٹ پڑے گا۔

عدالتوں میں جھوٹ

بازار سے نکل کر آپ عدالتوں کچہریوں میں داخل ہوں گے۔ تو محسوس کریں گے یہاں تو جھوٹ کی لہلہاتی ہوئی کھیتیاں ہیں۔ جھوٹ کے کارخانے تو یہیں قائم ہیں۔ جہاں پیٹ بھر جھوٹ بولا جاتا ہے۔ جھوٹ کی تعلیم ترویج و پرورش قانون کے زیر سایہ پروان چڑھتی ہے۔ ا[illegible] جب موکل مسندِ وکالت تک پہنچتا ہے۔ تو وہ نہایت معصوم ہوتا ہے۔ یہاں اپنی ر[illegible] سناتا ہے اور قانون کے سامنے اپنی حیثیت ایک لاعلم، ایا ہج انسان کی طرح سمجھتا ہے۔ کچھ ہی وقت میں قابل وکلاء کی زیر نگرانی اس کو سب اونچ نیچ سے آشنا کر دیا جاتا ہے۔ حصول انصاف کی خاطر آپ طرح طرح کی کارگزاریوں کے بعد انصا[illegible]

کی کرسی کے سامنے حق رسی کے طلبگار کی حیثیت سے سائل کی طرح لاچار پیش ہوتے ہیں. تو معلوم ہوتا ہے. کہ یہاں تو جھوٹ کی عملداری ہے. انصاف کی کرسی سے آواز آتی ہے." خدا کو حاضر ناظر جان کر جو کہو گے سچ کہو گے" لیجئے بسم اللہ ہی غلط ہو گئی آپ سچ کہتے ہیں تو پھنستے ہیں، پس آپ حلفیہ کہتے کی قسم کھا کر خوب جھوٹ بولتے ہیں. آپ کو اگر یقین نہیں تو کسی کا سر پھوڑ کر دیکھ لیں اور قابل فوجداری کا وکیل مہیا کر لیں. پھر دیکھیں کہ آپ کا وکیل کیسے کیسے ہاتھ دکھا کر آپ کو قانون کی گرفت سے بچا لیتا ہے. اور کسی بے گناہ کو اندر کرا تا ہے. الغرض عدالت میں موکل جھوٹ بولتا ہے. وکیل جھوٹ سنوارتا ہے. مدعی جھوٹ بولتا ہے. گواہ جھوٹ بولتا ہے بلطائی گواہ جھوٹ بولتا ہے. پولیس جھوٹ تراشتی ہے. تب جا کر کہیں حق و صداقت کے طلبگار کو عدالت سے فیصلہ اپنے حق میں کرانے کا موقعہ نصیب ہوتا ہے. بیشک آپ کے جھوٹ سے کسی کو کیا نقصان پہنچا. آپ کو آپ کے وکیل کو، عدالت کو کیا مطلب جھوٹ گزیدہ شخص کتنے دن کے لئے پس دیوار زندان چلا گیا. اس کی کفالت میں اس کی بیوی بچے، ماں اور باپ کوڑی کوڑی کے محتاج ہو گئے. در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں. کس قدر قرض جو اس کے ذمہ واجب الادا مقدمہ کی وجہ سے ہو گیا تھا اس میں جائیداد یا زیورات کی فروختگی سے اس کے پس ماندگان نے اتارا. اللہ سب جانتا ہے اور اللہ کو معلوم ہے سب کچھ:۔

واللہ یشھد انھم الکذبون ' (الحشر-۱۱) مگر اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ قطعی جھوٹے ہیں

جھوٹی شہادت دینے سے جو آپ کو فائدہ ہو گیا. وہ بھی دائم و قائم نہیں رہے گا. مگر آپ دیکھیں اس دنیاوی مال و متاع کے لئے جو فائدہ حاصل ہو گیا. سب لوم الحساب

میں واپس نہ کرنا پڑ جائے۔ جہاں واپسی کے لیے آپ کے پاس زر نقد تو نہیں ہوگا۔ آپ کو یہ گھڑی بڑی کٹھن ہوگی۔ جبکہ روپوؤں سے جھوٹے مقدمات جیتتے ہیں۔ ان کے عوض آپ کی نیکیاں آپ سے عتاب زدہ پارٹی کو مل جائیں گی۔ اور جھوٹی شہادتوں، گواہیوں کا عذاب الگ ملے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا تین گناہ کبیرہ ہیں جن کی بخشش نہیں ہونیکی۔ خدا کے ساتھ شرک کرنا۔ اس کی نافرمانی کرنا اور تیسرا یہ کہ اک دم سیدھے بیٹھ گئے اور کہنا جھوٹ۔ ہاں جھوٹی گواہی دینا۔

(باب الشہادت۔ تجرید بخاری ص ۴۸۷)

ان اللہ لا یہدی من ھو کذاب کفار۔ (الزمر۔ ۳) — اللہ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہو۔

فاتٰھم العذاب من حیث لا یشعرون (الزمر۔ ۲۵) — ان پر عذاب ایسے رُخ سے آتا ہے جدھر ان کا خیال بھی نہیں ہو سکتا۔

اور قسم کھانے والوں پر تو خداوند کریم نے سخت نفرت اور حقارت کا اظہار فرمایا ہے اب آپ دیکھیں۔ جو عدالت، تھانوں اور قانون میں دن رات حلف اٹھائے جاتے ہیں۔ ان کا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔

فمن اظلم من کذب علی اللہ وکذب بالصدق اذ جاءہ ط۔ — اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ (یعنی جھوٹی قسم کھائی) اور سچائی کو جھٹلایا۔

جگہ جگہ قرآن پاک میں آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی ہے۔ مگر سمجھنے والوں

کے لئے عبرت ہے۔ اور نہ سمجھنے والوں کو ذلت ہے۔

ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذباً ط (الہود۔ ۱۸۱)
اور اس شخص سے بڑھکر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔

اولئک الذین لعنھم اللہ ط ومن یلعن اللہ فلن تجد لہ نصیرا ً ط (النساء۔ ۵۲)
ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور جس پر اللہ لعنت کرے پھر تم اس کا کوئی مددگار نہیں پاؤگے

ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنی طلاقت لسانی سے جھوٹی قسمیں کھاکر عدالت کو چکر میں ڈال دے اور عدالت شہادتوں سے مجبور ہوکر فیصلہ کر بھی دے۔ مگر یوم الجزأ میں اس سے کوئی فرد نہیں بچے گا۔ اور ایسی سخت سزا کا مستوجب ہوگا کہ اس کو سن کر بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت ابوداؤدؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینے والا شخص قیامت کے دن کوڑھی بن کر پیش ہوگا۔ صحیح مسلم میں آیا ہے۔ کہ ایسے شخص کے لیئے اللہ تعالیٰ کا عذاب دوزخ ہے۔ اور جنت اس پر حرام ہے۔

عبادات میں جھوٹ

جب دیکھا کہ دوستوں کی محفل گرم ہے۔ ایک صاحب اٹھے۔ بھئی معاف کیجئے گا نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ یہ گئے۔ اور وہ آئے۔ فٹافٹ نماز پڑھ ڈالی۔ ہیں آپ نے اس قدر جلد نماز پڑھ ڈالی۔ جلدی تھی صرف فرض پڑھ لیئے۔ اس میں بھی نہ قیام کا پتہ نہ سجدہ کا۔ ابھی نیت باندھی۔ ابھی سلام پھیرا۔ اللہ کو بھی خوش کیا۔ دوستوں کو بھی راضی رکھا۔ پھر اسی لہو ولعب میں گم ہوگئے۔ کسی دفتر میں بعد دوپہر جائیے۔ فلاں صاحب سے

ملتا ہے۔ سیٹ (SEAT) پر تو نہیں ہیں۔ نماز پڑھنے گئے ہوں گے۔ نماز کے اوقات دفتروں میں بعد دوپہر شروع ہو جاتے ہیں۔ اور دفتر کے بند ہوتے وقت تک چلتے ہیں آپ بڑے مزے سے اس وقت کہیں گھومیں اگر کوئی پوچھے تو بغیر جھجک کہہ دیں۔ نماز پڑھنے گئے تھے۔ مجال ہے افسر اف کر جائے۔ اگر کرے تو سب سے کہیں عجیب ڈھنگی افسروں سے سابقہ پڑا ہے۔ نہ خود نماز پڑھتے ہیں نہ نماز کے وقت چھٹی دیتے ہیں۔

روزہ ضرور رکھئے۔ اپنا کاروبار بھی کیجئے۔ روزہ کاروبار کرنے کو تو منع نہیں کیا۔ مگر روزہ کی اہمیت و جامعیت کو سمجھئے تو معلوم ہو گا۔ کہ روزہ صرف کھانا پینا ہی ترک کر دینے کا نام نہیں، روزہ آپ کے جسم کی تطہیر کرتا ہے۔ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے۔ کہ حضور نے پانچ چیزیں بتائیں۔ جن سے روزہ ضائع ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک جھوٹ بھی ہے اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی جس پر واجب ہے۔ وہ حضرات اپنے قلوب پہ ہاتھ رکھ کر دیکھیں۔ کہ کس قدر زکوٰۃ دیتے ہیں۔ دنیا کو تو بہکانے میں کامل بن سکتے ہیں مگر اس کی کوڑی کوڑی کی ادائیگی جب آخرت میں ہوگی تب آپ کیا کریں گے

حج انتہائی اہم فریضہ ہے جو کہ اس فرض کے ادا کرنے کے قابل ہوں مگر واپسی پر جہاز سے اتر کر تمام دعائیں اور معافیاں جو اس مقدس سرزمین پر ادائے حج کے دوران مانگیں وہ سب بھول جاتے ہیں۔ اور بسم اللہ ہی جھوٹ سے شروع کرتے ہیں جب محکمہ کسٹم کے منکر نکیر وار د ہوتے ہیں۔ تو آپ صریح جھوٹ بھول کر گھڑیاں، ٹیپ ریکارڈ، ٹیلی ویژن اور قیمتی اشیاء چھپانے کی خاطر جھوٹی قسمیں۔ جھوٹے حلف نامے (AFFIDAVIT) بھر دیتے ہیں۔ افسوس ہے آپ کی عبادتوں پر، معلوم ہے آپ کیا کرتے ہیں؟

ولا تکونوا کالتی نقضت غزلہا	اور تم اس عورت کے مشابہ مت ہو
من بعد قوۃ انکاثاً تتخذون	جس نے اپنا کاتا ہوا سوت محنت کے
(النحل-۱۳)	بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اللہ کے بندو! تم جو کچھ بھی کرتے ہو۔ تمہارا ایمان ہے۔ کہ اللہ جل جلالہٗ سب کچھ دیکھتا ہے پھر تم اس کی ہی عبادات میں ریاکاری، جھوٹ اور فریب سے کام لیتے ہو۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ اس رب العرش العظیم کو تمہاری کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ جو تم اس کے نام کا کچھ دیتے ہیں۔ وہ بھی اس کو نہیں ملتا۔ اس کو صرف تمہارا التقویٰ درکار ہے۔ (لعلکم تتقون)

محکموں میں جھوٹ

منجملہ تمام محکمے اس کی دست برد سے باہر نہیں ہیں۔ محکمہ تعلیمات ہو یا محکمہ جنگلات، کہیں جھوٹی سندیں دینے کے ماہر بیٹھے اپنی کارگزاریوں پر نازاں ہیں۔ اور قوم کے فرزندوں کو بے راہروی سکھا رہے ہیں۔ تو کہیں نظامت جنگلات میں فرضی نیلاموں سے رجسٹروں کی خانہ پُری ہو رہی ہے۔ محکمہ صحت کی کشتی جن کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ادویات کے نام اور معیار کے ادل بدل کرنے ہی سے مریضوں کی ارواح کو ثواب پہنچانے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ ہسپتالوں میں مریضوں کے تیمار دار الموز (ALMONER) کے کمرہ میں حلفی فارم بھرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھکر جھوٹ لکھنے پر کمربستہ ہیں۔ نقشہ مضروبی بننے سے پیشتر شعبہ حادثات میں بکرمنڈی کا منظر درپیش ہے۔ انکم ٹیکس سیلز ٹیکس۔ ایکسائز ٹیکس۔ پراپرٹی ٹیکس گفٹ ٹیکس میں تو شاذ ہی کوئی سچ لکھتا پڑھتا ہو۔ محکمہ پی ڈبلیو ڈی، انہار اور پی اینڈ آر میں تو جھوٹ شرعاً حلال سمجھا جاتا ہے

پولیس کی تفتیش کی تو تعمیر ہی اکثر جھوٹ کے خمیر سے ہوتی ہے۔

سنستدرجھم من حیث لا یعلمون ط ہم ایسے طریقوں سے بتدریج ان کو
واملی لھم ان کیدی متین ٥ جھوٹوں تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ ان
(القلم ۴۵،۴۴) کو خبر تک نہ ہوگی میں تو ان کی رسی دراز
کر رہا ہوں میری چال زبردست ہے

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچ بولنا نیک کاموں کی ہدایت ہے۔ اور نیک عمل جنت میں لے جاتا ہے اور جھوٹ بولنا بُرے کاموں کی ہدایت ہے۔ اور جھوٹ بولنے والا جہنمی ہے،
(باب الادب۔ تجرید بخاری صہ ۹۴۶)

سوسائٹی میں جھوٹ

ہماری سوسائٹی میں جھوٹ کو اہم مقام حاصل ہے فون کی گھنٹی بجی۔ ملازم نے صاحب کے زیر ہدایت کہہ دیا کہ صاحب باہر گئے ہیں۔ حالانکہ صاحب گھر پہ موجود ہیں کچہریوں میں موکلوں وکلاء کا ہجوم ہے۔ افسر جلیس ملحقہ ریٹائرنگ روم میں گپوں میں مصروف ہیں یا پھر چائے نوش فرما رہے ہیں۔ چپراسی ہمیشہ یہی بتائیں گے۔ کہ میٹنگ ہو رہی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی کے لئے یہی جھوٹ کافی ہے۔ کہ وہ جو کچھ سنے اس کو بیان کرتا پھرے۔ (صحیح مسلم۔ معارف الحدیث) اس کی روشنی میں ہم غور کریں کہ ہم دن میں کتنی بار جھوٹ بولتے ہیں کسی سے ملے فوراً کسی کی باتیں شروع کر دیں اپنی جانب سے اگر درست بھی کہہ رہے ہیں تو کوئی نہ کوئی بات ایسی بن جاتی ہے جو جھوٹ نہیں تو جھوٹ

کے قریب ضرور ہوتی ہے۔ پھر سننے والا جب دوسرے کو بیان کرے گا تو کچھ نہ کچھ زیب داستان کے لئے بڑھا لے گا۔ سیاست میں تو دن رات جھوٹ بولا جاتا ہے۔ حالانکہ حکم ہے کہ حاکم کی اطاعت کرو۔ مگر کون ایسا کرتا ہے۔ اس کی بجائے حاکم پر بہتان، نکتہ چینیوں کے تومار باندھتے ہیں۔ جس کی ممانعت ہے۔

الغرض جھوٹ ایک لعنت ہے۔ اور جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ جھوٹ گناہ کبیرہ میں میں سے ایک چیز ہے۔ حضور ؐ نے فرمایا کہ بندہ ایک ایک کرکے جھوٹ بولتا ہے اسے خود بھی معلوم نہیں ہوتا، ادھر اس کا نام جھوٹوں کے زمرہ میں لکھ دیا جاتا ہے۔ آخرت کا خیال نہ کرنا یا اس کو بھی جھٹلانا، انسان کو اسلام کے دائرہ سے خارج کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی کے لئے فرماتا ہے :۔

هذا یوم الفصل الذی کنتم به تکذبون۔ — یہی وہ فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ (الصّٰفّٰت۔۲۱)

ذوقوا عذاب النار التی کنتم بها تکذبون۔ — اب چکھو اس عذاب جہنم کے مزے جسے تم جھٹلاتے تھے۔ (السبا۔۴۲)

اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر آپ یوم آخرت پر ایمان بھی رکھتے ہو جھٹلاتے بھی نہیں تو پھر جھوٹ جیسی ام الخبائث چیز سے کیونکہ تائب نہیں ہوتے۔ لیکن ہم لوگ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں بات بات پر غلط بیانی کرتے ہیں۔ محض دوسروں کی دلچسپی کی خاطر جھوٹ بولتے ہیں حضور ؐ سے روایت ہے کہ میں نے ایک عجیب چیز دیکھی۔ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے دوسرا شخص ایک ٹیڑھا لوہے کا اوزار پہلے کے منہ میں ڈال کر کھینچتا ہے۔ یہاں تک کہ گلا پھٹ جاتا ہے۔ وہ شخص درد و تکلیف سے بلبلا اٹھتا ہے۔ اتنی دیر میں گلا درست

ہو کر اپنی اصلی حالت میں آجاتا ہے۔ دوسرا شخص یہ عمل برابر کر رہا ہے۔ آخر حضورؐ نے سوال کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ کیوں اس شخص کو اس قدر اذیت دی جا رہی ہے۔ جواب ملا کہ یہ شخص جھوٹ بولنے کا عادی تھا۔ یہ سلسلہ اس کی قبر سے لیکر قیامت کے دن تک جاری رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن جرادؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عرض کیا۔ یارسول اللہؐ کیا مومن سے زنا کا ارتکاب ہو سکتا ہے۔ فرمایا ہاں اس کا امکان ہے پھر میں نے عرض کیا۔ کہ کیا مومن جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ فرمایا ہرگز نہیں جھوٹ تو صرف وہی بولتے ہیں۔ جو صاحب ایمان نہ ہوں۔ مومن تو صاحب ایمان ہوتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

انما یفتری الکذب الذین لا	جھوٹ افترا تو وہی لوگ کرتے ہیں جو
یومنون بایٰت اللہ ج واولئک	خدا کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور
ھم الکذبون (النحل ۱۰۵)	وہی جھوٹے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عامرؓ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ ہمارے گھر تشریف لائے۔ میری والدہ نے مجھے آواز دی عامر ادھر آؤ تمہیں ایک چیز دوں گی آپؐ نے پوچھا کہ تم اس کو کیا چیز دو گی۔ میری والدہ نے عرض کی کہ ایک کھجور کا دانہ دوں گی۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم بچے کو یہ کہنے کے بعد کچھ نہ دیتی تو تمہارے نامۂ اعمال میں ایک گناہ لکھ دیا جاتا۔ (سنن ابن داؤد)

گویا اسلام نے یہ بھی پسند نہیں کیا۔ کہ آپ بچہ کو بہلانے کے لئے جھوٹ موٹ کوئی وعدہ کرلیں۔ کیونکہ اس سے ایک تو آپ کو جھوٹ بولنے کا گناہ ہوگا دوسرا

بچہ جھوٹ کو معمولی چیز سمجھے گا۔ اور یہیں سے بچہ کے ذہن میں جھوٹ بولنے کی نشوونما شروع ہو جائے گی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹ بولتا ہے۔ اس کے جھوٹ کی بُو سے فرشتے بھاگ جاتے ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ انہیں معلوم ہوا کہ کوئی شخص حدیث رسولؐ کا راوی ہے۔ وہ دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد اس کے گھر پہنچے۔ کپڑوں اور چہرے پر گرد جمی ہوئی تھی۔ دیکھا کہ وہ شخص اپنے ہاتھ میں خالی توبڑہ لئے اپنے گھوڑے کو قابو کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ آپ یہ دیکھ فوراً واپس ہونے لگے۔ میزبان نے دریافت کیا۔ آپ کیوں جا رہے ہیں؟ امام بخاری نے فرمایا میں تو یہ سن کر آیا تھا۔ کہ تمہارے پاس کوئی حدیث رسولؐ ہے۔ میں نے اشتیاق سے اتنا لمبا سفر طے کیا۔ اب سوچتا ہوں۔ جو شخص جانور کو خالی توبڑہ دکھا رہا ہے (یعنی دھوکہ دے رہا ہے) وہ حدیث رسول کی روایت کا اہل نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر امام موصوف واپس چلے آئے۔

جناب آپ کیا سمجھے! یہ ہے جھوٹ کے بارے میں اسلام کا مزاج۔ معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنا اس لئے حرام ہے کہ یہ دل پر بُرا اثر کرتا ہے۔ اور دل کی اصل شکل کو مسخ کر دیتا ہے۔

جھوٹ کی اجازت

حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین صورتوں میں جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے (النسخہ کیمیا ترجمہ کیمیائے سعادت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ) اوّلاً جنگ کی صورت میں کہ اپنے عزم و ارادہ کی بابت دشمن کو صحیح اور درست واقعات کی خبر نہ دی جائے۔ ثانیاً جبکہ ایک

مسلمان دوسرے مسلمان بھائیوں کی صلح صفائی کرا رہا ہو۔ تو چاہیئے کہ ایک کو دوسرے کی طرف سے جہاں تک ہو سکے۔ اچھی بات کہے خواہ اسے کبھی بھی نہ ہو بتاتا۔ اس صورت میں کہ کسی کی دو بیویاں ہوں اور ہر ایک سے یہی کہے کہ مجھے زیادہ محبت تم ہی سے ہے فقہا کہتے ہیں۔ اگر مصلحت کی خاطر جھوٹ بولنا ناگزیر ہو تو بھی دل میں اس کو مکروہ جاننا چاہیئے۔ کہ اس طرح یہ حرام نہیں ہوگا۔ اس طرح نیکی اور فلاح کی خاطر جھوٹ بولا جائے تو اس سے دل کے سیاہ ہونے کا خدشہ نہیں رہتا۔ کیونکہ دل اس سے کراہیت ہی کھاتا رہے گا۔

اگر کوئی شخص کسی ملازم سے اس کے مالک کے مال و دولت کے بارے میں دریافت کرے تو اسے نہیں بتانا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے راز عیاں ہونے کا اندیشہ ہے۔ اگر کوئی کسی کے عیب کو کرید کر دریافت کرے تو جواب نہ دینا ہی بہتر ہے خواہ تمام حال ہی کیوں نہ معلوم ہو۔ پس ثابت ہو کہ اگر ایسی صورت درپیش ہو کہ سچ بولنے کسی ایسی صورت کے ظاہر ہونے کا اندیشہ ہے جو خود نواہی اور ممنوعات میں سے ہے تو جھوٹ بولنا موزوں ہے مثلاً میاں بیوی کا جھگڑا مال کا ضائع ہونا۔ دو آدمیوں کا بگاڑ کسی راز کا منکشف ہونا نظر آئے تو اس وقت جھوٹ مباح ہے۔ عین اسی طرح جیسے جان بچانے کے مردار کا گوشت حلال ہے۔ اور از روئے شریعت یہ بھی گناہ نہیں عضو یہ کا فرمان ہے۔ جھوٹ بولنا اس وقت تک ہرگز درست نہیں جب تک کہ کوئی صحیح قسم کی غرض اس سے وابستہ ہو جو شرعی مقصد کے عین مطابق ہو اور وہ بھی اس صورت میں کہ وہ غرض یا مقصد محض گمان یا قیاس پر مبنی نہ ہو۔ بلکہ یقین ہو اور اگر یقین نہ ہو تو احسن نہ ہے۔ کہ اس میں بھی جھوٹ نہ بولا جائے۔ کہ جب یقین کامل

نہیں اور ضرورت کی شدت نہیں تو کیا ضرورت مباح کی۔ آ غرزہ جھوٹ ہی تو ہے۔ کیونکہ جھوٹ کی فہرست میں ہی مباح لکھا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی پرسش ہو سکے کہ اس کی صحیح غرض و غایت کیا تھی جس کے باعث بولنے والے نے جھوٹ کو مباح تصور کیا

ہم کسی وقت ٹھنڈے دل سے سوچیں تو محسوس کریں گے۔ کہ جھوٹ ہی ام الخبائث ہے۔ اور تمام انفرادی و اجتماعی زندگی کے دوائر میں کارفرما ہے۔ یہ ہی وہ منبع ہے۔ جس سے رشوت ستانی، مے خواری، سنگدلی، غیبت، خیانت، چوربازاری افواہ طرازی کا ہمارے معاشرے میں دور دورہ ہے۔ اور یہی جھوٹ ہم کو رحمدلی، بلند ہمتی ایفائے عہد، اتحاد و اتفاق۔ ذمہ داری و تنظیم سے دور لے جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارے مسائل دن بدن الجھتے جا رہے ہیں۔

---

(۱۱)

متشککین و مستشرقین کے لئے ایک لمحہ فکریہ

(از ڈاکٹر سید زاہد علی واسطی)

مقامِ حیرت واستعجاب

کس قدر حیرت واستعجاب کا مقام ہے کہ ایک ہزار ملین یعنی ایک ارب مسلمان کرۂ ارض پر موجود ہیں اور بفضل ربی ان کا اقتدار بعض انتہائی کلیدی مقامات پر قائم ہے مگر اس کے باوجود غیر مسلم اقوام کی تنقید کا ہدف بنے ہوئے ہیں۔ باطل طاقتیں رحمۃ اللعلمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے درپے آزار ہیں۔ امریکہ کا ایک معروف جریدہ ریڈرز ڈائجسٹ "جولائی ۱۹۵۵ء" کی اشاعت میں ایک معزز شخصیت کے دورۂ امریکہ کے بارے میں بتاتا ہے کہ جب اس شخصیت کو ایک ایک گرجا گھر کا ملاحظہ کرایا گیا تو وہاں ان کو ایک ہفت رنگی صناعی کا شاہکار بھی دکھایا جس میں حضرت موسےٰ و حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور گوتم بدھ کو انسان کی ارواح وعوامل کے سوچ میں مستغرق دکھایا گیا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تلوار ہاتھ میں تھامے مذہب اسلام کو پھیلانے میں مصروف دکھایا گیا۔ ایک اسی قسم کی دوسری تصویر میں مسلمانوں کو حملہ آور دکھا کر عیسائیوں کو مظلوم بنایا گیا تھا جہاں عیسائیوں کے چہرہ بشرہ سے عالمانہ اور مدبرانہ پن عیاں تھا جبکہ مسلمانوں پر ظالمانہ پن اور ہوس اقتدار نمایاں تھی۔ اسی قسم کے متعدد الزامات مثلاً کثرتِ ازدواج اور

واقعہ معراج پر اعتراضات تبلیغ اسلام بزور شمشیر قسم کے مسموم واقعات دشمنان اسلام کی دیرینہ کینہ پروریوں کا ماحاصل ہیں۔ مگر فرنگی اقتدار نے بڑی کاوشوں اور سائنٹفک تکنیک کو بروئے کار لاکر ہمارے ہی مسلمان بھائیوں کے قلم و زبان کو خرید کر ایسے رنگ میں پیش کرا دیا کہ عام شخص کو ان کی تحریروں و تقریروں پہ آمنا و صدقنا کہے بغیر ہی نہیں بنتی۔ اس وجہ سے اس امر کی انتہائی ضرورت ہے کہ عوام الناس کو ان اعتراضات کی بے ثباتی کا علم ہو جائے۔

کثرت ازدواج

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرتِ ازدواج پر اعتراضات عموماً مسیحی منادیورپین متشرقین نے کثرت سے کئے ہیں۔ ان مستشرقین کے اعتراضات کو بالفرض محال اگر باور بھی کر لیا جائے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ متشککین ذرا غور و فکر کو بروئے کار لائیں تو واضح ہو جائے گا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد جو کام اللہ تعالےٰ کی طرف سے کیا گیا تھا وہ ایک نوزائیدہ قوم کو اسلامی نظریات و اساس کے معیار پر ایک اعلےٰ درجہ کی مہذب و شائستہ اور پاکیزہ قوم بنانا تھا اس غرض کے لیے مردوں کی تربیت ہی کافی نہ تھی بلکہ عورتوں کی تربیت بھی اتنی ہی لازم تھی ذرائع ابلاغ انتہائی محدود تھے۔ اخبار۔ ریڈیو۔ ٹی وی۔ ٹیلیفون تو دستیاب ہی نہ تھے۔ بے دسے کر عورتوں کی ہی ضرورت تھی جو کہ عورتوں کو براہِ راست تعلیم دیں تاکہ وہ عالمانہ صلاحیتوں کے ساتھ تبلیغ کا کام انجام دے سکیں۔ ثانیاً۔ ان حالات میں دوسری تدابیر کے ساتھ آپ کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ مختلف قبائل سے دیرینہ عداوتوں کو ختم کر دیں اور اسلامی نظام قائم کریں جن کی وجہ سے ان قبائل میں نکاح ناگزیر تھے چنانچہ جن خواتین سے آپ نے نکاح کئے ان سب کے انتخاب میں کم و بیش یہی مصلحتیں نمایاں تھیں۔ ہم ذرا تفصیل سے مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے عقد کر کے آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے تعلقات مستحکم کر لئے۔ جن میں سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ تھیں اور عقد کے وقت آپ کی عمر چھپن سال تھی۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بھی بیوہ تھیں آپ کے پہلے شوہر ہجرت حبشہ اور جنگ بدر میں شریک تھے۔ جن کی وفات کے بعد آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد میں لے لیا۔ یہ رشتہ صرف نادار اور بیوہ سے ہمدردی یا سرپرستی کی خاطر کیا گیا۔ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان دشمن اسلام کی بیٹی تھیں۔ ان کا پہلا شوہر مسلمان تھا۔ مگر حبشہ جاکر مرتد ہوگیا اور پھر وہیں مرگیا حضرت اُم حبیبہ جب واپس آئیں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے عقد کر لیا۔ تاکہ مسلمانوں کی دل شکنی نہ ہو۔

حضرت صفیہ، جویریہ اور ریحانہ رضی اللہ عنہا یہودی خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ تینوں بالترتیب غزوہ بنی مصطلق اور غزوہ بدر میں اسیر ہوکر آئیں جن کو آپ نے آزاد فرما کر عقد کی پیش کش کی اور بعد اجازت عقد فرما لیا۔ جن کے نتائج خاطر خواہ ثابت ہوئے۔ جب حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے عقد کی خبر مشہور ہوئی تو قبیلہ بنی مصطلق نے کہدیا کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے قرابت دار بن گئے۔ ان سے جنگ نہیں کی جائے گی۔ مزید برآں اس قبیلہ کے دو مشہور فن حرب کے ماہر عبداللہ بن حارث اور عمرو بن حارث نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت صفیہ سے عقد کے بعد بنی سنان قبیلہ اور حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کے عقد کے بعد بنی قریظہ قبیلہ نے کبھی اسلام کے خلاف آواز بلند نہیں کی۔ اور اس طرح کم و بیش اسلام کے خلاف یہودیوں کی سرگرمیاں نسبتاً سرد ہوگئیں۔

حضرت زینب بنت جحش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں حضرت زید بن حارث جو کہ نبی پاک کے لے پالک تھے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی

پھوپھی زاد بہن کی شادی کرا دی۔ مگر نباہ نہ ہو سکا۔ روز روز کے جھگڑوں کے بعد انجام کار طلاق ہو گئی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی۔

فلما قضیٰ زید منھا ... وکان امر اللہ مفعولاہ (احزاب ۳۷)

ترجمہ: "پس جب فیصلہ کر چکا زید جدا کرنے کا تو ہم نے آپ کے نکاح میں دے دیا تاکہ مومنوں کو اپنے متبنیٰ (لڑکوں) کی بیویوں پر کوئی حرج نہ رہے جب وہ مکمل کر لیں ضرورت اپنی اور ہے اللہ کا حکم پورا ہونے والا۔"

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بیوہ تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کے وقت عمر پچاس سال تھی۔ حضورؐ نے آپ سے عقد اس وجہ سے مشرف جانا کہ حضرت سودہؓ نے اپنے پہلے شوہر کے ساتھ دو مرتبہ ہجرت فرمائی اور بعد وفات اپنے شوہر بے سہارا رہ گئیں۔ حضرت اُم المساکین زینب رضی اللہ عنہا بھی بیوہ تھیں اور حضور سے شادی کے وقت عمر ۴۷ سال تھی۔ آپؓ کا پہلا شوہر غزوہ احد میں شہید ہو گیا تھا۔ یہاں بھی وہی مُدعا تھا کہ حضورؐ کو آپ کی سرپرستی مطلوب تھی تاکہ ایک شہید کی بیوہ جس کے شوہر نے خدا کے نام پر جام شہادت نوش کیا اس کے بعد نان و نفقہ کو محتاج نہ رہ سکے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بھی بیوہ تھیں ان کے پہلے دو شوہر مر چکے تھے۔ جن کے بعد آپ بہت پریشان رہنے لگیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی فرمائش پر حضورؐ نے آپؓ کو اپنی تحویل سرپرستی میں لے لیا۔

آیئے ہم تجزیہ کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۶۳ سال تھی۔ جس میں سے پچاس سال کی عمر تک آپ نے ایک عورت جو آپ سے عمر میں ۱۵ سال زائد اور دو شوہروں کی مطلقہ تھی رشتہ ازدواج منسلک کئے رکھا۔ آپ خیال فرمایئے کہ جس شخص نے اپنی زندگی کے عین عنفوان شباب کا زمانہ کمال تقویٰ اور نہایت ورع کے ساتھ گذارا۔ جب کہ مکہ کے ممتاز دولت مند عتبہ بن ربیعہ نے حضورؐ سے مکہ میں التجا کی کہ آپ کہیں جن جن

حسین دوشیزاؤں سے کہیں آپ کی شادی کرا دیتا ہوں. جس قدر دولت درکار ہو دیتا ہوں. مگر آپ اس نئے خدا کی پرستش کا ذکر نہ کریں. مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دولت مقصود تھی نہ حسین دوشیزاؤں منظور تھیں. اگر حقیقتوں کی گہرائیوں میں جھانک کر دیکھیں تو پتہ چل جائے گا کہ عیش پرستی تو دور کی بات ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ازدواج مطہراتؓ میں صرف حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کنواری لڑکی تھیں. باقی تمام ازدواج مطلقہ یا بیوہ تھیں. دوسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ آج تک کسی دشمن مورخ نے بھی نساء النبیؐ کے بارے میں نہ حسن وجمال کی تعریف کی اور نہ ان کے مال ومتاع کے قصیدے لکھے. پھر ایک ایسا شخص جو محنت مزدوری سے کنبہ کی کفالت کرتا ہو. جہاں شام کے وقت اگلے دن کی روٹی کا بندوبست نہ ہو. تمام شب عبادت ودن کما حقہٗ اکل حلال کی دستیابی میں گذرے وہاں عیش پرستی کا تصور کیا ممکن تھا. ذرا سوچنے کی ضرورت ہے مخالفین کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو تو چار بیویوں کی اجازت مل تھی. یہاں تک کہ جن لوگوں کے پاس چار بیویوں سے زیادہ تھیں. سورۃ النساءؔ کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر چار سے زیادہ ہوں تو چار اپنے عقد میں رکھ کر باقی علیحدہ کردیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سے زیادہ رکھیں ان کے جواب میں عرض ہے کہ اولاً آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ایسے واقعات کا ظہور انبیاء میں ناممکن نہیں. جو رسوم اجتماع اور قوانین طبیعت کے خلاف ہو. ثانیاً خدا تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان عورتوں سے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں رہ چکی ہیں دوسروں کو عقد میں لینے سے منع فرمادیا. پس حضورؐ نے اپنی کسی زوجہ کو اپنی زوجیت سے خارج نہ فرمایا. جب کہ عام مسلمانوں کی عورتوں سے یہ حکم معلق نہ ہوتا تھا.

ثالثاً. اگر حضورؐ کی ازدواج کے بارے میں امتناع نکاح کا حکم نہ بھی ہوتا تو اسلام میں نہایت مشکلات واقع ہو جاتیں. حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن ازدواج کو طلاق

دیتے تو یہ ازدواج سنئے خاوند کرتیں تو وہ خاوند اپنے مزاج اور مطلب کے مطابق نہ معلوم کس قدر احادیث اپنی بیویوں کے حوالے سے بیان کر ڈالتے جو ایک فسق و فجور کا شاخسانہ بن جاتا۔ اور اسلامی احکامات میں اختلال و اختلاف کا موجب ہوتا۔

ان حقائق اور امر الٰہی کی مرضی کے مطابق حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازدواج کو قائم رکھا۔ یہ ایسے حقائق ہیں جو ان مسلمانوں کے مفروضات کی تردید کے لئے کافی ہیں۔ جنہوں نے اپنی طرف سے اضافہ فرما کر مستشرقین کے سامنے ایسی روایات رکھ دیں جو مادہ پرست انسان کے بھی شایان شان نہیں۔ چہ جائیکہ ایک عظیم المرتبت نبی کے بارے میں دریدہ ذہنی کی جا سکے۔

معراج النبیؐ

چودہ سو سال پیشتر نہ ایٹمی آلات کی تحریک تھی نہ برقی دبے تار برقی مواصلات کا تصور، پھر عرب جیسے پس ماندہ ملک میں جہاں گھوڑ سواری، شتر سواری، رجز خوانی یا اپنے زمانہ سلف کی اساطیر کو طرۂ امتیاز سمجھا جاتا تھا۔ اسی سنگلاخ زمین سے ایک رسول خدا کی نمود اس پر یقین پھر یقین پر ایمان لانا کیسا دشوار کام تھا۔ اس سے کہیں زیادہ دشوار کام ان اسباب و حالات کی فراہمی تھی جن سے خدا کے برگزیدہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوچار ہوتے۔ دنیا کے مدبرین، مفکرین اور مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ محسن انسانیت کی کامیابی کا راز آپ کی صداقت، امانت اور اخلاق کریمانہ ہی تھے۔ جن کو چالیس برس اہلیان مکہ دیکھتے جانچتے اور پرکھتے رہے۔ جس کے بعد آپ کے بدترین دشمن بھی آپ کی راست بازی دیانت داری اور نفاست کے معترف ہو گئے۔

واقعہ معراج اپنے تئیں ایک ایسا واقعہ تھا جس نے اہلیان مکہ کو متزلزل کر دیا اس عظیم واقعہ کی اگلی صبح حق و صداقت کا   امین، نورالعارفین صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع قریش مکہ کے درمیان حطیم میں واقعہ معراج کی تفصیل بیان فرمائی تو قریش نے

مذاق میں خوب تالیاں بجائیں جب کہ بعض نے تعظیم سے سر سجدہ میں رکھکر "سبحان ربی العلیٰ" کہا۔ بے انتہا شور و غوغا ہوا۔ بعض شر پسند جو آپ کی تحقیر و تذلیل کا موقع ڈھونڈتے رہتے تھے ہجو میں شعر پڑھنے لگے اور اس واقعہ کو مادی حیثیت دینے لگے۔ اس کے امکانات پر بحث و مباحثہ میں ہر کہ ومہ نے تنقید کے دفتر کھولدیے مطعم بن عدی نے اس کے ناممکنات پر تقریر کر ڈالی کہ بیت المقدس جانے کے لئے ایک ماہ کی مسافت کی چڑھائی اور ایک ماہ کی اترائی میں ہم اپنے اونٹوں کا پتہ پانی کر ڈالتے ہیں۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دعویٰ ہے کہ یہ ایک شب میں چلے بھی گئے اور آ بھی گئے۔ لات و عزیٰ کی قسم یہ سب ناممکن ہے۔ ابوجہل جو اپنی بدزبانی اور شقی القلبی میں لاثانی تھا آگے بڑھ کر بولا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر سچا ہے تو ہم میں سے جس نے بیت المقدس دیکھا ہے وہ ان کے بارے میں سوال کرے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جواب دے۔ حارث بن کعب، محارب بن حصفہ اور فزارہ نے ابوجہل کے خیالات کی تائید کی اور کہا کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے یہ جگہ دیکھی ہے وہ تصدیق کرے۔ حضرت ابوبکر کی پیشانی پسینہ سے تر ہوگئی۔ آگے بڑھے اور سوال کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدرت الٰہی سے جواب دینا شروع کیا کہ بیت المقدس کے اطراف و جوانب میں کیسے پہاڑ ہیں۔ دامن کوہ کیسا ہے، اس شہر کا دروازہ کس جانب ہے اور کیسا ہے، اندرون شہر کس کس جانب دروازہ کھلتے ہیں کس قدر ستون کہاں کہاں واقع ہیں۔ الغرض بیشتر اشیا کی تفصیل جہاں جہاں تھی بیان کر ڈالی۔ سب سنتے تھے اور ورطۂ حیرت میں غرق ہو جاتے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی تمام کیفیت بیان کر ڈالی۔ جب قریش نے یہ حالات دیکھے تو بہت مزبز ہوئے اور بولے کہ اسکے

ثبوت میں آپ کے پاس کیا نشانی ہے کہ کل رات ہی وہاں گئے تھے یہ ہو سکتا ہے کہ یہ تفصیل آپ نے پہلے ہی کسی سے سن رکھی ہو۔ رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ابھی رویائے عین کی حالت میں تھے۔ فرمایا کہ میں راستہ میں ایک قافلہ کے نزدیک سے گذرا تو انمیں سے ایک کا اونٹ گم ہو گیا تھا۔ میں نے ان لوگوں کو اونٹ کا سراغ بتلایا تھا۔ کہ ایک اونٹ فلاں جگہ تنہا آوارہ گھوم رہا ہے قریش یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ کچھ بڑبڑانے لگے۔ بعد میں ان لوگوں نے ذاتی طور پر خوب تحقیق کرائی تو ثابت ہو گیا کہ واقعی بیت المقدس کے راستہ میں فلاں قافلے کا اونٹ گم ہو گیا تھا۔ اور ایک شخص نے رات کے وقت اونٹ کا پتہ بتلایا تھا پھر وہ شخص غائب ہو گیا تھا۔

رفتہ رفتہ سرزمین عرب کے باشندے نہ صرف حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے من اللہ پیغامات پر نور ایمان سے سرفراز ہو گئے بلکہ سہمی بھٹکی ہوئی قوم نے ادیان عالم میں کھلبلی مچا دی اور اسلام ان کا سرمایہ تسکین روح بن گیا۔ دین اسلام کی سربلندی دیگر مذاہب کو کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی جس کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ مغرب کے محققین۔ اسلام اور بانیٔ اسلام کے ساتھ کینہ پروری سے نجات کبھی حاصل نہ کر سکے انہوں نے اسلام کے خلاف درپردہ زیر زمین تخریبی کارروائیوں کو جاری رکھا۔ اور مسیحیت کی نیابت میں بانی اسلام پر رکیک حملے کرتے رہے۔ تاریخ کو مسخ کر کے مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کیا اور اسلام کے خلاف متعصبانہ افکار پھیلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مغربی معاشرت اور تمدن کا اگر مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ مسیحیت کی ابتدار ہی سے اہل مغرب دین داری اور الحاد میں غلو کے اس حد تک عادی ہو گئے تھے کہ اعتدال و تسالح کا امتیاز ان کی نظروں میں ختم ہو گیا تھا۔ کج خلقی، نفسا نفسی، بے حیائی بے سکونی اس حد تک عود کر آئی تھی کہ دین اور مذہب کا اجتماعیت سے کوئی بندھن نہ تھا بلکہ انفرادی تار پود بن کر رہ گیا تھا۔

مغربی مفکرین کی سوچ بھی اس ہی نہج پر چل پڑی۔ کہ مادیات ہی کے صدقے میں سلطنت اقتصادیت، معیشت بام عروج تک پہنچ سکتی ہے۔ نتیجتاً مغربی ادیان کے پیروکار بے راہ روی کا شکار ہوتے چلے گئے۔ اور واقعات کی تنقیح و تمحیص میں سیاق و سباق سے قطع نظر مسائل مابہ النزاع کے اغراض و مقاصد سے نفیاً یا ثباتاً ہم خیال ہوتے بغیر اسلام پر بھی حرف گیری شروع کر دی۔ بعض مغربی فکر گزیدہ مسلمان اہل قلم بھی اسی انداز میں ان کی قلمی اعانت میں مصروف ہو گئے۔ اور ان کی تصانیف کی اصابت کی داد مستشرقین و ممدین بھی دیتے رہے۔ اس لئے ان کے عائد کردہ اتہامات و الزامات اور طریق استدلال و انداز فکر کی تردید و تغلیط از بس ضروری ہے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ عیسائی مبلغین، محققین اس بات کو کس طرح فراموش کر دیتے ہیں کہ جن باتوں کا اطلاق عوام پر ہوتا ہے مرضی باری تعالیٰ سے انبیاء کرام ان تمام اصول و قواعد سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ ہم آپ کو اصول فطرت کے قوانین سے ہٹ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی مثال پیش کرتے ہیں کہ جن کی ولادت تو دائرہ قدرت کے اختیار میں تھی۔ مگر اصول قدرت کے سو فیصدی منافی تھی خدائے ذوالجلال نے ان کی خاطر طبیعت اور خلقت کے قواعد و ضوابط کو کس طرح تبدیل کر دیا۔ ذرا غور فرمائیے کہ عیسائی متکلمین حضرت عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں تو یہ کہدیتے ہیں کہ قانون کائنات کی تبدیلی پر ایمان لے آؤ۔ خدا تعالیٰ نے اپنے کمال ربوبیت سے ابن مریم کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا۔ مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ واقع معراج ممکن نہیں۔ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ایسے واقعات کا ظہور رب العالمین کو اپنے انبیاء کے لئے ناممکن نہیں ہوتا۔ جو کہ رسوم اجتماع اور قوانین طبیعت و قدرت کے خلاف ہو۔ جبکہ قرآن پاک میں صاف تحریر ہے۔

كَذَالِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ (آل عمران ۴۰)

(ترجمہ) اسی طرح خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالےٰ وضاحت سے فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) (اسے اہل اسلام) بعض اہل کتاب اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ تم کو گمراہ کریں۔ مگر یہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اسے اہل کتاب تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ غلط ملط کیوں کرتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو۔ اور جب تم جانتے بھی ہو۔ (آل عمران ۷، ۶۹)

تبلیغِ اسلام

آج تک اس جہان رنگ و بُو میں لاکھوں پیغمبر اور لاکھوں بادشاہ آتے اور چلے گئے۔ ان کی زندگیوں کے نقوش و خدوخال بھی ان کے ساتھ ہی دفن ہو گئے۔ مگر اس ہادی اکمل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیع الشان عظمتِ بے پایاں کی جلوہ گری ملاحظہ فرمائیں کہ آپ کی حیات طیبہ فضائل و شمائل مناقب بحیثیت معلم، سپہ سالار، قانون ساز، سیاست دان، جنگی و خارجی حکمت عملی، معاہدات پر اس قدر تصانیف موجود ہیں کہ آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ نہاں نہیں رہا ہے۔ حتیٰ کہ آپ کے چلنے پھرنے کا انداز، سوتے اٹھنے کا طریقہ، کھانے پینے کے آداب، ہمسایوں سے سلوک، بچوں سے شفقت سے لیکر جوتوں کی مرمت اور پیراہن کی پیوندکاری تک نقش فی الحجر بن گئی ہے تمام دنیا کی لائبریریاں و کتب خانے چھان پھٹک لیجئے پھر خود دیکھئے کہ کسی ایک فرد واحد کے متعلق اس قدر دفتر میسر نہ آ سکے گا۔

اس ہی خدا کے نبی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بنی نوع انسان کو ایک ابدی غیر لازوال مکمل ضابطہ حیات اسلام کی شکل میں پیش کیا۔ جس میں خدا کی وحدانیت شعائر اللہ عدل و انصاف۔ صبر و قناعت، اخلاق و کردار، تحمل مزاجی کی تلقین ہی نہیں بلکہ اُمتِ

مسلم کے لئے اپنی زندگی بطور شمس العارفین اور سراج السالکین پیش کر کے راہ نجات کو منور کر دیا۔ آپ نے غریبوں اور حاجت مندوں کی امداد و اعانت کا حکم دیا تو سب سے پہلے خود اس فرض کو ادا کیا۔ جب دشمنوں اور رقیبوں کو معاف کرنے کی نصیحت فرمائی تو خود اپنے زندگی کے دشمنوں کو پہلے معاف کیا۔ درس گاہ نبوت میں چھوٹے بڑے سب یکساں تھے۔ غلام و آقا سب ایک ہی صف میں بیٹھے تھے وہاں نہ غریب پر نفرین تھی نہ دولت کی تکریم، یہ سب فیض سرکار مدینہ کے بلند کردار اور اخلاق حسنہ کی اعلیٰ رفعت کا نشاۃ ثانیہ تھے۔ آپ کی شریعت مطہرہ اور اعمال شاقہ کا مقصود نفس امارہ کی تعجیز و تخریب تھی۔

اللہ تعالے کے فرمان کے موجب سب سے بڑا گناہ شرک ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم الٰہی فرمان کے داعی تھے۔ آپ کو شرک سے ضد تھی۔ آپ پر مغربی ادیان کے مفکرین اس الزام تراشی میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ کہ آپ نے اسلام کی تبلیغ و تشیع میں تلوار چلائی اور تلوار کے ہی زور سے اقوام کو سرنگون اسلام کیا۔ ملزم یہ تو آسانی سے باور کر لیتے ہیں مگر یہ سوچنے میں بخل کیوں برتتے ہیں کہ آپ کی جنگی کارروائیاں خواہش نفس کے تابع نہ تھیں۔ ان جنگی کارروائیوں سے نہ حب مال و جاہ مقصود تھا نہ عیش پرستی مطلوب تھی۔ اگر کچھ مطمع نظر تھا تو صرف شرک کی بیخ کنی درکار تھی۔ بردباری کا یہ عالم تھا کہ ان حالات سے دوچار ہونے کے باوجود کبھی مشرکین کے لئے بد دعا نہ فرمائی۔ اگر آپ بد دعا فرماتے تو عرش بریں کانپ اٹھتا اور خدا نے رب السموات والارض اپنے محبوب نبی کی دعا فوراً قبول فرما لیتے۔ آپ سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ مشرکین کے لئے بد دعا کیجئے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جواب دیا کہ میں لعنت کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ باری تعالے نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے (آپ پر لاکھوں درود و سلام) حق تعالے نے آپ کو یہی حکم دیا کہ اپنی طرف سے بھٹکی ہوئی اقوام کو ہدایت کرو

(ترجمہ) دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہے اور اہل کتاب نے جو دین سے اختلاف کیا وہ تو علم حاصل ہونے کے بعد آپس کی ضد ہے اور جو شخص خدا کی آیتوں کو نہ مانے تو خدا جلد حساب لینے والا ہے۔ اے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اگر یہ لوگ تم سے جھگڑا کرتے ہیں تو کہنا کہ میں اور میرے پیرو تو خدا کے فرمانبردار ہو چکے اور اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہو کہ کیا تم بھی خدا کے فرمانبردار بنتے ہو اور اسلام لاتے ہو۔ اگر یہ اسلام لے آئیں تو بے شک ہدایت پالیں گے۔ اور اگر تمہارا کہنا نہ مانیں تو تمہارا کام خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ خدا اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔ جو لوگ خدا کی آیتوں کو نہیں مانتے اور انبیا کو ناحق قتل کرتے ہیں اور جو انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں اور ان کو مار ڈالتے ہیں ان کو دکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ (آل عمران ۱۹ - ۲۱)

اس پیغمبر انسانیت کو مشرکین نے جو ایذائیں پہنچائیں، پتھر کے لگائے، دشنام ترازیاں کیں۔ آپ کے جاں نثاروں کو کس کس طرح معتوبوں کا تختۂ مشق بنایا وہ ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ یاسر، عمار، سمیہ، بلال (رضی اللہ عنہم) ایسے اسمائے گرامی ہیں جن کے نام یاد کرنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان پر جو سب و شتم ہوئے وہ قبیح ترین تھے۔ مگر یہ سب صبر و شکر کا پیکر بن کر یہی کہتے رہے کہ ہم اللہ وحدہٗ لاشریک کے بندے ہیں ظالم قریش نے حضرت خبیبؓ کو صلیب پہ لٹکا کر کہا کہ خبیب اگر تم اسلام چھوڑ دو تو تمہاری جان بخشی دیں گے۔ آپ نے کہا "جب اسلام باقی نہ رہا تو میں جی کر کیا کروں گا" بے رحموں نے آپ کو وہیں ختم کر دیا۔ ابو براء نے ملک نجد میں ہدایت و تعلیم اسلام کے بہانے ستر صحابہ جو بہترین قرأ اور فضلا

تھے سب کو قتل کرا دیا۔ جبار بن سلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مار ڈالا مگر آپ اشہد ان لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے رہے۔

محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو جنگ سے قطعاً لگاؤ نہ تھا۔ مکہ میں ان تمام ایذا رسانیوں کے باوجود آپ نے کبھی تلوار نہ اٹھائی۔ مگر جب مشرکین آپؐ کی زندگی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے۔ تب آپ نے اس دین متین کی خاطر احباب، وطن الغرض ہر چیز کو الوداع کہہ دیا اور ہجرت کر ڈالی۔ لیکن مشرکین کے مظالم نے وہاں بھی داعیان حق کو امن سکون سے نہ رہنے دیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے کی سازشیں، لوٹ مار، جانی و مالی نقصان پہنچانے کے در پے رہے بالآخر دشمنان حق نے وسیع پیمانے پر جنگ کی تیاریاں کر ڈالیں تب اپنے دفاع کیلئے بندوبست ہر ذی روح کا فرض بن جاتا ہے۔ آپؐ نے تب بھی حملہ میں پہل نہ کی۔ اور کرتے بھی کیسے نہ سامان حرب تھا نہ تربیت یافتہ سپاہی۔ حد تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس زرہ بکتر اور سواری کے لئے گھوڑے بھی نہ تھے۔ اس کے باوجود راہ حق میں سینہ سپر رہے۔ الغرض پرچم توحید کی سرفرازی کے لئے جو کچھ مسلمانوں کو کامیابیاں میسر آئیں وہ صرف ان کے ایثار نفس، اخلاص نیت اور مساعی شاقہ کا نتیجہ تھیں۔

محمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ستائیس غزوات اور تیس جنگی مہمات میں مسلمان برسرپیکار نظر آتے ہیں ان تمام غزوات و جنگوں کا اصلی سبب جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ صرف اور صرف بنی نوع انسان کو شرک و کفر کی ذلالت سے نجات مقصود تھی جب کبھی تبلیغ امر الٰہی میں سکوت محسوس ہوا۔ جہاں کہیں شعائر اللہ اور امر بالمعروف کی تشنہ کامی نے مسلمانوں کو آواز دی۔ آپ کی پرعزم قیادت میں مسلمانوں نے لبیک کہا۔ چونکہ حب مال و جاہ منتہائے نظر نہ تھا۔ اس لئے آپ کے عزم بالجزم، فکر مصمم، مقصد راسخ میں متزلزل نہ پایا جاتا تھا۔ اور اسی وجہ سے کبھی

مایوسی، وسوسے، شک وشبہات قریب نہ پھٹکتے تھے۔ آپکی جستجوئے حق، عمل پیہم ہی نے انسانوں کو بتلا دیا کہ اقتدار کا حقیقی مالک خدائے وحدہٗ لاشریک ہے اس کی منشا کے بغیر نہ کچھ ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ آخرت میں یوم حساب کی واضح تعلیم سے انسان خواہشات وشہوات کی غلامی سے نجات پاسکتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف دس برس کے قلیل عرصہ میں اس سراپا عظمت، گنجینہ معرفت، خزینہ حکمت آفتاب رسالت کی صدائے اسلام پہ دس لاکھ مربع میل کے وسیع وعریض علاقہ کے لوگوں نے بیعت کرڈالی۔ بلکہ مسلمانوں کے اس حیرت انگیز اندازہ فتوحات اور اسلام کی مسحورکن تبلیغ و اشاعت نے آج تک ماہرین جنگ، مفکرین سیاست اور مدبرین معیشت کی چشم بصیرت کو محو حیرت بنا رکھا ہے۔

مستشرقین، محققین اپنی تعصب کی عینک اتار کر اگر دیکھیں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کی کامیابی کا راز ایمان و عمل تھا نہ کہ جنگ وجدل، اور یہی عقیدہ توحید و اتفاق ان کے عروج کا باعث بنا۔ رومی مسلمانوں سے شکست کھا کر انطاکیہ آئے تو ہرقل نے ان سے پوچھا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ کیسے لوگ ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں کیا وہ تمہاری طرح انسان نہیں۔ تم سے قدو قامت وجاہت میں زیادہ بھاری ہیں کیا تعداد میں وہ تم سے زیادہ ہیں۔ کیا ہتھیاروں میں تم سے افضل ہیں سب نے جواب دیا کہ نہیں۔ ہرقل نے غصہ میں بھر کر پوچھا پھر تم کو شکست کیوں ہوئی۔ اس سوال پر پھر سب خاموش ہو گئے۔ ایک بوڑھا رومی سردار دو قدم آگے بڑھا اور آہستہ آہستہ کہنے لگا۔

جناب عالی! مسلمان ہم سے زیادہ نہ طاقت میں ہیں نہ آلات حرب میں، بلکہ وجہ یہ ہے کہ وہ آپس میں عدل و انصاف کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو برائی سے باز رکھتے ہیں نیکی کی تبلیغ کرتے ہیں اپنا عہد پورا کرتے ہیں دن کو روزہ رکھتے

ہیں اور رات کو عبادت کرتے ہیں۔ جن سے شہوات انسانی دبتی ہیں۔ ہم سب شراب پیتے ہیں لہو و لعب کے مرتکب ہوتے ہیں۔ شہوات میں مبتلا رہتے ہیں ظلم و فساد کرتے ہیں۔ بادشاہ ہرقل نے یہ سُنکر گردن جھکا لی اور کہا "تم سچ کہتے ہو۔"

آپ تاریخ کا بغور مطالعہ کریں تو یہ امر واضح ہوجائے گا کہ جو علاقہ بھی اسلامی حدود میں شامل ہوگیا انتہائی امن و امان میں داخل ہوگیا۔ وہاں نہ کبھی اسلام کے لئے کے لیۓ تلوار چلائی گئی نہ بوڑھے بچوں پر کوئی تشدد ہوا۔ عورتوں کی عصمتوں کو نیلام نہیں کیا گیا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے بھی حکم دیا کہ دین کے معاملہ میں زبردستی نہ کرنا۔

ترجمہ:۔ دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے الگ ہے۔ جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے اور خدا پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں ہے خدا سب کچھ جانتا ہے۔ (البقر ۲۵۶)

اسی نظریہ و اعتقاد سے حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ظلم و تشدد نہ کیا اس لاثانی فوجی جنگ کو دیکھ کر دشمنان اسلام بھی صف در صف اس دین اکمل و متین میں شامل ہوگئے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی مملکت میں شامل ہونے کے لیۓ کسی کو دعوت نہیں دی۔ جیسے اتہامات ملحدین و مستشرقین لگاتے ہیں سب بے بنیاد ہیں۔ بلکہ آپ نے تو تمام اقوام کو اسلام میں شمولیت کی دعوت عام کی۔ اسلامی ریاست کی حدود جغرافیائی حدود تک محدود نہیں رہیں بلکہ نظریاتی جذبہ شریعت الٰہیہ کو حکمت و عرفان کے عظیم مدرس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کرۂ ارض پر پھیلا دیا۔ جو منکرین و ملحدین حق کے دلوں میں ابھی تک کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔

نام محمدؐ سے مخاصمت

ہمارے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے ذاتی نام دو ہیں۔ احمد اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بعد درود محمود کونین پر آپ کا اسم پاک "احمد" حضور کی والدہ نے بشارت رویا کے موافق رکھا۔ اور اسم پاک محمد حضور کے دادا نے رکھا۔ ان دونوں اسموں کا مادہ ایک ہی ہے یعنی کہ دونوں اسمہائے مبارکہ حمد سے مشتق ہیں۔ اسم پاک "احمد" حمد سے افعل التفضیل ہے اور اسم پاک "محمد" احمد سے مفعل کے وزن پر ہے۔ امام ابن القیم نے کتاب جلا الافہام میں تحریر کیا ہے کہ علمائے ایک گروہ کا قول ہے جن سے ایک ابو القاسم سہیلیؒ بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک احمد پہلے رکھا گیا اور دوسرا اسم مبارک "محمد" بعد میں۔

حضورؐ کے اسم مبارک "محمد" کو حمد سے خاص مناسبت ہے۔ حضورؐ کے اسم مبارک کی نسبت سے یوم حشر میں حضور کے مقام شفاعت کا نام "مقام محمود" ہے۔ حضور کے ہاتھ میں میدان حشر میں جو عصا ہوگا اس کا نام "لواء الحمد" ہے اور حضور کی امت کا نام "حمادون" ہے۔ اور حضور پر نازل شدہ کتاب کا آغاز "الحمد" سے ہوتا ہے۔ (قاضی سلیمان رحمۃ اللعالمین۔ ج ۲۔ ص ۲۹۸)

کتاب الشفا میں قاضی عیاضؒ نے اور خصوصیات صغریٰ میں امام جلال الدین سیوطیؒ نے اور انسان العیون میں ابن جلان نے بیان کیا ہے کہ اسم مبارک "احمد اور محمد" ایسے نام ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر کسی ایک انسان کے بھی کبھی نہیں رکھے گئے۔

فرنگیوں نے اپنے دو سو سالہ ہلاکت آفرین دور میں مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی مستقل و مکمل کوشش کی کہ تمہاری نہ کوئی تاریخ ہے نہ تمہارے اسلاف ہیں نہ تمہارا کوئی مذہب ہے نہ تمدن، تم ایک پس ماندہ قوم ہو۔ گوری چمڑی والے تمہارے مدرس اعلیٰ ہیں۔ مزید برآں یہی استعماری قوتیں ہمیشہ علی الاعلان اسلام کے خلاف

(۱۲)

یہودیوں کی ذلّت اور حکومت

قرآن کریم کی روشنی میں

از منشی عبد الرحمٰن خان

ایک اہم سوال جب سے یہودیوں کی نئی مملکت قائم ہوئی ہے۔ اور اس کی توسیع و ترقی کا سلسلہ چلا ہے تب سے مسلمانوں کے سامنے بار بار یہ سوال ابھر کر آتا ہے۔ کہ یہودیوں کی قسمت میں تو قیامت تک کے لئے ذلت و خواری رکھ دی گئی تھی۔ اور مسلمانوں سے قدم قدم پر فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا تھا پھر کیا وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کو دولت، امارت، سلطنت اور حکومت مل گئی ہے۔ اور وہ ہر میدان میں مسلمانوں پر غلبہ پا رہے ہیں۔؟ اور ان کی مغضوبیت محبوبیت میں بدل رہی ہے۔ اور جو محبوب تھے وہ مغضوب ہو رہے ہیں؟ کیا یہ صورت حال قرآن کریم کے اعلانات کے متضاد نہیں ہے؟

یہ سوال بظاہر جتنا اہم ہے۔ بہ نظر قرآن اتنا بے جا، روح قرآن کے منافی اور محض خوش فہمی پر مبنی ہے۔ مسلمانوں کو چونکہ مضامین قرآن پر نظر رکھنے اور ان پر غور و فکر کرنے کی عادت نہیں۔ اس لئے وہ اکثر روایات کو قرآن کریم کی آیات تصور کر کے غلط تاثر قائم کر لیتے ہیں۔ اور جب کوئی واقعہ اس تاثر کے خلاف پیش آتا ہے۔ تو اس وقت یہ پریشان ہونے لگتے ہیں۔ کہ ایسا کیوں ہوا؟

جہاں تک ارشادات قرآن کا تعلق ہے۔ چودہ سو سالہ تاریخ اس بات کی شاہد

عدل ہے کہ آج تک کوئی بات قرآن کریم کے فرمودات کے خلاف واقع نہیں ہوئی، اگر بالفرض کوئی ایسی بات ہو بھی گئی ہو تو پھر سوچنا چاہیئے کہ وہ قادر المطلق ہے ہے۔ الرحم الراحمین ہے غفور الرحیم ہے۔ ہر طرح بااختیار ہے کہ جس وقت جو چاہے سو کرے۔ اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ مگر وہ جو کچھ کرتا ہے سنت اللہ کے مطابق کرتا ہے۔ اور اپنے کلام کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔ پریشانی محض اسی وجہ سے ہوتی ہے۔ کہ اس عالم الغیب کی نظر جتنی عمیق ترین۔ دقیق ترین اور خفیف چیز تک پہنچ سکتی ہے۔ وہاں ہماری نظر نہیں پہنچتی۔ جو حقیقت اس کے پیش نظر ہوتی ہے۔ وہاں تک ہماری عقل و فکر کی رسائی نہیں ہوتی۔ اس لئے عدم واقفیت عدم رسائی اور عدم فہمی کی وجہ سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ زیر بحث مسئلہ میں پریشانی بھی محض اسی وجہ سے ہے۔

بنی اسرائیل کی فضیلت

توریت، انجیل اور قرآن مجید نے جس حد تک بنی اسرائیل کی تاریخ پیش کی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہی بنی اسرائیل کی قوم ہی دنیا کی افضل ترین قوم تھی۔ اور یہ فضیلت اس کے سوا دنیا کی کسی دوسری قوم کو نصیب نہیں ہوئی۔ یہود صرف دنیا میں ہی افضل ترین قوم نہ تھی۔ عنداللہ بھی یہ محبوب ترین قوم تھی۔ اسی لئے قرآن کریم میں جتنی کثرت سے اس قوم کا ذکر ملتا ہے کسی اور قوم کا اتنا ذکر نہیں ملتا۔ یہ ذکر اکائیوں اور دہائیوں میں نہیں سینکڑوں میں ہے۔ کہیں بنی اسرائیل کے نام سے کہیں اہل کتاب کے نام سے۔ کہیں آل عمران۔ آل یعقوب۔ آل موسیٰ اور آل ہارون کے نام سے کہیں یہود کے نام سے اور کہیں ہادو کے الفاظ میں۔ اور یہ ذکر صرف ان کی مغضوبیت تک محدود نہیں۔ ان کی فضیلت کا بھی حامل ہے۔ مگر ان کی یہ اہمیت یہ فضیلت، یہ فوقیت، دولت، امارت، حکومت کی بنا پر نہیں تھی۔ بلکہ

خدائے واحد کی وحدانیت پر ایمان کامل رکھنے. اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کرنے کی وجہ سے تھی۔ اس قوم نے عین اس زمانے میں توحید کا چراغ روشن اور اس کا علم بلند رکھا. جب دنیا میں ہر طرف کفر و شرک کی تیز اور تند آندھیاں چل رہی تھیں اور مفاد پرستی بت پرستی، در مظاہر پرستی کا دور دورہ تھا. جیوش انسائیکلو پیڈیا نے بڑے فخر کے ساتھ اپنے اسلاف کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:-

"بنی اسرائیل پر خاص فرض عائد ہوا تھا کہ توحید باری تعالےٰ کی دعوت دیتے رہیں، اور آفتاب پرستی، ماہتاب پرستی اور کوکب پرستی کے خلاف جہاد کرتے رہیں" (جلد نمبر ۶ صہ ۵)

گویا ان کے پسندیدہ کارنامے دو ہی تھے۔ (۱) توحید کی تبلیغ اور (۲) شرک کے خلاف جہاد! انہی دو باتوں کی ہر الہامی کتاب نے تاکید کی. ہر نبی اور پیغمبر نے تعلیم دی. کیونکہ یہی دو چیزیں ہی امن عالم کے احیا و بقا کی ضامن ہیں،

ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۲ ص ۳ سے پتہ چلتا ہے کہ

"دین توحید کی بنیاد ہی بنی اسرائیل میں پڑی"

اسی توحید پرستی کی وجہ سے یہ قوم عند اللہ محبوب اور عند الناس مقبول تھی. اس قرب الٰہی اور تعلق باللہ کی وجہ سے بنی اسرائیل میں انبیاء و رسل کا سلسلہ مسلسل چلتا رہا. اس پر ہر قسم کی روحانی اور مادی نعمتوں کی بارش ہوتی رہی ہے جس کا ذکر حق تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:-

"یٰبنی اسراعیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین" (البقرہ ۶/۱)

اے بنی اسرائیل میرا وہ انعام یاد کرو. جو میں نے تم پر کیا ہے. اور تمہیں دنیا

جہاں والوں پر فضیلت بخشی۔

بنی اسرائیل کی مغضوبیت

ان سب خوبیوں کے باوجود۔ قوم شیطان کے شر سے نہ بچ سکی۔ اور یہ توحید کا دامن چھوڑ کر شرک کی دلدل میں پھنس گئی۔ اس فخر و غرور میں کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں۔ اور مقرب الی اللہ ہیں۔ یہودیوں نے احکام خداوندی کی نافرمانی شروع کر دی حدود شریعت کو توڑنا شروع کر دیا۔ اور پیغمبروں کو موت کے گھاٹ اتارنے لگے۔ جس کا ذکر انجیل مقدس میں یہودیوں کے نبی عزکیل کی زبانی ان الفاظ میں ملتا ہے :-

"مجھ کو وحی ہوئی ہے۔ کہ اے ابن آدم ! جب بنی اسرائیل اپنے ملک میں رہتے تھے۔ تو انہوں نے اس زمین کو اپنے اعمال اور افعال سے ناپاک کر دیا تھا۔ ان کا طور طریقہ ایسا ہوتا تھا۔ جیسے ایک آوارہ عورت کی قبیح حرکات ہوں۔ ہم نے اپنا غصہ اور عذاب نازل کیا۔ خاص کر اس خون کی بنا پر جو انہوں نے اس سرزمین پر بہایا تھا۔ اور ان اصنام کی وجہ سے، جن کی پوجا سے انہوں نے اس خطہ ارض کو بلند کیا تھا۔ ہم نے ان لوگوں کو مختلف اقوام میں منتشر کر دیا۔ اور یہ دور دراز ملکوں میں بکھر گئے۔

(عزکیل ۳۵ : ۱۶ : ۳۶)

قرآن کریم نے اس واقعہ کی تصدیق ان الفاظ میں کی ہے :-

"وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباءو بغضب من اللہ ذالک بانھم کانو یکفرون بآیات اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق ذالک بما عصوا وکانو یعتدون"

(البقرہ ۲/۱)

ان یہودیوں پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق

جو لگے۔ یہ اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی نشانیوں سے انکار کرتے رہتے تھے۔ انبیاء کو ناحق قتل کر ڈالتے تھے۔ یہ اس لئے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔ گویا قرآن کریم نے الفاظ میں اس محبوب قوم پر رضا الٰہی کے دروازے اس لئے بند کئے گئے کہ :-

۱۔ اس کے ہاتھ یسعیا بنی۔ یرمیاہ بنی۔ زکریا بنی۔ یحییٰ بنی قتل ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ انہوں نے اپنی دانست میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل ہی کیا تھا۔

۲۔ احکام خداوندی کی نافرمانی۔

۳۔ حدود شریعت سے تجاوز۔

یہودیوں کے سوا باقی جتنی قوموں کا قرآن کریم میں زیر عذاب آنے کا ذکر ملتا ہے سب کا یہی جرم تھا۔ کہ وہ احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کرتی تھیں۔ اور شرعی حدود توڑ دیتی تھیں۔ انہیں ایسے عذاب دیئے گئے کہ وہ اسی وقت تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ یہودیوں کی طرح کسی قوم کو دربدر، قریہ بہ قریہ، ملک بہ ملک ذلیل وخوار نہیں کیا گیا۔ کیونکہ کوئی اور قوم قتل انبیاء کی مرتکب نہ ہوئی تھی۔ یہودیوں سے چونکہ اپنی نوعیت کا سنگین جرم سرزد ہوا۔ غالباً اسی وجہ سے ان کا حصہ میں قیامت تک کے لئے ذلت و رسوائی آئی۔

خدادشمنی کا آغاز

طلوع اسلام سے قبل یہودی سرزمین عرب میں آباد تھے زراعت تجارت اور صنعت و حرفت پر ان کا قبضہ تھا۔ یہ ہر ممکن طریق سے عربوں کو زیر اثر رکھنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ توریت اور انجیل میں چونکہ نبی آخر الزمان کی آمد کی خبریں اور نشانیاں آچکی تھیں یہودیوں کو اپنی انتہائی نافرمانیوں اور بدکرداریوں کے باوجود یقین تھا کہ

جس طرح سابق میں انبیاء بنی اسرائیل سے پیدا ہوتے چلے آئے ہیں نبی آخر الزمان بھی ان ہی میں سے پیدا ہوگا۔ اور نبوت وہدایت کا موروثی اعزاز انہی کے حصہ میں آئے گا۔ اس لئے یہ اپنی برتری جتانے کے لیے بڑی دلچسپی سے عربوں کو نبی آخرالزمان کی آمد کی خبریں سناتے تھے۔ اوران کی نشانیاں بتلاتے رہتے تھے جس کی وجہ سے اکثر عرب قبائل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے مشتاق و منتظر تھے لیکن جس وقت مدینہ میں جہاں یہودیوں کی اکثریت تھی۔ بعثت نبوی کی خبر پہنچی اور انہیں پتہ چلا کہ تاج نبوت اور اعزاز نبوت سے بنی اسرائیل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا گیا ہے۔ اور نبی آخرالزمان بنی اسماعیل میں پیدا کئے گئے ہیں۔ تو اس سلسلے میں ان کی ساری دلچسپی، دشمنی میں بدل گئی۔ اور انہوں نے مغرور متکبر نافرمان شیطان کی طرح عہد کیا۔ کہ وہ قرآن اور صاحب قرآن پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ اور جب تک زندہ رہیں گے مسلمانوں کو دین حق سے برگشتہ کرتے رہیں گے۔ جس کی خبر قرآن کریم نے مسلمانوں کو ان الفاظ میں دی ہے :۔

" الم ترالی الذین اوتوانصیباً من الکتاب یشترون الضللۃ و یریدون ان تضلوا السبیل " (النساء ۵/۷)

تم نے نہیں دیکھا کہ جنہیں کتاب سے حصہ ملا تھا۔ وہ گمراہی مول لے رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ"۔

غیر مسلموں کا نظریہ

یہ اسی گمراہی کا نتیجہ تھا۔ کہ یہودیوں نے شیطان کی طرح اسلام کی خفیہ اور اعلانیہ مخالفت شروع کر دی۔ اس سلسلہ میں اگرچہ یہودیوں کو ہر میدان میں ناکامی ہوئی اور مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکستیں کھانی پڑیں۔ مگر مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات کے تقاضوں

کے تحت فاتح ہونے کے باوجود ان شکست خوردہ یہودیوں اور عیسائیوں سے انتہائی شرافت، اخلاق، مروت، رواداری اور ہمدردی کا سلوک کیا۔ مگر اس کے جواب میں انہوں نے ہمیشہ خباثت، بداخلاقی، بے مروتی، خود غرضی اور احسان فراموشی کا ثبوت دیا جس سے مسلمانوں کو قدرتی طور پر صدمہ پہنچا۔ تو دلوں کے خفیہ بھید جاننے والے مولا کریم نے ان کے خفیہ منصوبہ کاریوں رازیوں طشت از بام کر دیا۔

"ولن ترضیٰ عنک الیھود ولا النصاریٰ حتیٰ تتبع ملتھم"

(البقرہ ۱۴/۱)

یہ یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز خوش نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ آپ کے مذہب کے پیروکار نہ بن جائیں"

ملت کے معنیٰ مذہب اور طریقہ کے ہیں۔ جیسے ملت ابراہیم یا ملت یہود۔ کفر خواہ کسی قسم اور کسی نوع کا ہو۔ ایک ہی ملت کے حکم میں ہے۔ "ان الکفر کلہ ملۃ واحدۃ"

اس لئے کمیونسٹ، ہنود، یہود اور نصاریٰ سب کے سب اسلام کے مقابلہ میں ملت واحد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اپنے نظریاتی اختلافات کے باوجود خدا دشمنی، اسلام دشمنی اور مسلم کشی میں ہم مسلک و ہم مشرب ہیں۔ یہ مسلمانوں سے اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ مسلمان ان کی تہذیب و تمدن اور ان کے عقائد و نظریات کو اپنا نہ لیں۔ یہی وجہ ہے کہ :-

(۱) ہندوستان کے ہندوؤں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ آئے دن ان کے خون سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔ ان کی جائیدادیں نذر آتش کی جا رہی ہیں۔ جبر و تشدد کے ذریعے انہیں ہندو بننے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اور جب تک کوئی مسلمان ہندو نہ بن جائے، ہندو اس سے خوش نہیں ہوتے۔

۲- جن ممالک میں عیسائیوں کی حکومت ہے۔ وہاں بھی مسلمان کم و بیش ایسے ہی

حالات سے دوچار ہیں۔ انہیں عیسائیت قبول کرنے کے لئے طرح طرح کی مصائب اور مشکلات کا شکار بنایا جاتا ہے۔ اور جن ممالک میں مسلمانوں کی حکومت ہے۔ وہاں عیسائی خود پہنچ کر تعلیمی رفاہی اداروں کی آڑ میں مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اسلامی ممالک کے اندر عیسائیوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔

۳۔ کمیونسٹ ممالک کے اندر مسلمانوں کی حالت اور بھی ابتر ہے۔ انہیں وہاں کسی قسم کی مذہبی آزادی حاصل نہیں۔ یہاں تک کہ ان کی مساجد تک کو مقفل رکھا جاتا ہے۔ اور جب کبھی وہاں سے کسی اسلامی وفد کا گزر ہوتا ہے۔ تو صرف ان کی آمد پر ان کے تالے کھولدیئے جاتے ہیں۔ وہاں کی تعلیم تبلیغ، اور تربیت چونکہ سراپا لادینیت ہے۔ اس لئے ان ممالک کی مسلمان نسل تو خود بخود بے دین بن رہی ہے۔ اور آثار قدیمہ کے طور پر وہاں جو گنتی کے چند مسلمان باقی رہ گئے ہیں۔ انہیں مختلف طریقوں سے ختم کیا جا رہا ہے۔ تاکہ ان کی سرزمین پر خدا کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے۔

۴۔ جو اسلامی ممالک سامراجی تسلط سے آزاد ہو چکے ہیں۔ وہ دوگونہ عذاب میں مبتلا ہیں۔ امریکی یورپی قومیں ان کے درمیان منافرت پھیلانے۔ اس خلیج کو وسیع کرنے میں شب و روز لگی رہتی ہیں۔ اور اقتصادی امداد اور فوجی معاہدوں کے ذریعے انہیں مغلوب اور مفلوج بنانے کے لئے کوشاں رہتی ہیں۔ اشتراکی طاقتیں یا حکومتیں اپنے ذرائع و وسائل کے ذریعہ وہاں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے اور سوشلزم پھیلانے کے لئے فضا سازگار کرتی رہتی ہیں۔ ان حقائق کے باوجود مسلمان پھر بھی انہیں اپنا حلیف، ہمدرد، معاون اور مددگار دوست اور ہونس سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے کھلے لفظوں میں بتلا دیا ہے

اور یہ غیر مسلم تمہارے کبھی دوست اور خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ تو اتنا بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ خدا کی طرف سے مسلمانوں کے لئے کوئی خیر و برکت نازل ہو۔ یا انہیں دینوی یا اخروی صلاح و فلاح پہنچے۔

" ما یود الذین کفروا من اھل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم " (البقرہ ۱۳/۱)

ان اہل کتاب میں سے یا مشرکین میں سے جو لوگ کافر ہیں۔ وہ ذرا بھی اس امر کو پسند نہیں کرتے کہ تمہارے اوپر کوئی بھی بھلائی تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہو۔

غیر مسلموں کی سرشت

حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے باخبر رکھنے کے لئے صرف مذکورہ بالا قرآنی اعلانات پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی سرشت کو بھی بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے۔ کہ یہ لوگ غداری بیوفائی نافرمانی سرکشی۔ اور عہد شکنی کے عادی ہیں۔ اس لئے ان کے وعدہ پر حتی الوسع اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔

" او کلما عٰھدوا عھدا نبذہٗ فریقٌ منھم " (البقرہ ۱۲/۱)

یہ کیا ہے؟ کہ انہوں نے جب کبھی کوئی عہد کیا ہے۔ تو انہی میں سے کسی نہ کسی جماعت نے اس کو توڑ ہی پھینکا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں قرآن کریم نے اعلان کیا ہے کہ ہمیں کفار، یہود، نصاریٰ یا کمیونسٹوں کے وعدہ پر اعتبار کرنے کی بجائے خدا کے وعدوں پر یقین کرنا چاہیئے۔ کیونکہ

" لا یخلف اللہ وعدہٗ " (روم ۲۱/۱)

اللہ تعالیٰ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

" وعد اللہ حقا ومن اصدق من اللہ قیلا " (النساء ۱۸/۵)

اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے"

اللہ کے وعدوں کو نظر انداز کر کے غیر اللہ کے وعدوں پر اعتماد کرنا جو صرف خدا کے منکر ہی نہیں۔ خدا کے دشمن بھی ہیں۔ خود فریبی نہیں تو کیا ہے؟ ان سے مسلمانوں کی مدد کی کیسے توقع کی جا سکتی ہے۔

اگر یہ لوگ کسی وقت یا کسی شکل میں مسلمانوں کی طرف دست اعانت و تعاون بڑھاتے بھی ہیں۔ تو وہ ازراہ خیر خواہی ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے تحت ان کی اپنی ذاتی اغراض اور سیاسی مفادات ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ پورے ہوتے دکھائی نہیں دیتے۔ تو وہ فی الفور طوطا چشمی اختیار کر لیتے ہیں۔ جس کا مظاہرہ امریکہ نے ہندو پاکستان کی جنگ میں اور روس نے یہود دیوں اور عربوں کی جنگ میں کیا ہے۔

کفار دوستی

اس لئے حق باری تعالیٰ نے ایک نص قطعی کے ذریعہ اسبات کی سختی کے ساتھ ممانعت کر دی ہے۔ کہ خدا کے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ یہ خدا دشمنی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

"یا ایھا الذین آمنو لا تتخذوا الذین تخذوا دینکم ھزوا و لعبا من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء واتقوا اللہ ان کنتم مومنین۔

(مائدہ پ ۸/۶)

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے وہ ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے۔ اور ان کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ! اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو۔

اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ اور کفار سے مراد ہندو اور کمیونسٹ ہیں۔ ان کا کام ہی اسلام کا مذاق اڑانا، مسلمانوں کی نظروں میں اس

کی اہمیت گرانا، اپنے مذہب، عقیدہ تہذیب اور تمدن کو بڑھانا اور مسلمانوں کے دلوں سے کفر کی نفرت کو نکالنا ہے۔ تاکہ وہ اس کی طرف راغب اور اس سے مانوس ہو جائیں۔ اس غرض کے لئے وہ ان کے ساتھ تعلقات پیدا کرتے ہیں۔ دوستی بڑھاتے ہیں ہیں۔ اور رفتہ رفتہ ان کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مقصد حیات ہی خدا کے نام لیواؤں کو خدا کا منکر بنانا اور انہیں ان کے دین سے منحرف کرنا ہے۔

" ولا یزالون یقاتلونکم حتیٰ یردوکم من دینکم ان استطاعوا "

(بقرہ ۲ ع ۲۷)

کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر قابو پا دیں۔ تو تم کو تمہارے دین سے ہی منحرف کر دیں۔

چنانچہ اسی غرض کے لئے انہوں نے لادینی اور فحش لٹریچر تعلیمی اداروں ایمان اور حیا سوز فلموں کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں رفتہ رفتہ اسلام کے خلاف نفرت اور کفر و شرک کے ساتھ محبت پیدا کر دی ہے جس کی وجہ سے مسلمان اعلانیہ اور فخریہ ان کی طرح سود کھلانے اور سود کھانے۔ رشوت لینے، شراب پینے، زنا کرنے اور جوا کھیلنے کو اپنے لئے جائز اور حلال سمجھتے ہیں۔ ان کی زبان بولنے میں عزت اور ان کا لباس پہننے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اسلامی اشعار کو چھوڑ کر ان کی تہذیب و تمدن پر فریفتہ رہتے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کے متعلق قرآن کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو جو قولاً یا فعلاً یہود، یہود، نصاریٰ اور کمیونسٹوں کے دوست ہوں گے حق باری تعالیٰ ان ہی داخل اور شامل سمجھے گا۔ اور انہی میں ان کا شمار کرے گا۔ اس دوستی تو دوستی اور موالات کی بدولت وہ ان سے اپنا رشتہ توڑے گا۔ اور ان پر عزت و نصرت کے دروازے بند کر کے انہیں ذلت

نکبت کے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

"یاایھا الذین آمنو لاتتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم" (مائدہ ۵/ ۱۴)

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا۔ وہ انہی میں شمار ہوگا۔

"لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین۔ ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شیئ" (عمران ۳/ ۱۱)

مومنوں کو نہ چاہیئے کہ مومنوں کے ہوتے ہوئے کافروں کو اپنا دوست بنائیں۔ تو جس نے ایسا کیا۔ تو پھر خدا کے ساتھ اس کا کوئی سروکار نہیں۔

مسلمانوں کے خلاف منصوبے

یہودی اگرچہ بغض و عناد اور حسد کی وجہ سے قرآن کریم اور اسلام پر ایمان نہ لائے۔ مگر انہوں نے اسے اپنی کتابوں کا مصدق پا کر اس کی ان باتوں کو اپنانا شروع کر دیا جن کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کو ضعف اور نقصان پہنچایا جا سکتا تھا۔ مثلاً انہوں نے قرآن کریم میں پڑھا کہ یہ اپنے ماننے والوں کے لئے تو رحمت ہے۔ "ورحمۃ المومنین" اور نہ ماننے والوں کے لئے زحمت ہے۔ "ولا یزید الظالمین الا خسارا" (بنی اسرائیل ۱۵/ ۹)

تو یہودی مسلمانوں کو قرآن کے ذریعے ہی مغضوب بنانے کے لئے اس امر کے درپے رہے کہ:-

۱- جس طرح بھی ممکن ہو۔ انہیں ان بری عادتوں کا عادی بنایا جائے جن سے قرآن

نے ان کو منع کیا ہے۔ اور ان اچھے کاموں کے کرنے سے باز رکھا جائے جن کو اختیار کرنے کا قرآن نے حکم دیا ہے۔

۲۔ مسلمانوں کو اپنا دوست بنا کر ان کے دل سے خدا اور رسول کی محبت اور کفر و شرک سے نفرت نکالی جائے۔

۳۔ مسلمان کو اپنی عادات اپنی روایات اور اپنی تہذیب و تمدن کا گرویدہ بنایا جائے تاکہ یہ بھی ان کی طرح مغضوب ہو جائیں اور قرآن کریم کے اعلان کے مطابق عند اللہ مسلمانوں کا شمار بھی انہی میں ہونے لگے۔

اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے کتنے پاپڑ بیلے، ان کی تفصیل کے لئے ایک مستقل دفتر کی ضرورت ہے۔ البتہ جن اصولوں پر اسلام اور مسلمان کے خلاف یہ تحریک چلائی گئی ہے۔ وہ یہ تھے۔

۱۔ خدا اور انسان کا تعلق منقطع کرنے کے لئے یہودیوں نے کمیونزم کی بنیاد رکھی۔ اور اس کے ذریعے یہ عالمگیر تحریک چلائی کہ خدا کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ اس تحریک کے ذریعے خدا کو خود اس کے "گھر" سے نکالنے کے لئے عرب حکمرانوں کو سوشلزم کا گرویدہ بنایا۔ تاکہ جہاں سے "آفتاب اسلام" طلوع ہوتا تھا۔ وہیں سے اس کا غروب شروع ہو جائے۔ اور خدا کو مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے کے لئے ان میں اسلام کے خلاف اتنی کثرت سے لادینی لٹریچر پھیلایا کہ خود مسلمانوں کے اندر کمیونزم اور سوشلزم کے پرستار پیدا ہو گئے اور ہو رہے ہیں۔

۲۔ تعلق باللہ منقطع کرنے کے لئے انہوں نے بلطائف الحیل مسلمانوں کے دل و دماغ سے قرآن کریم کا یہ بنیادی تقاضا محو کرا دیا کہ:۔

خدا نے انسان کو انی جاعل فی الارض خلیفہ کے اعلان کے تحت

اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ وہ تسخیر کائنات کا فریضہ ادا کرنے کے لئے خدائی احکامات کے مطابق نظام زندگی چلائے۔ اس کی بجائے انہوں نے مسلمانوں کے ذہن میں عالموں، واعظوں، مبلغوں کے ذریعہ یہ بات بٹھا دی کہ وہ تو " وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون " کے تحت صرف عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ دنیا سے ان کا کوئی سروکار نہیں۔ اس طرح انہیں رہبانیت کی راہ پر لگا کر، اخلاق معاشرت معاملات وغیرہ میں احکامات قرآنی پر چلنے سے روک دیا گیا۔

۳۔ تعلق باللہ کا تیسرا سب سے بڑا ذریعہ جہاد تھا جس کی بدولت مسلمان دنیا پر حکمران رہے مسلمانوں کو جہاد سے باز رکھنے کے لئے انگریزوں نے ہندوستان پر حکمرانی کے دور میں اپنے ایک خود کاشتہ، خود ساختہ، خود پرداختہ نبی کے ذریعہ صدیوں سے بند شدہ نبوت کا دروازہ کھلوایا اور اس سے یہ فتویٰ جاری کرا دیا۔ کہ اس آزادی کے زمانے میں جہاد کی ضرورت نہیں بلکہ یہ ایک دوسرے سے دوستانہ روابط قائم کرنے اور تعلقات بڑھانے کا دور ہے اس طرح انہوں نے مسلمانوں کے دل و دماغ سے جہاد کا تصور نکال کر ان کے ہاتھ سے تیغ و تفنگ چھین لی۔ اور طاؤس و رباب دے دیئے تاکہ اس کی روحانی نہ سہی نفسانی تسکین کا سامان تو ہوتا رہے۔

۴۔ مسلمانوں کو غلام، مغلوب و مفلوج بنانے کے لئے ان میں یہ غلط تاثر پیدا کر دیا گیا۔ کہ سائنسی دور کا آغاز اٹھارویں صدی عیسوی سے ہوتا ہے جس کا قرآن مخالف ہے۔ حالانکہ سائنسی علوم کا آغاز تو نزول قرآن کے وقت سے ہو چکا تھا۔ جو دنیا کو تسخیر کائنات کے لئے انظروا، تفکروا، تدبروا کے سائنسی اصولوں کی طرف توجہ دلا رہا تھا۔ انہیں

انسانیات حیوانیات، معدنیات حیاتیات ـ طبیعات برقیات ـ فلکیات ـ ارضیات ایسے سائنسی علوم کے تذکرے سنا رہا تھا۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں کو سائنس کے میدان سے بیدخل کر کے آرٹ کے میدان میں دھکیل دیا۔ اور خود سائنس کے میدان پر قبضہ کر کے اسلحہ سازی اور اسلحہ فروشی کے اجارہ دار بن گئے۔ اس طرح جہاد کا جذبہ مٹانے کے بعد جہاد کا سامان ہی ان کے پاس نہ رہنے دیا۔

انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمان ہر لحاظ سے نہتے ہو چکے ہیں۔ ان کے دلوں میں نہ قرآن رہا ہے۔ اور نہ ان کے ہاتھوں میں تلوار رہی ہے۔ اور یہ اپنی نافرمانیوں سرکشیوں۔ بداعمالیوں کی وجہ سے اسی سطح پر پہنچ گئے ہیں جس سطح پر پہنچ کر یہودی مغضوب ہوتے تھے۔ تو اس وقت پوپ نے یہودیوں کے دلوں سے عیسائیوں کے خلاف نفرت دور کرنے کے لئے اپنی مذہبی کتب اور روایات کے خلاف یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ یہودی حضرت عیسیٰ کے قاتل نہیں تھے۔ اور عیسائی حکومتوں نے یہودیوں کی درمے۔ درمے۔ قدمے۔ سخنے اعانت کر کے ان سے عربوں پر حملہ کرا دیا۔

سہ روزہ جنگ

یہودیوں نے عربوں کے خلاف جنگ اسی برق رفتاری سے جیتی جس برق رفتاری سے یہی عرب، اسلام اور دین سے وابستگی کی وجہ سے یہودیوں اور عیسائیوں کو تاریخی شکستیں دیتے رہے اوائل جون ۱۹۶۷ء میں لڑی جانے والی جنگ اگرچہ کفر و اسلام کی جنگ نہ تھی یہودیوں اور عربوں کی جنگ تھی۔ جو وطنیت اور قومیت کی بنیاد پر لڑی گئی۔ مگر یہودیوں نے یہ جنگ گذشتہ صلیبی جنگوں کی طرح اسرائیلی نقطہ نظر سے، اسلام کے خلاف لڑی۔ اور عربوں کو شکست دے کر مسلمانوں کو دنیا میں ایسا ذلیل و رسوا کیا کہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔

مشرق وسطیٰ میں جو خونین ڈرامہ کھیلا گیا۔ دشمنان اسلام اس کے لیے صدیوں سے زمین تیار کر رہے تھے۔ اور ان کی دانست میں بمشکل اب اس کے لیے زمین تیار ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ ڈرامہ جو عنقریب پاکستان اور عالم اسلام میں کھیلا جانے والا ہے۔ اس کی وہاں صفدری ہرسل کی گئی جس کا نتیجہ ان کے لیے خاطر خواہ اور حوصلہ افزا نکلا۔

یہاں جو کچھ ہوا قرآن مجید کے بنیادی اصولوں کے مطابق ہوا ہے۔ اس میں نہ نہ یہودی کی کوئی رعایت کی گئی ہے۔ نہ عربوں پر کوئی ظلم روا رکھا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں۔ انسان خود ظالم ہے۔ اور اس پر جو مصیبت آتی ہے۔ وہ بالفاظ قرآن خود اس کے اپنے ہاتھ سے کمائی ہوئی ہوتی ہے۔ خدا کی نظر میں نہ افراد کی کوئی اہمیت ہے اور نہ اقوام کی کوئی وقعت ہے۔ اس کے نزدیک تو تمام تر اہمیت و وقعت اس دینی نظام کو حاصل ہے جس کے مطابق اسے نے انسانوں کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص زندگی بسر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے جو بھی اس کے ضابطۂ حیات کے مطابق دانستہ یا نادانستہ زندگی بسر کرے گا۔ وہی عنداللہ معزز و مکرم ہو گا۔ اور فتح و نصرت پائے گا۔ اور جو اس کے احکامات کو بھلا دے گا۔ اسے وہ بھی بھلا دے گا۔

نسوا اللہ فنسیھم (توبہ ۱۰/ ۱۵)

چنانچہ شاہ حسن والی مراکش نے اس جنگ میں عربوں کی شکست کے اسباب کا صحیح تجزیہ کیا اور فرمایا ہے کہ:۔

"ہماری اس تاریخی شکست کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم نے خدا سے رشتہ توڑ لیا ہے۔ اس لیے خدا نے بھی ہم سے منہ موڑ لیا۔ اپنا رشتہ توڑ لیا۔ اور ہماری بداعمالیوں۔ ہماری غلط کاریوں ہمارے

ثنا رسول اور ہمارے باہمی نفاق کی ہمیں سزا دی گئی ہے "

اور سقنع کے بند کے حور رپا اسرائیلی وزیراعظم نے کہا کہ خدا نے ہماری توبہ کو قبول کر لیا ہے ہماری گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ اس لئے ہمیں فتح ونصرت سے نوازا گیا ہے۔

مسلمانوں کی خوش فہمی

خدا کے احکام اور قرآن پاک کے اصولوں سے انکار و انحراف کر کے، محض مسلمان ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے امداد ونصرت کی توقع رکھنا پرلے درجے کی حماقت ہے حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اسبات کا کہیں بھی وعدہ نہیں کیا۔ کہ وہ مسلمانوں کو محض مسلمان کہلانے کی وجہ سے، عمل صالح کئے بغیر، دوسری قوموں پر غلبہ وتسلط یا فتح ونصرت بخشے گا۔ قرآن کریم میں جہاں بھی مسلمانوں کے لئے کامیابی اور فتح یا امداد واعانت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ ایمان اور عمل کے ساتھ مشروط ہے غیر مشروط کہیں بھی نہیں کیا۔ جیسا کہ ان آیات کریمہ سے واضح ہے:-

۱- " واللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین "

عزت صرف اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لئے ہے۔

۲- " وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین "

تم ہی غالب رہو گے اگر تم پورے مومن رہے،

۳- " ولن یجعل اللہ الکافرین علی المؤمنین سبیلا " (نساء ۵/۱۰)

اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غالب نہ کرے گا۔

۴- " وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض "۔

تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور ٹھیک عمل کریں۔ ان سے اللہ تعالےٰ وعدہ کرتا ہے کہ ان کو زمین پر حکومت عطا کرے گا۔

ان اور ان جیسی دوسری بے شمار آیات قرآنی کی رو سے ہر فتح، ہر کامرانی اور ہر کامیابی کے لیے محض نام کا مسلمان ہونا کافی نہیں۔ بلکہ صاحب ایمان و عمل ہونا بھی ایک شرط ہے۔ مومنوں کی قرآنِ کریم نے مندرجہ ذیل نشانیاں بیان کی ہیں:-

۱- حق تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ کے ارشادات پر یقین کامل رکھتے ہیں اور ان میں قطعاً شک نہیں کرتے۔ (الحجرات)

۲- اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں۔ (ایضاً)

۳- اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور اسی سے ڈرتے ہیں۔ (انفال ۹/۱)

۴- جس قدر رزق انہیں دیا جاتا ہے۔ اسی پر وہ قناعت کرتے ہیں۔ یعنی رشوت یا دوسرے ناجائز ذرائع سے انحصار نہیں کرتے۔ (ایضاً)

۵- نماز پابندیٔ وقت کے ساتھ خشوع و خضوع سے ادا کرتے ہیں۔ (انفال ۹/۱) (مومنون ۱۸/۱)

۶- ہر نوع کی لغویات سے احتراز اور اجتناب کرتے ہیں۔ اور پاک و صاف رہتے ہیں۔ (مومنون ۱۸/۱)

۷- اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یعنی زنا کاری اور شہوت رانی کے قریب نہیں جاتے۔ (ایضاً)

۸- امانت میں خیانت نہیں کرتے۔ (ایضاً)

۹- اور اپنے قول و اقرار سے منحرف نہیں ہوتے۔ (ایضاً)

۱۰- اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی مخلوق پر خرچ کرتے رہتے ہیں

ہیں۔ (بقرہ ۱/۱)

گویا ایمان کی تکمیل کے لئے صرف عبادات ہی کافی نہیں ہیں۔ اخلاق معاشرت اور معاملات کا قرآن کے مطابق ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ بھی اجزائے دین ہیں۔ اور قرآن پاک نے ان کی صحت پر بڑا زور دیا ہے۔ اس لئے انسان صرف مسلمان کہلانے سے مومن نہیں بن جاتا۔ اور نہ ہی فتح و نصرت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ بلکہ مومن بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر ایمان کے تمام اجزاء بکمالہٖ موجود ہوں۔ اور اس کے اعمال سے ان کا اظہار ہو۔ جب وہ سیدھے راستہ پر آجائے گا۔ تو پھر اسے کوئی خوف اور غم نہ ہوگا۔ بلکہ دنیا خود اس سے خائف ہو گی۔ اور اس طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گی۔ ان حقائق کی روشنی میں ہر مسلمان اپنے گریبان میں جھانک کر بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ وہ مومن ہے یا محض نام کا مسلمان ہے۔ اگر قرآن پاک کی رو سے وہ مومن نہیں رہا۔ تو پھر وہ فتح و نصرت کے خواب کیوں دیکھ رہا ہے؟

مسئلہ جزا و سزا

حق باری تعالیٰ ظالم نہیں عادل ہے۔ وہ " انی لا اضیع عمل عامل منکم " کے اصول کے تحت کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتے۔ بلکہ " فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ " کے ضابطہ کے تحت ذرہ برابر نیک کام کرنے والے کو بدلہ دیں گے۔ اور رائی بھر بُرا کام کرنے والے کو بُرا بدلہ دیں گے۔ جزا و سزا کے مسئلہ میں ہنود۔ یہود۔ نصاریٰ۔ اور مسلمان کی کوئی قید نہیں اس کے اصول سب کے لئے یکساں ہیں۔ فرق صرف زمان و مکان کا ہے۔ کہ غیر مسلموں کو ان کے اچھے کاموں کا بدلہ اسی دنیا میں مل کے رہے گا۔ اور آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اور مسلمانوں کو دنیا و آخرت دونوں جگہ جزا ملے

گی۔ اس اصول کی رعایت سے حق تعالیٰ نے یہودیوں کی ذلت و مسکنت کے ساتھ ہر جگہ یہ استثنیٰ بھی لگا دی کہ اگر ان میں سے کوئی بھی اچھا کام کرے گا۔ تو وہ بھی ضرور اس کا اجر پائے گا۔ کہ سنت اللہ یہی ہے۔ اور یہ کسی کی خاطر بدلا نہیں کرتی
" لا تجد لسنة الله تبديلا "

قرآن کریم کی ایک خوبی یہ بھی ہے۔ کہ وہ بسا اوقات جزئیات کے ضمن میں بڑی بلاغت و حکمت کے ساتھ بڑے بڑے اہم کلیات بھی ساتھ ساتھ بیان کر دیتا ہے۔ قرآن کریم میں یہودیوں کی مسکنت و ذلت کا جہاں جہاں بھی ذکر آیا ہے۔ وہیں اس امر کی بھی تشریح بھی کر دی گئی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے اس کا اجر ملے۔

" ان الذين آمنوا والذين هادوا والنصارى والصابئين من آمن بالله واليوم الاخر وعمل صالحا فلهم اجرهم عند ربهم ج ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون ط (البقرہ ۱/ ۸)

البتہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں۔ اور جو لوگ یہودی ہوتے اور نصاریٰ اور صابی جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آتے۔ اور نیک عمل کرے۔ سو ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر ہے۔ اور ان کے لئے نہ کوئی اندیشہ ہے۔ اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی ضمانت دی گئی ہے۔ کہ رحمت اور مغفرت کی راہیں ان سب کے لئے کھلی ہیں۔ جو تائب ہو کر رجوع الی اللہ کر لیں۔ سو تو آل عمران کی آیت نمبر ۱۱۲ میں اس استثنا کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے

" ضربت عليهم الذلة اين ما ثقفوا الا بحبل الله من الله وحبل من الناس "

اور ان پر ذلت چپاں کر دی گئی ہے خواہ وہ کہیں بھی پائے جائیں ماسوا اس کے کہ اللہ کی طرف سے کوئی عہد ہو یا لوگوں کی طرف سے کوئی عہد ہو۔

حبل من اللہ سے مراد ہے۔ کہ وہ اپنے گناہوں سے تائب ہو کر اللہ کی طرف رجوع کر لیں۔ اور اس کی پناہ میں آجائیں۔ اور حبل من الناس یہ ہے کہ کسی بڑی حکومت یا جماعت سے کوئی معاہدہ کر کے اس کی پناہ حاصل کر لیں متذکرہ بالا آیت کریمہ میں یہودیوں کو صرف ذلیل کرنے کا ذکر ہے۔ مگر سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۱۶۷ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ذلت وہ رسوائی کے علاوہ ان پر ایک دوسرا عذاب بھی نازل ہوتا رہے گا۔

" واذ تاذن ربک لیبعثن علیھم الی یوم القیامۃ من یسومھم سوء العذاب، ان ربک لسریع العقاب وانہ لغفور الرحیم "

جب آپ کے پروردگار نے یہ جتلا دیا کہ وہ ان یہودیوں پر قیامت کے دن تک کسی ایسے کو مسلط رکھے گا۔ جو انہیں شدید سزا میں مبتلا رکھے گا بے شک آپ کا پروردگار بہت جلد سزا دینے والا ہے۔ اور وہ بڑا مغفرت والا اور رحمت والا ہے۔

عہد نبوی ہی میں یہودیوں پر یہ بات واضح کر دی گئی تھی۔ کہ بعثت نبوی اور نزول قرآن کے بعد بھی اگر وہ اس پر ایمان نہ لاتے اور اپنی مسلسل گستاخیوں اور نافرمانیوں پر مصر رہے۔ تو قیامت تک وہ ذلیل وخوار ہوتے رہیں گے اور ان پر کوئی نہ کوئی جابر قاہر شخص مسلط کیا جاتا رہے گا۔ جو ان پر زمین کی وسعتیں تنگ کر دے گا۔ اور وہ دنیا کے کسی خطہ میں انہیں سکون واطمینان کے ساتھ نہ رہنے دے گا۔ جیسے ہٹلر نے جرمنی میں یہودیوں کو ناک چنے چبوائے۔ یا اس سے

پہلے دوسرے لوگ ان پر ظالم بنے رہے۔ لیکن مذکورہ بالا اجتماعی یا انفرادی عذاب کے اعلان کے ساتھ ساتھ ہر جگہ استثناء کا ذکر بھی موجود ہے۔ کہیں فلھم اجرھم عند ربھم کے الفاظ میں کہیں بحبل من اللہ کی شکل میں، کہیں بحبل من الناس کی صورت میں کہیں غفور الرحیم کے اشارہ میں۔ تاکہ اگر وہ اپنے حالات کو بدلنا چاہیں تو بدل لیں۔ اور دائمی مغضوبی اور مقہوری سے بچ جائیں۔ یہ اشارے اور یہ کنائے قرآن کریم کی طرف سے اس بات کی ضمانت ہیں کہ جونہی یہودی اپنے عقائد۔ اپنے فرائض اور اعمال خدا کی خواہش کے مطابق کر لیں گے مغفرت و رحمت انہیں اپنی پناہ میں لے لیگی۔ اور انہیں ان کے نیک اعمال کا اجر و ثواب دے دیا جائے گا۔

اس لئے یہودیوں کے متعلق مسلمانوں کا یہ تصور اور تاثر بالکل غلط ہے اور روح قرآن کے خلاف ہے کہ یہودی قیامت تک مسلسل اور متواتر ذلیل و خوار یا زیر عتاب رہیں گے اور کسی صورت میں بھی ان پر رحمت و مغفرت کے دروازے نہیں کھلیں گے۔

سہ نکاتی منصوبہ

یہودی بھی اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ اگر وہ اپنی حالت بدل لیں۔ تو عذاب کی حالت بھی بدل جائے گی۔ اور انجیل مقدس بھی انہیں اپنے پر معاصی حالات کو بدلنے کی صورت میں یہ خوشخبری سنا رہی تھی۔

> "اس دن جب ہم تم کو برائیوں سے پاک و صاف کریں گے۔ ہم تم کو شہروں میں بھی مقیم کر دیں گے۔ بن آباد ہو جائیں گے۔ اور بنجر زمین کاشت ہو جائے گی۔ حالانکہ اب تمام راہروؤں کی آنکھوں کے سامنے غیر آباد ہیں۔ اور وہ کہیں گے کہ زمین جو برباد تھی۔ اب باغ

عدن کی مثال ہے۔ اور اجڑے ہوئے شہر آباد، محفوظ و مسکون ہیں۔"
(ایزاکیل ۳۵: ۱۶، ۳۶)

اس لئے یہودی دیوار گریہ سے لپٹ لپٹ کر رو رو کر توبہ و استغفار کرتے رہتے تھے۔ اور اپنی عظمت رفتہ کی واپسی کے لئے یہ دعا کرتے رہتے تھے کہ:-

"Renew our days as they once were"

اور اپنے حالات بدلنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ اس غرض کے لئے یہودی مفکرین نے ۱۸۹۶ء اور ۱۹۰۵ء کے درمیان کئی خفیہ کانفرنسیں کیں اور ان میں مندرجہ ذیل سہ نکاتی منصوبہ تیار کیا جس کی نقل آج بھی برٹش میوزیم کی لائبریری میں محفوظ ہے:-

1- To Provide a permanent home To the Jews.

2- To obtain monetary control over the world.

3- To destroy the Islamic countries.

یعنی انہوں نے فیصلہ کیا کہ یہودیوں کے لئے ایک مستقل وطن کا انتظام کیا جائے۔ دنیا کے اقتصادی اور مالی نظام پر قبضہ کیا جائے اور اسلامی ممالک کا خاتمہ کر دیا جائے۔

اس منصوبہ پر انتہائی دانشمندی کے ساتھ عمل کرتے ہوئے یہودیوں نے بیسویں صدی عیسوی کی پہلی چوتھائی میں ہی یورپ اور امریکہ پر اپنا اتنا اخلاقی، سیاسی اور معاشی اقتدار اور دباؤ حاصل کر لیا کہ ان کی خوشنودی حاصل کئے بغیر وہاں کی حکومتوں کے لئے کوئی قدم اٹھانا ناممکن ہو گیا۔ انگلینڈ اور امریکہ میں ان کو بادشاہ گر کی حیثیت حاصل ہو گئی جس کا اندازہ صرف اسی ایک امر سے باآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ

کے صدارتی انتخابات کے لئے ۲۷۰ ووٹوں میں سے ۱۶۹ ووٹ یہودیوں کے ہیں۔
یہودیوں نے بڑی بڑی حکومتوں کو اپنے زیر اثر لانے کے علاوہ اپنی دولت کے بل بوتے پر دنیا کی عظیم سائنسی لیبارٹریوں، اسلحہ ساز کارخانوں۔ اشاعتی صحافتی تجارتی صنعتی نشریاتی اداروں اور فلمی نگارخانوں پر بھی قبضہ جمالیا۔ اور ان کے ذریعہ اسلامی ممالک اور اسلامی تہذیب و ثقافت کو مٹانے کے درپے رہے۔

مذہب سے وابستگی یہودیوں کی ذلت و خواری کی وجہ مذہب سے لاتعلقی تھی۔ صدیوں دربدر ٹھوکریں کھانے کے بعد انہوں نے اپنی نجات کے لئے پھر مذہب کے دامن میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ لادینیت ترک کر کے مذہبیت اختیار کرنے لگے۔ اور اپنی ارض موعود فلسطین میں واپسی کے خواب دیکھنے لگے۔ کہ ۱۹۱۷ء میں برطانیہ کے وزیر خارجہ لارڈ بالفور نے صحرائے فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کا اعلان کر دیا۔ کیپٹن ممتاز ملک جو اسرائیلی حکومت کے وقت وہاں موجود تھے۔ اور تین سال تک وہاں کے حالات کا مطالعہ و مشاہدہ کرتے رہے۔ لکھتے ہیں کہ :-

"اعلان بالفور کے تحت یہ طے پایا گیا تھا کہ ہر مہینہ ۳ ہزار یہودی فلسطین میں داخل ہوا کریں گے لیکن ۱۹۳۹ء میں یورپ کی جنگ عظیم شروع ہونے پر جب ملکوں ملکوں سے سمٹ کر یہودیوں کا ریلا فلسطین پر شروع ہوا۔ تو تین ہزار ماہانہ کوٹہ کاغذ ہی پر رہ گیا۔ اور ہر ماہ ۱۰ اور ۱۲ ہزار کی تعداد میں در آنے لگے۔ تین ہزار تو باقاعدہ کاغذ کی بنا پر فلسطین کی کسی بندرگاہ پر اتر جاتے۔ اور باقی ہزاروں یہود سے بھرے ہوئے جہاز فلسطین کی بندرگاہوں سے پہلے ہی بین الاقوامی سمندر کے کسی ساحل پر لنگر انداز ہو جاتے۔ اور وہ یہودی رات کی تاریکی میں چھوٹی بڑی کشتیوں میں اتر کر یا تیر کر سمندر سے ساحل پر جا پہنچتے۔ اور دن بھر پہاڑوں

برسائے گئے تاکہ زمین میں گہرے گڑھے پڑجائیں۔ پھر آگ برسائی تاکہ تیل کو فوراً آگ لگ جائے۔ اور یہ قوم جل بھن کر کباب بن جائے۔ چنانچہ اس تحقیق کی روشنی میں ماہرین طبقات الارض نے سروے کرکے اس سرزمین کا سراغ لگایا۔ اسے کھودا۔ تو اس کے نیچے واقعی تیل موجود پایا۔ جسے وہ اپنے مصرف میں لارہے ہیں۔ انجیل میں حضرت سلیمان ؑ کی تانبے کی کانوں کا قصہ پڑھ کر بحیرہ روم کے کنارے انہیں تلاش کر ڈالا۔ ان سے سالانہ دو لاکھ ٹن تانبہ نکال رہے ہیں حضرت داؤد ؑ کی چراگاہ کا کھوج نکال کر اسے کھودا اور اس کے نیچے سے وہ ہزاروں سالہ پرانا تاریخی بند ڈھونڈ نکالا جس میں وہ بارش کا پانی جمع کرکے اپنی چراگاہ کو آبپاش کرتے تھے۔ انہوں نے اس بند کی مرمت کرکے اس سے اپنے باغات سیراب کرنا شروع کیے۔ یہ سارے انعامات اس تدبر و تفکر کے تھے۔ جن کی قرآن کریم قدم قدم پر دعوت دے رہا ہے۔

ان سابقہ کامیابیوں کی روشنی میں یہودیوں نے صحرائے سینا پر قبضہ کرتے ہی اس کا سروے شروع کر دیا۔ اور اپنی فتح کے ڈیڑھ ماہ کے اندر ان کے ماہرین طبقات الارض نے انکشاف کیا کہ اس علاقہ میں کم از کم ساڑھے تیرہ کروڑ ٹن تیل کے علاوہ کروڑوں ٹن کوئلہ۔ خام تانبہ خام لوہا۔ فاسفیٹ میگنیشیم اور دیگر معدنیات موجود ہیں۔ حالانکہ یہ علاقہ مدتوں مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ مگر انہوں نے تسخیر کائنات کے قرآنی مطالبہ کی طرف کبھی بھی توجہ ہی نہ دی۔ اور ان کی عدم توجہی کی وجہ سے یہ دولت دشمنوں کے قبضے میں چلی گئی۔

تنظیمی جہاد

یہودیوں نے ایک قلیل عرصہ میں سائنسی اصولوں پر اپنے وطن کو آباد و شاداب کرنے کے لئے جس اتحاد، تنظیم اور یقین کے ساتھ جہاد کیا۔ اس کے نتائج نہایت ہی حیرت انگیز برآمد ہوئے۔ اور کیپٹن ممتاز ملک کے قول کے مطابق یہودیوں نے :۔

"بنجر زمین کو ژیونے مول عربوں سے خرید کر ٹریکٹروں اور بلڈوزروں کی مدد سے ہموار کر کے قابل کاشت بنائی۔ ٹیوب ویل نصب کئے۔ مرد زمینوں کو درست کرنے میں مصروف رہنے لگے۔ تو عورتیں اور بچے مکانات کی تعمیر اور گھریلو صنعتوں سے متعلق سرگرمیوں میں لگ گئے۔ اور انہیں آنکھوں نے دیکھا کہ ہم تین چار سال پہلے فوجی نقل و حرکت کے سلسلہ میں جن ایسے علاقوں سے گذر چکے ہیں۔ جہاں ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا۔ اور ان ٹیلوں پر عرب تربوز کے بیج یا مکئی اور گیہوں کے بیج پھینک دیتے تھے۔ اور اگر بارش ہو جاتی۔ تو اچھی بری فصل پیدا ہو جاتی تھی۔ وہی ریت کے ٹیلے اور صحرا، مالٹے۔ ناشپاتی خوبانی اور دیگر ثمر آور اشجار کے باغات میں تبدیل ہو چکے تھے۔ ان باغات سے ملحق فروٹ انڈسٹری کی فیکٹریاں قائم ہو چکی تھیں۔ جن میں لڑکے۔ لڑکیاں اور عورتیں دن رات پھل اور میووں کی اشیاء تیار کرتی تھیں۔ اور اس صنعت پر یہودیوں کی مکمل اجارہ داری قائم ہو چکی تھی۔ چنانچہ اتحادیوں کی افواج متعینہ مشرق وسطیٰ کی کینٹینوں مثلاً نافی شاپس۔ نیوی۔ آرمی۔ ایئر فورس انسٹی ٹیوٹ کی دکانوں میں مشروبات شرابیں۔ اچار۔ چٹنیاں۔ مربے۔ کیک۔ جام اور ڈبوں میں بند ہر قسم کی اشیاء۔ انہیں یہودیوں کی فیکٹریوں سے جاتی تھیں

اس کے علاوہ انہوں نے رضا کاروں اور لیبر کور کے نوجوانوں کی فوجی تربیت بھی شروع کر دی۔ اور جب ۱۹۴۸ء میں اسرائیلی حکومت قائم ہوئی تو وہاں پہلے سے صنعت و حرفت بھی موجود تھی

تعلیمی ادارے۔ کالج اور اسکول بھی موجود تھے۔ اسلحہ کی فیکٹریاں، بینک۔ تجارتی سنڈیکیٹ بھی موجود تھے۔ فوج بھی تیار تھی۔ آبپاشی، صنعت و حرفت۔ زراعت کا نکنی سے متعلق تمام اسکیمیں اور منصوبے پہلے سے تیار تھے،، جو حکومت کے حوالے کر دیئے گئے۔

بیس سالہ موازنہ

اسرائیلی حکومت کے قیام ۱۹۴۸ء سے لیکر ۱۹۶۷ء کے وسط تک کے درمیانی بیس سالہ عرصہ میں یہودی اپنی حکومت کے استحکام اپنی سلطنت کی توسیع اور اپنی ملت کی تعمیر و ترقی کے لئے تن من دھن سے تگ و دو کرتے رہے۔ اور یہ ہر نوع کی مادی قوت یعنی جدید ترین اسلحہ جمع کرتے رہے۔ اپنی فضائیہ کو بڑھاتے رہے۔ اور اپنے تمام وسائل کو کام میں لاتے رہے۔ مگر مسلمان اس دورانیہ میں لادینی تعلیم و تربیت حاصل کرنے مغربی تہذیب و تمدن کو اپنانے عیش و عشرت کا سامان درآمد کرنے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے۔ اپنوں کا گلہ کاٹنے حصول اقتدار کے لئے سازشیں کرنے اور انقلاب برپا کرنے میں مصروف رہے۔

یہاں تک کہ "یوم حساب" آ پہنچا۔ یہودیوں نے جب دیکھا کہ مسلمان ہر لحاظ سے اب اس سطح پر پہنچ چکے ہیں۔ جہاں سے مغضوبیت و مقہوریت کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں۔ اور فتح و نصرت اور عزت و عظمت کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ تو اس وقت انہوں نے اسلامی ممالک پر پہلی کاری ضرب لگانے کی تیاری مکمل کر لی۔ ان کے پاس اب اس حملہ کے لئے صرف مادی طاقت ہی نہ تھی روحانی قوت بھی موجود تھی اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ یہودیوں نے حملہ کرنے سے پہلے خدا کی خوشنودی اور تائید حاصل کرنے کے لئے سارا دن روزہ رکھا۔ رات بھر توریت کی تلاوت کرتے رہے۔ گریہ وزاری کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی اور اپنی فتح کے لئے دعائیں مانگتے رہے۔

سوموار کا سورج ابھی طلوع نہیں ہونے پایا تھا کہ پانچ جون کی صبح پر دھندلکا چھایا ہوا تھا۔ کہ یہودی اپنی ساری کی ساری فضائی قوت کے ساتھ مصر اور شرق اردن کے آسمان پر قابض ہو گئے۔ اور بیک وقت ان دونوں ملکوں

کی فضائیہ پر جدید ترین خفیہ ہتھیاروں سے حملہ کر کے صرف پانچ منٹوں کے اندر اسے مفلوج ومغلوب کر کے یہ جنگ جیت لی۔ اور اللہ کی بجائے، اللہ کے دشمنوں پر بھروسہ کرنے والوں نے اپنا حشر اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لیا۔ اور دنیا قرآن کریم کے اس ارشادات کی صداقت کی قائل ہوگئی کہ خدا کے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ وہ تو ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

اولیا بعضہم اولیا۔ بعض (مائدہ ۶/۱۲)

فراست فاروقی

اس جنگ کے نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کا وہ قبلہ اوّل بھی ان سے چھن گیا جو یہودیوں کی عدقسل حکمیوں نافرمانیوں اور تباہیوں کی وجہ سے یہودیوں سے چھین کر مسلمانوں کے حوالے کیا گیا تھا۔ اور اب بعینہ ان ہی حالات میں مسلمانوں کا قبلہ اوّل، مسلمانوں سے چھین کر یہودیوں کو واپس کر دیا گیا ہے۔ اس روزِ بد کو بیت المقدس کے فاتح اول حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی چشم فراست علین فتح بیت المقدس کے موقعہ پر دیکھ رہی تھی جس کا ذکر انہوں نے اسی وقت عربوں سے خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں کر دیا تھا۔

"تم لوگ دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل، سب سے زیادہ حقیر اور سب سے کم تھے۔ اللہ نے تمہیں اسلام کے ذریعہ عزت دی۔ اب اگر تم اسلام کے علاوہ کسی اور چیز سے عزت حاصل کرنا چاہو گے۔ تو اللہ تمہیں ذلیل کر دے گا۔" (ابن کثیر)

چنانچہ پونے چودہ سو سال بعد آپ کا یہ ارشاد گرامی حقیقت بن کر دنیا کے سامنے آگیا۔ اور دنیا نے بچشم خود دیکھ لیا کہ اسلام کو چاہنے والے خدا نے اسلام کو چھوڑ کر نیشلزم اور سوشلزم کی پناہ لینے والے عربوں کو برسوں میں نہیں

مہینوں میں نہیں۔ دنوں میں یا گھنٹوں میں نہیں صرف منٹوں میں یہودیوں کی فضائیہ کے ہاتھوں مفلوج و مغلوب کر دیا۔ اور تین دنوں کے اندر انہیں دنیا میں ایسا ذلیل و رسوا کر دیا کہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے قرآن نے سچ کہا ہے کہ جو لوگ اللہ و رسول کی اطاعت نہیں کرتے۔ قرآن پاک کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔ اور اپنی حالت نہیں بدلتے وہی دنیا میں ذلت پاتے ہیں۔

"ان الذین یحادون اللہ .... اولئک فی الاذلین۔

(مجادلہ ۲۸/۲)

جنگ کی اہمیت

مشرق وسطیٰ میں جو کچھ ہوا۔ وہ قوموں کے عروج زوال کے قرآنی اور فطری قوانین کے عین مطابق ہوا ہے یہ جنگ کئی دیرپا اثرات چھوڑ گئی ہے۔ اور کئی عبرت آموز سبق دے گئی ہے۔ جو صدیوں تک محسوس ہوتے رہیں گے۔ قرآنی نقطۂ نظر سے یہ جنگ سہ گونہ اہمیت کی حامل تھی۔

۱۔ تشریعی قوانین کے تحت یہودیوں کو ان کی گریہ وزاری ان کی توبہ واستغفار ان کی دین سے وابستگی اور ان کی اطاعت الٰہی کی جزا ملنی لازمی تھی تاکہ ان کی نیکیوں کا حساب اسی دنیا میں بےباق کیا جائے۔ اس لئے انہیں ان مسلمانوں پر تاریخی اور مثالی فتح و نصرت بخشی گئی۔ جو ان خوبیوں کے حامل نہیں رہے تھے۔

۲۔ تکوینی ضابطہ کے مطابق یہودیوں کو ابھی ناقابل معافی گناہوں اور جرموں مثلاً قتل انبیاء وغیرہ کی سزا بھگتنی باقی تھی۔ جو انہیں اجتماعی شکل میں ملنی تھی۔ اور اس کے لئے ان کا ایک جگہ اکٹھا ہونا ضروری تھا جیسا کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ظاہر ہوتا ہے کہ:۔

"جب یہود کو نیست و نابود کرنے کا وقت آئے گا۔ اور ان کو اللہ تباہ کرنا
چاہے گا۔ تو وہ ایک جگہ مجتمع ہو جائیں گے۔ اور وہ اجتماعی طور پر ہی نیست و
نابود کیے جائیں گے۔ اور اگر کوئی یہودی کسی پتھر کے پیچھے بھی جا چھپے گا۔ تو
اللہ تعالیٰ اس پتھر کو بھی قوت اظہار دے گا۔ اور وہ پکارے گا کہ میری اوٹ
سے اس یہودی کو نکالو اور اس شیطان کا خاتمہ کر دو"

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اسرائیلی حکومت اور سلطنت کے قیام کا مقصد
یہودی قوم کو ایک جگہ جمع کرنا تھا۔ تاکہ وقت مقررہ پر اجتماعی عذاب نازل کر کے ان کا نام و نشان
تک ہمیشہ کے لیے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔

۲- اس جنگ میں عربوں کو شکست دلا کر اور اس کے نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کو ذلیل و خوار کر کے
غیرت دلانی تھی کہ اگر انہوں نے خدا اور رسول کی اطاعت نہ کی اور قرآن پاک کو دستور
حیات نہ بنایا۔ تو ان کا بھی یہی حشر ہوگا۔ اور پھر ان کی جگہ حق تعالیٰ کوئی دوسری قوم
لے آئیگا۔ وان یستبدل قوما غیرکم ۔ جو ان جیسی نہ ہوگی "ثم لا یکونوا امثالکم"
بلکہ اسے خدا سے عشق ہوگا۔ اور خدا کو اس سے محبت ہوگی یحبھم و یحبونہ!
وہ مسلمانوں پر شفیق و مہربان ہوگی۔ اذلۃ علی المومنین ۔ خدا کے دشمنوں پر بھاری
ہوگی۔ اعزۃ علی الکافرین ۔ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے والی ہوگی۔
یجاھدون فی سبیل اللہ اور وہ کسی بات سے خائف ہونیوالی نہیں ہوگی
ولا یخافون لومۃ لائم ، (مائدہ ۶/۱۲)

چونکہ ہم میں یہ خوبیاں باقی نہیں رہیں۔ اسلئے کچھ عجب نہیں کہ زود یا بدیر ہماری جگہ تاتاریوں کی طرح وہ قوم نہ
لے لے۔ جو قرآن پاک کی تعلیمات کی روشنی میں اسلام کے کنارے اور ہمارے سرہانے پہنچ چکی ہے!

ایک لمحہ فکریہ جب سے یہ سہ روزہ جنگ ختم ہوئی ہے۔ ارباب علم و فضل کا سارا زور قلم
اسرائیلیوں۔ امریکیوں۔ انگریزوں اور روسیوں کی بیوفائیوں اور غداریوں

کا شکوہ کرنے یا عربوں کے قصور گنوانے پر لگا ہوا ہے۔ جہاں تک یہودیوں عیسائیوں اور کمیونسٹوں کا تعلق ہے۔ یہ ہمارے دوست نہیں بلکہ بقول قرآن کریم ہمارے دین وایمان اور ملک وملت کے دشمن ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے عقیدہ اور اپنے ملکی وملی تقاضوں کے مطابق کیا ہے۔ اور اسلام دشمنی کا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ اس لئے ان سے گلہ شکوہ بالکل بے جا ہے۔

باقی رہا عربوں کا سوال جنہیں اس وقت تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ان کا قصور کوئی ہم سے مختلف نہیں خدا اور اسلام سے ان کا تعلق بھی برائے نام تھا۔ اور ہمارا بھی برائے نام ہے۔ دین کی نہ انہیں فکر ہے نہ ہمیں فکر ہے۔ جہاد کا جذبہ نہ ان میں تھا۔ نہ ہم میں ہے۔ جدید ترین اسلحہ نہ ان کے پاس تھا اور نہ ہمارے پاس ہے سامان حرب وضرب کے لئے وہ بھی غیروں کے محتاج تھے ہم غیروں کے دست نگر ہیں ملکی وملی تعمیر وترقی کے لئے وہ بھی دوسروں پر تکیہ کئے ہوئے تھے۔ اور ہم بھی غیروں کی امداد پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں اپنے پاؤں پر نہ وہ کھڑے تھے۔ نہ ہم کھڑے ہیں۔ وہ بھی خود پرستی۔ خود نمائی اور خود غرضی میں گرفتار تھے۔ ہم بھی انہیں میں مبتلا ہیں عیاشی۔ آرام طلبی اور بے عملی جیسے ان میں عام تھی۔ ویسے ہی ہم میں بھی پائی جاتی ہے غرض کے ان کے اور ہمارے حالات زندگی میں بنیادی طور پر کوئی خاص فرق نہیں۔ حالات کم وبیش یکساں ہیں۔ اس لئے دوسروں کو طعن وتشنیع کا ہدف بنانے سے پہلے ہمیں خود اپنے گریبان میں بھی جھانکنا ہوگا۔ کہ جو الزام ہم دوسروں پر لگا رہے ہیں۔ کہیں اس کے مرتکب ہم تو نہیں۔

---

(۱۳)

سگریٹ نوشی کی مہلک وبائ

(منشی عبدالرحمٰن خان)

تمباکو نوشی تمباکو امریکہ کی پیداوار ہے کولمبس نے عربوں کی رہنمائی میں جب امریکہ دریافت کیا تو وہاں تمباکو پایا۔ سولہویں صدی میں امریکہ نے یورپ کو تمباکو سے متعارف کرایا۔ ۱۵۵۶ء میں سپین کے باشندوں نے امریکی قبائل سے تمباکو نوشی سیکھی۔ دس برس بعد تمباکو انگلستان پہنچا۔ ۱۷۵۰ء میں جنوبی امریکہ میں سب سے پہلا سگریٹ تیار ہوا۔ اگرچہ سگار اس سے پہلے وجود میں آچکا تھا لیکن سگار کے مقابلہ میں سگریٹ زیادہ مقبول ہوا۔ تمباکو کی کاشت سب سے پہلے مصر میں دریائے نیل کے کنارے کی گئی تیرہویں صدی میں چین میں بھی اس کی کاشت شروع کی گئی۔ غرض کہ تمباکو نوشی زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے ارسطو سے لے کر افلاطون تک تمباکو نوش تھے۔

امریکہ کی بدولت اکبر کے زمانہ میں ہندوستان بھی تمباکو سے لطف اندوز ہوا اور چند ہی سالوں میں اس کا رواج عام ہوگیا۔ جہانگیر نے اسے مفید نہ پاکر فضول خرچی پر محمول کیا اور تمباکو نوشی کو جرم قرار دے دیا۔ مگر چونکہ لوگوں کو اس کی عادت پڑ چکی تھی اس لیے سزا مقرر کرنے سے اس کے استعمال میں کمی واقع نہ ہوئی۔ تمباکو نوشی کا شوق روز بروز بڑھتا گیا یہاں تک کہ آجکل اکثر و بیشتر خورد وکلاں حاکم و افسر۔ ڈاکٹر۔ حکیم اساتذہ

طلبا، مذہبی رہنما، مفکر، مدبر اور سیاست دان علانیہ سگریٹ نوشی کرتے ہیں۔
تمباکو نوشی کے ایک حالیہ جائزہ کی رو سے پاکستان کی آبادی کا پانچواں حصہ تمباکو نوش ہے۔

سگریٹ نوشی دنیا میں کتنی تیزی سے پھیل رہی ہے اس کا اندازہ لگانے کے لیے صرف اتنا بتلا دینا کافی ہوگا کہ:۔

● انگلستان میں ۴۸-۱۹۴۷ء سے سگریٹ نوشی میں انگریز مرد وزن نے ۲۳۹,۰۰۰,۰۰ پونڈ تمباکو پھونکا۔

● ۱۹۵۹ء میں صرف امریکہ میں قریباً چار کھرب تریپن ارب یعنی ۱۹۵۸ء کے سابقہ ریکارڈ سے ۲۱۸ فیصد سگریٹ زیادہ فروخت ہوئے۔

● ۱۹۶۵ء میں ۵۲۸ ارب سگریٹ امریکہ میں پیے گئے۔ جب کہ ۱۹۶۶ء میں یہ تعداد ۵۴۱ ارب تک پہنچ گئی۔

● ۱۹۷۹ء میں ایران کے اندر سالانہ قریباً تین ارب غیر ملکی ساخت کے سگریٹ پیئے گئے۔

● ایک محتاط اندازہ کے مطابق ہر سال تقریباً ۳۰ لاکھ من تمباکو استعمال ہوتا ہے اور ۲۰ کھرب سے زائد سگریٹ سالانہ تیار ہوتے ہیں۔

● ایک سال میں جس قدر سگریٹ تیار ہوتے ہیں ان سے زمین سے لیکر چاند تک سات فٹ چوڑا اور ایک سگریٹ کے برابر موٹا فرش بچھایا جا سکتا ہے۔

● ایسے افراد کی تعداد جو سگریٹ بیڑی۔ پائپ سگار یا حقہ نوشی کرتے ہیں ۳۰ کروڑ سے تجاوز کر گئی ہے۔

● تمباکو نوشوں میں خواتین کی خاصی تعداد شامل ہے تمباکو نوشی کا رجحان

پاکستانی خواتین میں خطرناک حد تک فروغ پا رہا ہے تمباکو نوشی کی عادت خواتین میں صرف اونچی سوسائٹی کی خواتین ہی شامل نہیں نچلے طبقہ کی خواتین بھی اس عادت میں مبتلا ہیں تاہم متوسط طبقہ کی خواتین اس عادت سے مبرا ہیں۔

● طلبا میں سگریٹ نوشی کی وبا تیزی سے پھیل رہی ہے ہر نیا طالب علم پہلے تو دیکھا دیکھی پھر کبھی کبھی سگریٹ پینا شروع کرتا ہے جوں جوں وہ تعلیمی درجات میں ترقی کرتا جاتا ہے سگریٹ نوشی کی عادت پختہ ہوتی جاتی ہے بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور وہ سگریٹ نوشی کو ترقی یافتہ ہونے کی دلیل سمجھتا ہے۔

● بعض طلبا کو سگریٹ نوشی کا شرف والدین سے حاصل ہوتا ہے اس عادت کو پورا کرنے کے لیے جب پیسے دستیاب نہیں ہوتے تو پھر وہ ناجائز اور قبیح طریقوں سے اس خرچ کو پورا کرنے کے لیے اپنا اخلاق تک قربان کر دیتے ہیں۔

زہریلے اجزا سگریٹ تمباکو سے بنتا ہے جسے افریقہ کے وحشی قبائل زخموں کے علاج میں دوا کے طور پر استعمال کرتے تھے جدید سائنسی تحقیقات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے۔ کہ تمباکو میں پایا جانے والا زہر جسے عرفِ عام میں نکوٹین کہتے ہیں۔ اگر اس کے ۲۰ قطرے سانپ کو کھلا دیئے جائیں تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے بے رنگ محلول اور فوری اثر کرنے والا مہلک زہر نکوٹین تقریباً سو ملی گرام ایک سگار یا پانچ سگریٹوں میں موجود ہوتی ہے جو سگریٹ نوش منہ ناک گلے کی جھلی اور پھیپھڑوں کے ذریعہ جذب کرتا رہتا ہے اس زہر کے علاوہ اس میں کاربن مونو آکسائڈ کاربن ڈائی آکسائڈ اور امونیا وغیرہ کے زہریلے اثرات بھی شامل ہوتے ہیں علاوہ ازیں تمباکو کے پتوں کو بیماری سے محفوظ رکھنے کے لیے جو دوائی چھڑکی جاتی ہے اس کے ذریعہ سنکھیا کا قلیل ترین جزو سگریٹ میں آتا ہے جو انسانوں اور جانوروں میں کینسر پیدا کرنے کا موجب

بنتا ہے۔ اس سے خون کی نالیاں سکڑ جاتی ہیں اعضا کو آکسیجن نہیں ملتی۔ جن کو خون کی رگوں کی بیماری ہوتی ہے وہ اپنے ہاتھوں اپنی موت کا فوری سامان کرتے ہیں۔ تمباکو کے جلنے سے پیدا ہونے والا ٹار (T AR) کا بڑا جزو بھی کینسر کا باعث بنتا ہے اور سگریٹ نوش کے پھیپھڑوں کو کولتار کی طرح سیاہ کر دیتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ فلٹر والا سگریٹ نکوٹین سگریٹ نوش کے اندر نہیں پہنچنے دیتا یہ صرف ایک فریب ہے کیونکہ معمول کے مطابق سگریٹ پینے والے کے مقابلے میں تیزی سے سگریٹ پینے سے جسم کے اندر نکوٹین کی دس گنا مقدار انسان کے اندر جاتی ہے البتہ فلٹر صرف ۲۵ سے ۵۰ فیصد تک نکوٹین کو جذب کرتے ہیں باقی زہر سگریٹ نوش میں سرایت ہو جاتا ہے ویسے بھی فلٹر لگا سگریٹ پینے والے شوقین سگریٹ کا ۲۰ فیصد حصہ زیادہ پی جاتے ہیں اس لیے فلٹر کی حفاظتی تدبیر زیادہ موثر نہیں ہوتے۔

مہلک اثرات

سگریٹ کے زہریلے جز، ٹار اور نکوٹین خون میں شامل ہو کر جسم کے ہر عضو کو متاثر کرتے ہیں مثلاً:۔

- خون رگوں میں جلد جم جاتا ہے اور بعض اوقات خون کی کمی واقع ہو جاتی ہے
- خون کی رگیں سکڑ جاتی ہیں اور جلد کا رنگ پیلا پڑ جاتا ہے۔ اور بعض صورتوں میں سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔
- خون کی رگیں تنگ ہو جاتی ہیں خون کے دباؤ کا دل کی رگوں میں خون جمنے سے امکان بڑھ جاتا ہے۔
- دل کی کارکردگی کا دس فیصد گر جاتا ہے دل کی طاقت میں دس فیصد کمی واقع ہو جاتی ہے۔

• کھانسی کی شکایت شروع ہوکر پرانی کھانسی تک پہنچا دیتی ہے۔
• خوشبو کی حس مرجاتی ہے نزلہ زیادہ رہتا ہے یہاں تک کہ حلق میں گرنا شروع ہوجاتا ہے۔
• ذائقہ کی حس کو ختم کردیتا ہے۔ کھانے کا لطف جاتا رہتا ہے۔
• پھیپھڑوں کی ہوا کی نالیوں کی جھلی کے باریک بال اوپر نیچے ہونے کی وجہ سے سانس کے راستے داخل ہونے والے خوردبینی اجزا کو گلے کی طرف دھکیلتے رہتے ہیں
• یہ یادداشت کو تباہ کردیتا ہے اور خوب صورت چہرے پر جھریاں ڈال دیتا ہے
• قوت مدافعت کم اور سانس تیز کردیتا ہے جو آخر کار اکھڑا ہی رہتا ہے۔
• بینائی کم ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ بعض صورتوں میں ختم ہوجاتی ہے۔
• نرخرے منہ۔ غذا کی نالی اور مثانے پر کینسر کے اثرات مرتب کرتا ہے اور معدے کے زخم کو مندمل نہیں ہونے دیتا اور دمہ کا موجب بنتا ہے۔
• جسم کے عصبی نظام یعنی نروس سسٹم کو کمزور کردیتا ہے جس کی وجہ سے گھبراہٹ تند خوف، ڈر: دہشت بدمزاجی۔ چڑچڑا پن اور الرجی یا زود حسی پیدا ہوجاتی ہے
• معدہ صحیح کام نہیں کرتا بھوک کم لگتی ہے۔
• اسکا زیادہ استعمال حواس تنفس اور عضلات کو مضمحل کرتے کرتے اس کا کام تمام کردیتا ہے۔
• سگریٹ پینے والی عورتوں کے بچے کمزور پیدا ہوتے ہیں اور کم وزن ہوتے ہیں
امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ تمباکو نوشی سے ۷ بیماریاں ہوتی ہیں موجودہ طبی تحقیقات نے امام غزالی کے قول کی سو فیصدی تصدیق کی ہے کہ تمباکو کا استعمال انسانی صحت کے لیے کسی پہلو سے مفید نہیں بلکہ جسم کے تمام اعضا کے لیے انتہائی مضر اور تباہ کن ہے

سگریٹ نوشی | دنیا میں سگریٹ سازی کی صنعت اور سگریٹ نوشوں میں اضافہ کا رجحان بدستور موجود ہے۔ پاکستان کی وزارت مالیات نے ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۵ء تک کی معاشی ترقی کا جو جائزہ شائع کیا اس کی رُو سے

• پاکستان میں ہر سال ایک ارب دس کروڑ روپے کے سگریٹ پئے گئے جس کا مطلب یہ ہے کہ ۱۹۶۵ء تک روزانہ ۳۰ لاکھ ۱۲ ہزار روپے اور فی گھنٹہ ایک لاکھ ۲۵ ہزار روپے کے سگریٹ استعمال ہوتے رہے جس کے ۷ الٹرا کا سپرسانک جیٹ طیارے خریدے جا سکتے تھے یا ۵۰۰ ٹینک یا دس بحری جہاز خرید کر سکتے تھے

• ۱۹۷۰ء کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں سگرٹوں اور خاص طور پر سستے سگرٹوں کی کھپت میں اضافہ کی شرح پچھلے دس سال کے دوران سات فیصد سالانہ رہی۔

• تازہ ترین جائزہ کی رو سے پاکستان میں سگریٹ کی فی کس سالانہ کھپت ۱۷۱ ہے۔ اگرچہ یہ شرح برطانیہ امریکہ اور جاپان کی نسبت بہت کم ہے لیکن نسل نو میں سگریٹ نوشی کا رجحان جس تیزی سے بڑھ رہا ہے وہ اسے جلد متذکرہ بالا ممالک کے معیار سگریٹ نوشی پر پہنچا دے گا۔

• امریکہ میں شائع ہونے والے ایک تازہ رپورٹ میں بتلایا گیا ہے کہ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۴ء کے درمیان ۱۲ سے ۱۹ سال تک کی عمر کے سگریٹ نوشوں میں ۵۰ فیصد اضافہ ہوا اور ان کی تعداد ۳۰ لاکھ سے ۴۵ لاکھ ہو گئی۔ سگریٹ پینے والی لڑکیوں کی تعداد دگنی ہو گئی ہے اور ۱۲ سے کم عمر کے سگریٹ پینے والے بچوں کی تعداد قریباً ایک لاکھ ہے ۵۳ ملین سے زیادہ امریکن سگریٹ پیتے ہیں جن میں ۲۹ فیصد

مرد اور ۲۹ فیصد عورتیں سگریٹ نوش ہیں انہوں نے ۶۲۰ بلین سگریٹ خریدنے پر ۱۴ بلین ڈالر خرچ کیے۔

• فروری ۱۹۷۸ء میں شائع شدہ اعداد و شمار کی رو سے پریمیر ٹوبیکو انڈسٹریز کی ابتداً سالانہ ۱۵ کروڑ سگریٹ تیار کرنے سے ہوئی اور اب اس کمپنی کی مردان شنٹ سالانہ ساٹھ کروڑ سگریٹ تیار کر رہی ہے۔

• پاکستان میں سگریٹ سازی کی اس وقت دس سے زائد کمپنیاں چل رہی ہیں جو سالانہ ۲۴ کھرب سگریٹ تیار کرتی ہیں صرف کے ٹو کی سالانہ مانگ ۱۱ ارب سے زائد ہے۔

• پاکستان میں تازہ اعداد و شمار کے مطابق فی کس سالانہ قریباً پانچ سو سگریٹ استعمال ہوتے ہیں جب کہ امریکہ میں سالانہ فی کس ۲ ہزار سگریٹ پھونکے جاتے ہیں غرض کہ سگریٹ نوشوں کے تناسب سے سگریٹ سازی میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور اپنے ہاتھوں اپنی دولت پھونکی جا رہی ہے۔

سگریٹ نوشی کیوں؟

ایک ممتاز ماہر نفسیات نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ:-

"موجودہ زمانے کی زندگی کی مصروفیات نے ہر انسان کو اعصابی مریض بنا دیا ہے نشہ چاہے کسی چیز کا کیوں نہ ہو۔ اعصاب کو وقتی طور پر سکون دیتا ہے اس لیے لوگ تمباکو نوشی، شراب اور دیگر مختلف قسم کے نشوں سے سکون حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں انسان جتنا خللِ اعصاب (NERVESNESS) کا شکار ہوگا اسے نشہ کی اتنی زیادہ ضرورت رہتی

ہے۔ احساس کمتری کے مریض بھی اپنے اس احساس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے مختلف قسم کے نشوں کی مدد حاصل کرتے ہیں وہ شخص دنیا کا سب سے بڑا احساس کمتری کا مریض تھا جس نے سب سے پہلے شراب ایجاد کی۔"

سویڈن کے ایک مشہور ماہر نفسیات ایلڈک بسمارک نے اپنی کتاب "نشے کے بغیر کیسے جئیں" میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"خود اعتمادی کی کمی انسان کو نشہ میں مبتلا کر دیتی ہے احساس کمتری کے مریضوں میں خود اعتمادی کا فقدان ہوتا ہے اس لیے وہ فوراً ہر نشہ کو قبول کر لیتے ہیں اور بعض لوگ زندگی کے بعض تلخ حقائق سے فرار حاصل کرنے کے لیے سگریٹ پیتے ہیں افیون کھاتے ہیں چرس پیتے ہیں اور شراب سے دل بہلاتے ہیں۔"

ہلاکت آفرینی

امریکن کینسر سوسائٹی امریکن ہیلتھ سروس، امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن اور برٹش میڈیکل ریسرچ کونسل کی تحقیق کے مطابق قلب اور پھیپھڑے کے سرطان کے پھیلنے کا سب سے بڑا سبب تمباکو اور سگریٹ نوشی ہے جو عورتوں کے مقابلہ میں پانچ گنا مردوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے دنیا میں جس رفتار سے سگریٹ نوشی بڑھ رہی ہے اسی نسبت سے دل اور پھیپھڑے کے سرطان میں مبتلا ہونے اور ان سے مرنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے امریکہ میں سرطان میں مبتلا ہونے والوں کی تعداد بہ شرح ذیل بڑھ رہی ہے:۔

۱۹۱۴ء میں ۶۷۰ فی لاکھ : ۱۹۳۰ء میں ۳۶۶ فی لاکھ

۱۹۵۰ء میں ۱۹۶۵ 〃 : ۱۹۶۰ء میں ۳۵۶۲ 〃

۱۹۷۰ء میں ۶۱۷۴ 〃

● ایک شماریاتی جائزہ کی رو سے سگریٹ پینے والے نہ پینے والوں کے مقابلہ میں نہ صرف جلد بوڑھے ہوتے ہیں بلکہ جلدی مرجاتے ہیں اور

● سگریٹ پینے والوں کی اوسط اموات سگریٹ نہ پینے والوں کے مقابلہ میں ۵۷ فیصد زائد ہے۔

● نیشنل کینسر انسٹی ٹیوٹ کے ایک ماہر سائنسدان ڈاکٹر کے وسیع جائزے کے مطابق سگریٹ نہ پینے والوں کے مقابلہ میں سگریٹ پینے والوں کی تعداد اموات دگنی تھی۔ لیکن جہاں تک پھیپھڑے کے سرطان کا تعلق ہے یہ تناسب ایک اور سولہ تھا البتہ جنہوں نے دس سال سے سگریٹ نوشی ترک کر دی۔ ان کی اموات سگریٹ پینے والوں کے مقابلہ میں خاصی کم نکلی۔

● امریکہ میں شائع شدہ تازہ اعداد و شمار کی رو سے ۱۹۷۷ء میں وہاں سگریٹ نوشی کی وجہ سے ۳۲۰۰۰۰ افراد بیمار ہو کر جاں بحق ہوئے۔

● امریکی صدارتی ایوارڈ یافتہ کینسر سپیشلسٹ پروفیسر ڈاکٹر سردار کریم نواز کے تازہ بیان مورخہ ۱۶ اپریل ۱۹۸۰ء کے مطابق ۲۵ سال مسلسل سگریٹ پینے والے ۹۵ فیصد افراد سرطان میں مبتلا ہوتے ہیں امریکہ میں ۷۰ ہزار انسان ہر سال کینسر کے موذی مرض کا شکار ہوتے ہیں اور یہ مرض ترقی یافتہ ملکوں میں ہر سال ۳۰ ہزار افراد کی ہلاکت کا باعث بنتا ہے۔

● امریکہ کے محکمہ صحت عامہ کی شائع کردہ ایک رپورٹ کی رو سے گذشتہ ۲۰ سال کے اندر شرح موت اور بیماری دونوں میں سگریٹ نوشی کی عادت کے سبب شرح موت میں ۹ گنا اضافہ ہوا ہے مرنے والوں میں ۷۰ فیصد سگریٹ نوش تھے

● امریکہ کی سرطان سوسائٹی کی رپورٹ کے مطابق اگر سرطان موجودہ شرح کیمطابق پھیلتا رہا تو ہر چار میں سے ایک سگریٹ نوش اس موذی مرض کا شکار ہوگا اور ہر دو منٹ بعد ایک امریکی سرطان کی بیماری سے مر جائے گا

● اکتوبر ۱۹۸۰ء میں شائع ہونے والے ایک جائزہ کی بنا پر برطانیہ کے انڈر سکرٹری سر جارج ینگ کا بیان ہے کہ ایک سگریٹ زندگی کے پانچ منٹ کم کر دیتا ہے اور روزانہ ۲۰ سگریٹ پینے والا طبعی موت مرنے والوں کی نسبت پانچ سال پہلے موت کے منہ میں چلا جاتا ہے برطانیہ میں سگریٹ نوشی سے ہر سال ۵۰ ہزار افراد لقمہ اجل ہوتے ہیں۔

دین و دنیا کا خسارہ

طبی نقطہ نظر سے سگریٹ نوشی انسان کی صحت کو تباہ اور اس کی عمر کو کم کرنے کی ذمہ دار ہے اور شرعی نقطہ نظر سے اس کا پینا اور پلانا حرام ہے۔ اس کے پینے سے کوئی مالی مفاد نہیں بلکہ یہ باعث ضیاع ہے۔ موجب فضول خرچی ہے اور بموجب آیۂ کریمہ لا یحب المسرفین۔ اللہ جل شانہ ایسے لوگوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ جو فضول خرچ کرنے والے ہوں بلکہ انہیں ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین قرار دیتا ہے کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اسلام میں صرف دو ہی طبقے یا فرقے ہیں خدا اور رسول خدا کے احکامات پر چلنے والوں کو قرآن کریم نے حزب اللہ اور ان کے احکام پر نہ چلنے والوں کو حزب الشیطان قرار دیا ہے اس لیے سگریٹ نوشی انسان کو حزب اللہ سے

نکال کر حزب الشیطان میں داخل کر دیتی ہے اور وہ عند اللہ محبوب نہیں رہتا جس سے بڑھ کر اور کوئی خسارہ نہیں۔

● قرآن کریم نے ایسی تمام چیزوں کو "خبیث" کے لفظ سے موسوم کیا ہے جو انسان کی نشو ونما میں سدِ راہ اور اس کی صحت کے لیے مضر و مہلک ہوں۔

سورہ الاعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ میں ارشادِ ربانی ہے کہ:۔

" وہ حلال کرتا ہے ان کے لیے طیبات کو اور حرام کرتا ہے ان پر خبائث (یعنی گندی اور مضر صحت چیزیں)"۔

● تمباکو اور سگریٹ مسلمہ طور پر ایک نشہ آور چیز ہے سورہ المائدہ میں اس سے بچنے کی یوں ترغیب دی گئی ہے کہ:۔

" اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یہ نشہ اور جوا اور یہ سب گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو امید ہے تمہیں فلاح نصیب ہو گی"۔

● حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:۔

" ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور نشہ آور شے ہے"۔

" اور وہ جو نشہ پیدا کرے حرام ہے"

● تمباکو نوشی کے خلاف سب سے پہلا فتویٰ سلطان عبد الحمید ثانی کے دور میں شیخ محمد کامل ابن مصطفےٰ نے جاری کیا کہ تمباکو نوشی بغیر کسی فائدہ کے مال کو جلا کر ضائع کرنا ہے اور اس کی تائید ہر دور کے علماء حق نے کی۔ اور ۲ دسمبر ۱۹۷۷ء کو خانہ کعبہ کے امام شیخ عبد اللہ خلیقی نے حج کے موقعہ پر اپنے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:

" شراب، چرس، افیون، جیسی نشہ آور چیزیں سگریٹ اور ان جیسی دوسری چیزیں جن کا استعمال شریعت اسلامی حرام قرار دیتی ہے ان کی تجارت

بھی حرام ہے اور تجارت کرنے والے کے لیے وبال جان ہے۔ اس سے جو آمدنی ہوگی وہ خالص حرام ہے اور انسان کا جو گوشت حرام کے مال سے پیدا ہوگا وہ دوزخ کی آگ کا زیادہ مستحق ہوگا" (ماہنامہ میثاق فروری ۱۹۸۰ء)

سیاسی خسارہ

سگریٹ نوشی پہلے جیلوں میں ممنوع تھی اولین کشمیر ایجی ٹیشن میں جب رضاکار دھڑا دھڑ گرفتار ہو کر جیل پہنچے تو سگریٹ نوشوں کو وہاں سگریٹ نہ ملنے کی وجہ سے جان کے لالے پڑ گئے اور انہیں دن کو تارے نظر آنے لگے۔ حکومت نے ان کی اس مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اعلان کر دیا کہ جو سگریٹ پئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ان کے لیے معافی کا دروازہ کھلا ہے۔ چنانچہ بکثرت رضاکار سگریٹ نہ ملنے کی وجہ سے معافی نامے دے کر جیل سے باہر آگئے جس سے اس تحریک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اس وقت سب سے پہلے احرار لیڈر چوہدری افضل حق مرحوم نے سگریٹ نوشی کے خلاف آواز بلند کی اور نوجوانوں کو اس بری عادت سے نجات دلانے کے لیے باقاعدہ تحریک چلائی مگر یہ کامیاب نہ ہو سکی۔ کانگرس کے سول نافرمانی کے دور میں بھی ایسے حالات کا بعض مقامات پر اعادہ ہوا۔ مگر کسی نے اس کی جڑیں کاٹنے کی طرف توجہ نہ دی ہندوستان کے آزاد ہو جانے اور پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد آزادی کی خوشی میں قیدیوں کو جو مراعات دی گئیں ان میں، ان پر سگریٹ نوشی کے دروازے کھولتے گئے پاکستان بننے کے بعد نابالغ بچوں کو سگریٹ نوشی سے باز رکھنے کے لیے ایک قانون بنایا گیا مگر اس پر عملدرآمد ضروری نہ سمجھا گیا۔ جس کی وجہ سے نابالغ بچوں میں سگریٹ نوشی کی وبا زور پکڑ گئی اور جب انہیں سگریٹ کے لیے پیسے دستیاب نہیں ہوتے تو وہ اپنی عادت پوری کرنے کے لیے بدکرداروں کا شکار بن جاتے ہیں۔

انسدادی مساعی سگریٹ نوشوں کو اپنے ہاتھ سے زہر پینے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دینے سے بچانے کے لیے ایک عرصہ سے کوششیں ہو رہی ہیں۔ مثلاً :-

عالمی ادارہ صحت کی مجلس منتظمہ کے ۵۴ ویں اجلاس میں بمقام جنیوا فیصلہ کیا گیا کہ وہ شخص جو سگریٹ نوشی کے ذریعہ اپنی صحت کو خراب کرنے پر تلا ہوا ہے سگریٹ نوشی سے احتراز کرے اور بدوران اجلاس ہرگز سگریٹ نہ پیئے

متذکرہ بالا مضرات کی بنا پر مغربی ممالک میں سگریٹ نوشی کے خلاف تحریکیں چلائی جا رہی ہیں امریکی سرجن لیوتھر تری کی رپورٹ کے بعد کہ سگریٹ نوشی سے پھیپھڑوں کا سرطان فروغ پا رہا ہے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ امریکیوں نے سگریٹ نوشی ترک کر دی ہے اور اس کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

امریکن کینسر سوسائٹی سگریٹ نوشی کے خلاف کامیاب مہم چلانے والوں کو باقاعدہ ایوارڈ دیتی ہے یہ انعام سب سے پہلے ایک آئس کریم کی دکان کے مالک ڈاکٹر جاز کو ملا جس نے اپنی دکان اولڈ نیشنڈ آئس کریم پارلر کے گوشہ میں ایسے خودکار آلات لگا رکھے ہیں کہ اس دکان میں جونہی کوئی سگریٹ سلگاتا ہے وہ آلات خود بخود جلتے ہوئے سگریٹ کی نشاندہی کر دیتے ہیں سرخ بتی جلتی ہے سائرن بجنا شروع ہو جاتا ہے۔ جو یہاں سگریٹ نہ پینے کا الارم ہوتا ہے اور سگریٹ نوش کو عجیب مخمصے میں پھنسا دیتا ہے۔ اور وہ شوقین سگریٹ پھینک دیتا ہے اس دکان کے حصہ دار این لوڈا کا کہنا ہے کہ اس قسم کا اجتماعی سنسرشپ سگریٹ نوشی کے خلاف موثر ثابت ہوتا ہے۔ وہاں ریڈیو اور ٹیلیویژن پر سگریٹ کے اشتہار دینے کی ممانعت ہے۔

● - برطانیہ کے طبی ماہرین نے تمباکو نوشی کے خلاف جو مہم چلا رکھی ہے اس کے نتیجہ میں ٹیلیویژن پر سگریٹ کے اشتہار دکھانے کا سلسلہ بند کر دیا گیا ہے حکومت نے ٹیلیویژن پر سگریٹ کی پبلسٹی ممنوع قرار دی ہے۔

● - ناروے میں سگریٹ نوشی پر تمام پبلسٹی بند کر دی گئی ہے اور سویڈن میں سگریٹ کے پیکٹوں میں احتیاطیں لکھ کر رکھ دی جاتی ہیں

● - روس میں بلیک سی (سیاہ سمندر) کے میئر نے یہ حکم لکھ کر لگوا رکھا ہے کہ کوئی مسافر سیرگاہ، ریسٹورنٹ، ہسپتال یا سکول کے دفتر میں اور کسی پبلک مقام پر سگریٹ نہیں پی سکتا کیونکہ اس کے دھوئیں سے دوسرے تندرست آدمی بیمار ہو سکتے ہیں

● عالمی ادارہ صحت نے ۱۹۸۰ء سے خاص طور پر تمباکو نوشی کے انسداد کی طرف توجہ مرکوز کی ہے اور ۱۹۸۰ء کو سگریٹ چھوڑ دو کا سال کہا گیا ہے۔

● حکومت پاکستان نے دفتروں اور درسگاہوں کے اساتذہ پر سگریٹ نوشی پر پابندی لگا رکھی ہے۔ البتہ سٹاف روم میں وہ سگریٹ پی سکیں گے لیکن ٹیلیویژن پر سگریٹ کے اشتہار موثر انداز میں بدستور دیئے جا رہے تھے جو بند کر دیئے ہیں

ناکامی کے اسباب

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنی نوع انسان کو آج ایٹم بم یا ہائیڈروجن بموں سے اتنا خطرہ نہیں جتنا تمباکو نوشی سے ہے مگر اس سے نجات حاصل کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی کیونکہ آج تک کسی نے انسداد تمباکو نوشی کے لیے نیک نیتی سے کوشش نہیں کی اور نہ کر سکتی ہے کیونکہ :-

الف : زیادہ تر سگریٹ ساز کمپنیاں ارباب اقتدار کی ہیں امریکی قانون ساز ادارہ سینیٹ میں ایسے ارکان کی تعداد خاصی ہے جو تمباکو پیدا کرنے والی ریاستوں کے

کے مالک ہیں کم و بیش یہی حالات برطانیہ میں ہیں۔ مشہور اور مقبول برانڈ کے سگریٹ پلیئر۔ تھری کیسل اور کیپسٹن بنانے والی امپیریل ٹوبیکو کمپنی کے اکثر حصہ دار ارباب اقتدار ہیں اور وہ کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کا سب سے بڑا ذریعہ آمدنی بند ہو جائے۔ یہ لوگ محض اپنی صنعت کے تحفظ کے لئے قانون ساز اداروں پر چھائے رہتے ہیں۔ اور اپنے مفاد کے خلاف کوئی قانون نہیں بننے دیتے۔

(ب) تمباکو کاشت کرنے، فروخت کرنے، سگریٹ بنانے اور سگریٹ فروخت کرنے سے سب سے زیادہ آمدنی حکومت کو ہوتی ہے کیونکہ سگریٹ کے ایک پیکٹ پر جہاں صنعتکار کو صرف نصف پنس اور دکاندار کو پانچ پنس منافع ملتا ہے وہاں حکومت کو ۲ شلنگ اور ۹ پنس ایکسائز ڈیوٹی کی آمدنی ہوتی ہے ۱۹۶۵ء میں حکومت برطانیہ کو تمباکو اور سگریٹ کے ٹیکس سے ستر کروڑ بیس لاکھ پونڈ کی آمدنی ہوئی اور امریکہ میں ہر سال اس صنعت کے ذریعہ اربوں روپے حکومت کو آمدنی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہاں سالانہ پانچ کھرب کے قریب سگریٹ تیار ہوتے ہیں۔

(ج) فروری ۱۹۷۸ء میں شائع شدہ اعداد و شمار کی رو سے سگریٹوں کی آمدنی سے حکومت پاکستان کو سالانہ دو ارب کی آمدنی ہو رہی ہے۔ یہ صنعت حکومت کو سب سے زیادہ ٹیکس ادا کر رہی ہے۔ اس لئے کوئی حکومت یہ نہیں چاہتی کہ وہ اپنی آمدنی کے سب سے بڑے ذریعہ (MAIN SOURCE OF INCOME) کو بند کر دے چنانچہ برطانیہ میں جب وزارت صحت نے سگریٹ نوشی کے خلاف تحریک چلائی تو مسٹر آر اے بٹلر سابق چانسلر آف ایکس چیکر نے مانچسٹر میں کنزرویٹو

پارٹی کے ایک اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے عوام سے اپیل کی کہ ملک کی مالی حالت بہتر بنانے کے لیے آپ سگریٹ پینا ترک نہ کریں۔ خواہ اس کے پینے سے کینسر ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔

(۵) امریکہ میں سگریٹ نوشی ترک کرنے کی تحریک کو تقویت دینے اور عوام کو اس فضول اور مہلک عادت سے بچنے کی ترغیب دینے کے لئے امریکہ کے صدر آئزن ہاور نے سگریٹ خود تو پینا بند کر دیا تھا مگر سطح خسراں پر بیٹھنے کے باوجود سگریٹ نوشی کے خلاف کوئی قانون نہ بنا سکا

نجات کی صورت

سویڈن کے مشہور ماہر نفسیات ایلڈک لبمارک لکھتا ہے کہ "ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کریں۔ اس کے بغیر دنیا کی کوئی دوا اور کوئی طاقت آپ کو نشہ سے نجات نہیں دلا سکتی۔ ایک بار عہد کر لیں کہ اب آپ نشہ نہیں کریں گے۔ اس عہد پر ثابت قدم رہیئے۔ اس پر عمل کرنے سے آپ نہ صرف نشے کی عادت سے چھٹکارا پالیں گے بلکہ اس سے آپ کی شخصیت میں ایک خوشگوار تبدیلی آجائے گی"

آئزن ہاور نے اسی نسخہ پر عمل کیا۔ اس کا بھی یہی کہنا ہے کہ سگریٹ چھوڑنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان ارادہ کرے۔ اور سگریٹ پینا چھوڑ دے۔ وہ خود سگریٹ نوشی کے رسیا تھے۔ وہ چین سموکر تھے یعنی اکثر ایک سگریٹ کے بعد دوسرا سگریٹ سلگاتے تھے اور انواع و اقسام کے سگریٹ پینے کے شوقین تھے۔ سگریٹ ان کی زندگی کا ایک لازمی جزو بن چکا تھا۔

تجارتِ آخرت

دنیا میں جمع کردہ مال و دولت بالآخر دوسروں کے کام آتی ہے۔ مگر دینی اور رفاہی کاموں پر
سرمایہ انسان کے اس وقت کام آتا ہے جب وہ خالی ہاتھ دوسری دنیا میں پہنچتا ہے اس لئے
سرمایہ آخرت کے بینک میں بھی محفوظ کرنے کی فکر و کوشش کرنی چاہیئے۔ اور اس کی بہترین صورت
دین پر خرچ کرنا ہے جس کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے اور جو ہر مسلمان پر فرض کفایہ ہے۔ یہ
رُھلا دینے کا نتیجہ ہے کہ آج انسان اخلاقی آوارگی، ذہنی ارتداد، فکری انتشار اور لادینی اقدار کا
ایسے وقت میں جبکہ شعائر اسلام مٹتے چلے جا رہے ہوں اور غیر ممالک سے انگریزی دینی لٹریچر
رنے کا شدید تقاضا ہو رہا ہو۔ یہ فرض کفایہ، فرض عین ہو جاتا ہے، اور بقول حضرت مجدد الف
ایسے لادینی دور میں دین کو رواج دینے کے لئے ایک کوڑی خرچ کرنا اللہ کی راہ میں لاکھوں رو
کرنے کے برابر ہے۔

یہ ادارہ اسی فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ تاکہ جو حضرات دنیوی مصرو
کے باعث یہ دینی فریضہ ادا نہیں کر سکتے۔ وہ اس ادارہ کے رُکن بن کر گھر بیٹھے لٹریچر کے ذریعہ
بیرون ملک تبلیغ کر کے سرمایۂ آخرت جمع کر سکیں یا اس کے تبلیغی ماہنامہ مجلہ میں اشتہار دے
ہم خرما و ہم ثواب" اپنی تجارت بڑھا سکیں۔ یہ ادارہ مارچ ۱۹۶۵ء سے نہایت باقاعدگی سے
ہزاروں کی تعداد میں دیدہ زیب اور دلنشین اردو لٹریچر نسل نو اور بیرونی ممالک
تقسیم کر رہا ہے۔ اب بیرونی ممالک کے لئے انگریزی میں دینی لٹریچر شائع کیا جا رہا
کسی جماعت کا نقیب یا ترجمان نہیں۔ اس کا مقصد خالصۃً للہ دین کی خدمت ہے اور
آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ تاکہ اسلام کا پیغام جاپان، کوریا، آسٹریلیا اور افریقہ وغیرہ تک

فارم رُکنیت مفت طلب کریں

منشی عبدالرحمن خان منیجنگ ڈائرکٹر عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ

پہلیک۔ ملتان شہر ——— فون نمبر ۳۱۶۷۵